نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

نجات

اُردو صحافت کے پس منظر میں لکھی یہ تحریر آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی

اس کہانی کے کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں۔

اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الزمہ ہے۔

طارق اسمٰعیل ساگر

گلی کے کونے پر کھڑے گارڈ کا اشارہ ملتے ہی نذیر خان چوکس ہوگیا۔ انہوں نے پٹھان سے دو پراٹھے اور ہاف سیٹ چائے منگوائی تھی اور اب سائیکل سٹینڈ کے کونے میں چھپ کر ناشتہ کر رہے تھے کہ یہ مصیبت آن ٹپکی۔

اوہ کنجر آ گیا ای''۔۔۔۔ نذیر خان نے اپنے ساتھی رنگ علی سے کہا۔

''مولا اس کی دوسری ٹانگ بھی توڑے۔ خدا جانے کس گناہ کی سزا بھگت رہے ہیں ہم''۔۔۔۔

کہتے ہوئے رنگ علی نے پہلے سے ''ایمرجنسی'' کے لئے تیار کردہ جگہ پر چائے اور پراٹھے چھپا دیئے اور دونوں بظاہر چوکس ہوکر ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہوگئے۔ دونوں نے اشرف لنگڑے کو سائیکل پر آتے دیکھ لیا تھا۔ جو بالکل نارمل لوگوں کی طرح سائیکل چلاتا اُن کی طرف آ رہا تھا۔

''سلام لیکم جی''۔۔۔۔ دونوں نے سائیکل رُکنے پر کہا۔

''کیوں بھئی۔۔۔۔ سب اچھا ہے ناں کوئی مسئلہ تو نہیں''

اشرف لنگڑے نے حسب عادت ان کے سلام کا جواب دینے کے بجائے اپنی ''افسری'' جتاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک اے جی''۔۔۔۔ نذیر خان بولا۔

''حوالدار صاحب! ذرا ان کا خیال رکھا کریں، آج کل ''صاحب'' بڑا گرم ہے۔ کل ہی دو سب ایڈیٹر فارغ کئے ہیں۔

''رنگ علی کا جی چاہا کہ اس لنگڑے کا ٹینٹوا دبا دے۔ کم از کم اس کی دوسری ٹانگ تو فوراً توڑ دے۔ وہ رینجرز کا ریٹائرڈ حوالدار تھا۔ گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا اُس نے لیکن اپنی زندگی میں اُس کا ایسے بدتمیز اور خبیث شخص سے کبھی پالا نہیں پڑا تھا جو شاید ''صاحب'' کے علاوہ اور کسی کو جوتے کی نوک پر بھی نہیں لکھتا تھا۔

''اکیلے اکیلے ناشتہ کیا کرو۔۔۔ تم لوگ ''جج'' (شادی) پر نہیں آئے۔ سکیورٹی جاب کر رہے ہو۔ دفتر

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کی سکیورٹی پہلے باقی معاملات بعد میں آتے ہیں..... کیا سمجھے''.....

اس دوران سکیورٹی گارڈ نتھو نے اُس کی سائیکل پکڑ کر مخصوص جگہ پر کھڑی کر دی تھی اور اب اشرف لنگڑا دفتر کی لفٹ کی طرف جا رہا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنی جگہ سے ہٹا تینوں سکیورٹی گارڈ نے مل کر اُسے باجماعت گالیاں اور بددعائیں دینا شروع کر دیں۔ یہ اُن کا معمول تھا۔ گزشتہ کئی برسوں سے یہ پریکٹس جاری تھی لیکن لنگڑے کا ابھی تک بال بھی بیکا نہیں ہوا تھا پھر بھی وہ پُرامید تھے کہ کبھی نہ کبھی اُن کی بددعائیں ضرور رنگ لائیں گی۔

''حوالدار صاحب! یار تم تو ''شاہ پور'' کے رہنے والے ہو۔ وہاں کے پیر فقیر تو سارے ملک میں مشہور ہیں۔ کوئی جادو منتر ہی کروا دو اس مردود پر۔ یہ تو ہمارے لئے کینسر بنتا جا رہا ہے'' نتھو خاں نے بڑی بے بسی سے رنگ علی کی طرف دیکھا۔

نتھو خان فوج کا سابق لانس نائیک تھا اور ریٹائرمنٹ کے بعد ہی یہاں سکیورٹی گارڈ بھرتی ہوا تھا۔ تنخواہ تو سات ہزار روپے بروقت مل جاتی تھی لیکن اشرف لنگڑے کی صورت میں ''صاحب'' نے اُن پر جو عذاب نازل کر رکھا تھا اُس نے نتھو خان کی زندگی بھی اجیرن کر دی تھی۔

دوسرے تیسرے روز اشرف لنگڑا اُسے یہ ضرور یاد کروایا کرتا تھا کہ اُدھیڑ عمر اور ضعیف ہو گیا ہے اُس کے کندھے بندوق کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتے یہ تو ''صاحب'' کی مہربانی ہے کہ اُسے ملازم رکھا ہوا ہے ورنہ تو اُسے فوراً نکال دینا چاہیے .....!

اشرف لنگڑا بھی اُس کا ہم عمر تھا یہ الگ بات ہے کہ اُس کے عمر چور چہرے نے اُس کے عمر کے علاوہ بھی سارے عیب چھپا رکھے تھے.....

نتھو فوج کی ایم۔ ٹی برانچ کا ریٹائرڈ ڈرائیور تھا اور اُس نے ساری نوکری میں کبھی ایک لمحے کے لئے کمپرومائز نہیں کیا تھا۔ بڑی عزت سے نوکری مکمل کی تھی، لیکن چار بیٹیوں کا باپ ہونا اس کا ناقابل معافی گناہ بن چکا تھا۔ دو بیٹیوں کے دوران سروس ہاتھ پیلے کر دیے تھے اور دو کے ہاتھ ابھی پیلے کرنے تھے۔ دو تھنا کلے زمین تھی جس میں تین حصہ دار تھے اس سے کم از کم گھر دانہ بھکا چل جاتا تھا باقی کچھ تنخواہ اور پنشن کا سہارا تھا لیکن اشرف لنگڑا ادارے کے دیگر سب سے ملازمین کی ہی نہیں اُس کے لئے بھی مستقل دردسر بنا ہوا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے روز وہ کسی نہ کسی بہانے انہیں ڈانٹتا رہتا تھا۔ اشرف لنگڑے کے وہاں سے دفع ہوتے ہی دونوں نے باقی ناشتہ مکمل کیا تھا۔ یہ کوئی پہلی مرتبہ اُن کے ساتھ نہیں ہوا تھا، قریباً ہر سکیورٹی گارڈ اس اذیت سے گزرتا رہتا تھا کیونکہ لنگڑے کے سامنے کچھ بھی کھانے کا مطلب یہی تھا کہ اُس کے لئے فوراً وہ چیز منگوائی جائے جو ان بے چاروں کے بس کی بات نہیں تھی۔ کیونکہ اخبار کے دفتر میں آنے والے ''معزز مہمانوں'' میں سے شاید ہی کبھی کسی نے کسی سکیورٹی گارڈ پر رحم کھاتے ہوئے سو پچاس روپے اُس کی مٹھی میں تھمائے ہوں گے جبکہ اشرف لنگڑا روزانہ دو تین ہزار کی دیہاڑی لگاتا تھا، دفتر میں ''صاحب'' سے ملنے کے لئے آنے والے ہر ''نامہ نگار'' کے لئے لنگڑے کا ''بخرہ'' نکالنا لازم تھا جو پانچ سو کے نوٹ سے کم نہیں ہوتا تھا۔ پرانے نامہ نگار دو تین سو اُس کی مٹھی میں دے دیا کرتے تھے لیکن انہیں ''ملاقات'' کے لئے گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا۔

''صاحب ایڈیٹوریل کی میٹنگ لے رہے ہیں''

''جسٹس صاحب آئے ہوئے ہیں''

''اکاؤنٹ والوں کی میٹنگ چل رہی ہے''

اس طرح کے متعدد بہانے بنا کر وہ دور دراز سے آئے بوڑھے نامہ نگاروں کو جو اس ادارے سے تیس تیس چالیس چالیس سال سے وابستہ تھے پریشان رکھتا اور انہیں بالآخر تنگ آ کر دو تین سو روپے لنگڑے کو منت سماجت کر کے دینا پڑتے کیونکہ وہ ''ناں ناں'' کرتے ہوئے انہیں دھتکارتا رہتا، بالآخر جیب میں ڈالنے کے بعد ''صاحب'' کے کمرے میں دھکا دے دیتا۔

یہی ڈرامہ ''صاحب'' کے دیگر ملنے والوں سے چل رہا تھا جن کے نزدیک ''اشرف کانا'' کا شمار معززین اخبار ہذا میں ہوتا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اشرف لنگڑے کی مٹھی گرم رکھنے سے اُن کے کئی مسائل حل ہو سکتے تھے۔ اُن حالات میں جب کہ ''صاحب'' ''بہت مصروف'' ہوتا ملاقات ممکن تھی۔ اشرف لنگڑے کی بھی اپنے مخصوص گاہکوں کو دیکھ کر رال ٹپکنے لگتی تھی اور وہ اُن کے لئے بطور خاص دفتر کی کینٹین سے چائے بنا کر لاتا تھا۔ کسی بھی ''صاحب'' کے ملاقاتی کو اشرف لنگڑے کی طرف سے چائے پیش ہونے کا سیدھا مطلب تھا کہ وہ اُسے ''نذرانہ پیش کرے''۔

یہ تو روزانہ کی کارروائی تھی۔ سالانہ اور ماہانہ وظیفے الگ سے تھے۔ گندم کی فصل آنے پر نامہ نگاروں کی طرف سے ایک ایک توڑا، اسی طرح چاول، آم، گڑ، دیسی گھی وغیرہ غرض اشرف لنگڑا کسی کو معاف نہیں کرتا تھا۔

تہواروں پر ''عیدی'' دینا نہ صرف نامہ نگاروں، صاحب کے مستقل ملاقاتیوں کے لئے لازم تھا جو لنگڑا اپنا حق سمجھ کر وصول کرتا۔ اُس کا ایک اور اہم شکار غیر ممالک میں بسنے والے پاکستانی تھے جن سے تحفے تحائف ملتے رہتے تھے اور روزانہ کا بونس اُن تصاویر اور خبروں کی صورت میں الگ سے مل جاتا جو وہ نائٹ شفٹ کے آغاز پر ہی لوکل کاپی کے انچارج کو اس دھمکی کے ساتھ سونپ دیتا۔

''صاحب کے ملنے والے ہیں۔ صبح وہ خود چیک کر لیں گے۔''

اگر کبھی ''صاحب'' کی طرف سے ایک آدھ خبر یا تصویر اس حوالے سے اشرف لنگڑے کے حوالے کی جاتی تو اُسے ''ڈیسک'' پر پہنچا دے تو وہ اسی میں اپنی پارٹیوں کی تین چار تصویروں اور خبروں کا اضافہ کرنے کے بعد ہی یہ ''امانت'' اُن تک منتقل کرتا تھا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اخبار کے فوٹو گرافر اُس کے اہم شکار ہوتے تھے۔ ہر روز لوکل اخبار کی مانیٹرنگ اشرف لنگڑے کا معمول تھا۔ وہ بمشکل پانچ جماعت پڑھا ہوا تھا لیکن حیرت انگیز طور پر اُسے دفتر میں آنے والے تمام رسائل اور اخبارات کی پہچان تھی اور خدا ہی جانتا ہے اُس کے پاس کون سا علم تھا جس کے ذریعے وہ لوکل صفحات پر چھپنے والی خبروں اور تصاویر کا مکمل ایکسرے کرنے کے بعد سمجھ جاتا تھا کہ فلاں خبر یا تصویر کس نے لگوائی ہوگی جس کے بعد متعلقہ فرد کی باقاعدہ بلیک میلنگ شروع کر دیتا۔

فوٹو گرافروں نے تو اس کا منہ بند رکھنے کا نسخہ ڈھونڈ لیا تھا وہ اُسے دوسرے تیسرے روز دو تین سو روپے دے کر اپنی جان خلاصی کروا لیتے۔ اور اس کے "حکم" پر متعلقہ فرد، ادارے یا فنکشن کی تصویر بھی اُسے بنا کر دے دیتے۔ یہ تصاویر اخبار میں اُن کی ڈیوٹی لگا کر تیار کروائی جاتی تھیں، دراصل یہ بیگار اشرف لنگڑے کی ہوتی تھی جسے بھگتنا ان کے لئے لازم تھا۔

اشرف لنگڑے کی ڈیوٹی تو دوسرے ملازمین کی طرح آٹھ گھنٹے کی تھی لیکن وہ روزانہ صبح 9 بجے سے رات گیارہ بجے تک کا وقت دفتر میں گزارتا۔ صبح نو بجے آنے کے بعد وہ "صاحب" کے کمرے کے باہر رکھے فون پر "آپریٹر" سے متعلقہ نمبر ملواتا۔ انہیں باخبر کرتا کہ اُن کی "خبر"، تصویر، فنکشن وغیرہ آج شائع ہو گیا ہے تاکہ اپنا "بخرہ" حاصل کر سکے۔ اخبار اُس کی آمد کے ساتھ ہی اختر نیڈ الملحقہ کیبن میں رکھ دیتا، جس پر پہلے سے اُسکی رات کو دی گئی خبریں اور تصویریں انڈر لائن کی ہوتی تھیں۔ یہاں اختر نیڈ اس کے لئے فوراً دفتر کی کینٹین سے دودھ پتی تیار کر کے لاتا، جسے بدتمیزوں کی طرح منہ سے شوں شوں کی آوازیں نکالتے ہوئے اشرف لنگڑا لمبے لمبے گھونٹ بھر کر خالی کرتا اور جیسے ہی "کوٹھی" سے اطلاع آتی کہ "صاحب نکل گیا ہے" فوراً لفٹ کے ذریعے گراؤنڈ فلور پر پہنچ کر پارکنگ کے آگے کھڑا ہو جاتا۔ لفٹ آپریٹر بے چارہ لفٹ گراؤنڈ فلور پر روک لیتا کیونکہ "صاحب" کوٹھی سے نکل چکا ہوتا تھا" جب تک صاحب اس میں سوار نہ ہو کسی اور کو لفٹ کی طرف دیکھنے کی اجازت نہیں تھی۔ پانچویں چھٹی منزل پر کام کرنے والے بیمار، بوڑھے اور لاچار ملازمین بددعائیں دیتے" صاحب" کی جان کو روتے کرتے پڑتے، ہانپتے کانپتے اپنی سیٹ کرسی تک پہنچتے اور پانی پینے کے بعد بھی کافی دیر تک "صاحب" اور اشرف لنگڑے کی جان کا سیاپا کرتے رہتے۔

"صاحب" کی گاڑی ڈرائیور بلبل خان بالکل اشرف لنگڑے کے نزدیک کھڑی کرتا۔ پچھلی سیٹ پر بیٹھے صاحب کا دروازہ لنگڑا خود کھولتا۔ بے چارے سکیورٹی گارڈ کار کو گھیرے سے بے بسی سے سارا منظر دیکھتے رہتے، لنگڑا ایسی پوزیشن اختیار کرتا کہ ان میں سے کسی کا سلام بھی صاحب کو دکھائی یا سنائی نہ دے۔ صاحب کے ساتھ ایک آدھ فائل یا اخبار ہوتا جس پر وہ گہرے نشان لگا کر لایا کرتا تھا۔ لنگڑا وہ خود قابو کر لیتا۔ صاحب سے چپک کر لفٹ تک آتا لفٹ آپریٹر دروازہ کھول کر کھڑا ہوتا جیسے ہی لفٹ چلتی لنگڑا سیڑھیوں کے راستے لنگور کی طرح چھلانگیں لگاتا اُوپر کو بھاگتا۔

سارا دفتر اور سکیورٹی والے حیران رہ جاتے کہ "ڈوڑا" (ایک پاؤں پیدائشی طور پر ٹیڑھا تھا) کیسے بندر کی طرح چھلانگیں لگاتا برق رفتاری سے اوپر دوسری منزل پر پہنچ جاتا، جہاں صاحب کا کمرہ اور اُس کا "ٹھکانہ" تھا۔ لفٹ چونکہ "صاحب" کی روایتی اور خاندانی کنجوسی کا شاہکار تھی اور اُسے دفتر میں تب فٹ کیا گیا تھا جب متعلقہ ادارے نے اُسے "ناکارہ" قرار دے دیا تھا۔

لفٹ اور لنگڑے کی ٹائمنگ زبردست تھی، جیسے ہی لفٹ کا دروازہ کھلتا لنگڑا اپنا پھولتا سانس قابو کیئے سامنے موجود ہوتا۔ صاحب کے کمرے کا دروازہ کھولتا۔ کاغذات اُن کے سامنے میز پر رکھتا۔ اُن کی طرف سے تازہ ہدایات وصول کرتا اور باہر آ کر کمرے کو لاک کر کے چابی جیب میں ڈال لیتا تاکہ کوئی اُس کے آنکھ جھپکنے کے دوران دروازہ کھول کر براہ راست "صاحب" تک نہ پہنچ جائے۔ یہی اُس کا گزشتہ پینتیس سال کا معمول تھا اور یہی اُس کے اب تک کے "سروائول" کا راز تھا کہ وہ کبھی کسی کو صاحب تک براہ راست رسائی حاصل نہیں کرنے دیتا تھا اُس نے ان تیس سالوں میں اس اخبار کے دفتر میں آنے والے ہر شخص کو شعوری اور لاشعوری دونوں طرح اس بات کا قائل کر دیا تھا کہ اس کے بغیر کوئی "صاحب" تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ وہی ادارے کے سیاہ و سفید کا مالک ہے اور "صاحب" کو اپنے اشاروں پر کٹھ پتلیوں کی طرح نچاتا اُس کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

دفتر کے ہر چھوٹے بڑے ملازم کو اس بات کا یقین تھا کہ لنگڑے سے دشمنی کا مطلب ہے ادارے سے چھٹی۔ اُس سے تعلقات بہرصورت خوشگوار رکھنے پڑیں گے خواہ کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے۔

O

اشرف لنگڑے نے روزنامہ "فریب نظر" میں یہ مقام یوں ہی حاصل نہیں کر لیا تھا۔ اس کے لئے اُس نے متعدد مرتبہ اخباری کارکنوں سے ٹھیک ٹھاک مار کھائی تھی۔ ایک مرتبہ تو وہ اُسے اپنی دانست میں جان سے ہی مار گئے تھے لیکن دس بارہ دن ہسپتال میں داخل رہنے کے بعد لنگڑا روبصحت ہو کر واپس آ گیا۔ پر ایسی مار کے بعد اُس کا اپنے "صاحب" کے نزدیک ایک اور "رینک" بڑھ جاتا تھا کہنے کو تو وہ "نائب قاصد" تھا لیکن اصل میں وہی روزنامہ "فریب نظر" کا نیوز ایڈیٹر، چیف رپورٹر، ڈپٹی ایڈیٹر، منیجنگ ایڈیٹر وغیرہ تھا۔

وہ ستر کے عشرے میں لائل پور سے بھاگ کر لاہور آیا تھا۔ جس کی وجہ اُس کے والد کا رویہ تھا جس نے ایک روز اُس کی ماں پر تیزاب پھینک دیا، اشرف لنگڑے کی ماں کی یہ تیسری شادی تھی۔ پہلے دونوں خاوندوں کی طرح اُس نے تیسرے خاوند کا انتخاب بھی ٹھونک بجا کر کیا تھا لیکن اس مرتبہ وہ اندازے کی غلطی کا شکار ہو گئی۔

اُس نے اپنی دانست میں جس بوڑھے سے شادی کی تھی اور جو دمے کا مریض بھی تھا، زیادہ سے زیادہ تین چار سال ہی نکال سکتا تھا جس کے بعد وہ لائل پور میں اس بوڑھے کے دس مرلے کے گھر کی مالک بن جاتی لیکن شادی کے بعد جیسے جیسے کریم نے دوبارہ جوان ہونا شروع کر دیا۔ اس کی داڑھی غائب ہو گئی، سر کے بال خضاب کی مہربانی سے سیاہ ہونے لگے اور منہ پر وہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی کریم آزماتا ہی رہتا تھا، حیرت انگیز طور پر اُس کے دمے کو بھی افاقہ ہونے لگا جس کی وجہ دنیا والے حکیم صاحب کے کشتے تھے۔ خاندانی دوا خانے کے انچارج حکیم صاحب کی شہرت اردگرد کے سو پچاس دیہاتوں میں تو ضرور تھی ہوگی۔ جس روز کریم بخش ان کے پاس پہنچا، حکیم صاحب کی زنانہ ساز نظروں نے تاڑ لیا کہ موٹی آسامی ہے۔ چوہدری کریم بخش نے بھی گئی گزری لپٹی رکھے بغیر بتا دیا کہ دو بیویاں پہلے اللہ کو پیاری ہو چکی ہیں اب تیسری شادی کر رہا ہے۔ حکیم صاحب جن کے دواخانے کے بورڈ پر جلی حروف میں لکھا ہوا تھا "مرد کبھی بوڑھا نہیں ہوتا" مسکرائے اور اپنے مخصوص انداز میں کریم بخش کے زانو پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

"حاجی صاحب! پچاس سال کی گارنٹی لے لیں۔ زندگی موت اللہ کے ہاتھ میں ہے اس پر ہمارا اختیار نہیں لیکن پچاس سال تک آپ نوجوانوں سے زیادہ سرگرم اور پرجوش رہیں گے اور کبھی شرمندگی کا سامنا نہ ہوگا۔"

خدا جانے حکیم صاحب کے الفاظ کا جادو تھا کہ اُن کی ادویات کا کمال کریم بخش واقعی خود کو جوانوں سے زیادہ سرگرم اور پرجوش محسوس کرنے لگا۔

اشرف لنگڑے کی ماں نے پانچ بچوں کو دو خاوندوں سے جنم ضرور دیا تھا لیکن اُسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ چالیس کا ہندسہ کراس کر چکی ہے۔ اُس نے حاجی کریم بخش سے شادی لائل پور کے دس مرلے والے مکان پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے کی تھی ورنہ اس بوڑھے کھوسٹ کو جوتے کا دودھ پڑنے پر مرنے والا جوب تا تھا وہ جوتے کی نوک پر نہ رکھتی۔ لیکن یہاں تو گنگا ہی الٹی بہنے لگی تھی اور رانی بیگم کی مایوسی بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ دن رات وہ دلی والے خاندانی حکیم کا سیاپا کرتی جس نے اس مردود کو دوبارہ جوان کر دیا تھا۔ کبھی کبھی اُس کا جی چاہتا کہ حاجی کریم بخش کے کسی معجون میں تھوڑا سا زہر ملا کر یہ قصہ ہی ختم کر دے لیکن ہمت نہ پڑتی۔

سال ڈیڑھ سال تک تو اُس نے صبر کیا پھر تنگ آمد بجنگ آمد کے تحت حاجی صاحب کے بڑے صاحبزادے سے یارانہ گانٹھ لیا جو پہلے ہی روز سے اُس پر آنکھ رکھے ہوئے تھا۔ اُسے بھی رانی بیگم کی طرح اُمید تھی کہ یہ "ابا جلی" کا آخری جھٹکا ہوگا لیکن حاجی صاحب تو دن بدن جوان ہوتے جا رہے تھے۔ بالآخر دونوں نے جینے مرنے کا عہد کر لیا اور دونوں کے تعلقات استوار ہو گئے، صاحبزادے نے اس بات کا بطور خاص خیال رکھا کہ ابا جی کو اُس پر کوئی شک نہ ہو، وہ ابا جی کے ساتھ ہی دن میں ایک دو مرتبہ مسجد چلا جاتا اور اُن کے سامنے کبھی اپنی نئی امی جان" کی طرف نظر اُٹھا کر بھی نہ دیکھتا۔

کہاوت کے مطابق ایسے یارانے تو خفیہ پلتے ہیں اور عشاق یہی سمجھتے ہیں کہ انہیں کسی نے نہیں دیکھا جبکہ سارا زمانہ دیکھ رہا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس کا شک حاجی کریم بخش کی بہو کو ہوا جو حاجی صاحب کی بھانجی بھی تھی اس نے پہلے تو اپنے خاوند کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن صاحبزادے کے سر پر تو عشق سوار تھا اُس نے بجائے نصیحت پکڑنے کے بے چاری کی مار پیٹ شروع کر دی، جس پر تنگ آ کر اُس نے ایک روز علیحدگی میں حاجی صاحب پر انکشاف کر دیا کہ کس طرح اُن کی آنکھوں میں دھول جھونکی جا رہی ہے۔

حاجی کریم بخش اپنی دانست میں مطمئن تھا کہ دلی کے خاندانی دواخانے والے حکیم صاحب نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ اُن کے تو حواس پر یہ خبر ٹائم بم کی طرح پھٹی لیکن سیانا بندہ تھا جب تک آنکھوں سے نہ دیکھے یقین کیسے کرے۔ یوں بھی آج تک اُس کے سامنے عبدالحکیم نے نظر اُٹھا کر بھی اپنی ماں کی طرف نہیں دیکھا تھا البتہ اُس کے پانچوں بچوں سے وہ بالکل اپنے بچوں جیسا سلوک کر رہا تھا۔

حاجی صاحب نے اُسے الگ سے مکان لے کر دیا تھا۔ پانچ پاور لومز کا کارخانہ الگ سے اُس کے نام کر دیا تھا اس کے باوجود یہ حرکت؟ حاجی صاحب کا تو غصے سے دماغ خراب ہونے لگا تھا۔ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ دونوں کو رنگے ہاتھوں پکڑیں گے جس کے بعد ہی رانی بیگم اور عبدالحکیم کو ایسا سبق سکھائیں گے مرتے دم تک یاد رکھیں۔

حاجی صاحب چوکنے ہو گئے اور تیسرے روز جب رانی بیگم رات کو اُن کے سونے سے پہلے دودھ لے کر آئی تو انہوں نے ہاتھ میں پکڑی تسبیح کی طرف اشارہ کرتے

بدیم

ہوئے کہا کہ وہ وظیفہ مکمل کرنے کے بعد دودھ لیں گے۔ رانی بیگم مطمئن ہو کر چلی گئی۔ معمول کے مطابق وہ باورچی خانے میں برتن سمیٹ کر بیڈروم میں آئی تو حاجی کریم بخش اُس کی توقعات کے عین مطابق نیند میں خراٹے لے رہا تھا..... لیکن یہ اُس کی نظر کا دھوکہ تھا۔

خدا جانے حاجی کریم بخش کو کیسے یہ شک گزرا کہ اُس کی بیوی نے جس رات واردات ڈالنی ہو وہ دودھ میں ضرور نیند والی دوائی ملا دیتی ہے تاکہ حاجی صاحب میٹھی نیند سوتے رہیں اور وہ کھل کھیلتی رہے صبح جب حاجی صاحب کی آنکھ کھلتی تو رانی بیگم اُن کے پہلو میں موجود ہوتی۔

حاجی صاحب نے دودھ ضائع کر دیا تھا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئے تھے۔ اُن کی بہو کا الزام بالکل درست تھا تھوڑی ہی دیر بعد رانی بیگم اُن کے پہلو سے اُٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ حاجی کچھ دیر تو دم سادھے پڑا رہا جب اُسے یقین ہو گیا کہ اب شیطانی کھیل شروع ہو چکا ہے تو اُس نے اُٹھ کر بغیر آواز پیدا کیے اپنی تجوری کھولی جس میں رکھی تیزاب کی بوتل اُٹھا کر کمرے سے بلی کی طرح دبے پاؤں چلتا باہر آ گیا۔ اُسے علم تھا کہ شیطانی کھیل کہاں کھیلا جا سکتا ہے۔ اب وہ سٹور سے ملحق اُس خالی کمرے کی طرف جا رہا تھا جسے مہمانوں کے لئے مختص کیا گیا تھا۔

دوسری طرف عبدالحکیم اپنی بیوی کو دو خواب آور گولیاں دودھ میں پلانے کے بعد حسب معمول گھر کی چھوٹی سی دیوار پھلانگ کر ابا جی کے گھر میں آ گیا تھا۔ یہ طریقہ اُس نے ہی رانی بیگم کو بتایا تھا۔ ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ دونوں یہ گولیاں استعمال کر کے اپنا الو سیدھا کر رہے تھے۔ سب کچھ اُس کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ کمرے میں رانی بیگم ہونٹوں پر سرخی لگائے اُس کی منتظر تھی۔ دونوں اپنے گھناؤنے دھندے میں لگ گئے۔

حاجی کریم بخش کسی بلائے ناگہانی کی طرح نازل ہوا تھا، اُس نے اپنی آنکھوں سے دونوں کو منہ کالا کرتے دیکھا تو تیزاب کی بوتل سے رانی بیگم پر حملہ آور ہوا۔ بوکھلائے ہوئے عبدالحکیم نے اپنی دھوتی کرتا پکڑا کمبل سامنے کر کے خود کو تیزاب سے بچایا اور باپ کو زوردار دھکا دے کر گرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی وہ چھلانگیں بھرتا اپنے کمرے تک پہنچ گیا۔ کمرے کی کنڈی اُس نے لگا لی تھی کہ کہیں ابا جی ادھر نہ آ جائیں۔

رانی بیگم اس کھیل کی پرانی کھلاڑی تھی۔ اُسے سمجھ آ گئی کہ معاملہ چوپٹ ہو گیا ہے۔ بمشکل اُس نے حاجی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کریم بخش سے اپنا چہرہ بچایا پھر بھی ایک گال تیزاب کی زد میں آ گیا تھا، جب کہ اُس کے دونوں بازو بری طرح جھلس رہے تھے۔ اس حالت میں بھی اُس نے حواس قائم رکھے اور پھرتی سے کپڑے پہن کر چیخ و پکار شروع کر دی۔

نانک پورہ کی گنجان آبادی نے اُس کا فوری نوٹس لیا اور دو تین منٹ بعد ہی ہمسائے وہاں جمع ہو گئے۔ رانی بیگم نے آسمان سر پر اُٹھایا ہوا تھا وہ لوگوں کو چیخ چیخ کر بتا رہی تھی کہ حاجی صاحب کا دماغ خراب ہو گیا ہے انہوں نے بغیر کسی وجہ کے اُس پر تیزاب پھینک کر جان سے مارنے کی کوشش کی ہے۔

حاجی کریم بخش جس کے دونوں ہاتھ بھی تیزاب کی زد میں آ چکے تھے دیوانہ وار اپنے بیٹے اور بیوی کو گالیاں دینے لگا۔ رانی بیگم پرانی کھلاڑی تھی اُس نے سارے محلے میں اپنی ساکھ بنائی ہوئی تھی اور ان سیدھے سادے لوگوں کے نزدیک وہ ''ساوتری'' کا روپ دھار بن کر چکی تھی۔ جس نے اپنے بچوں کے مستقبل کے لئے حاجی کریم بخش جیسے بوڑھے کھوسٹ کا سہارا لیا تھا اور کبھی کسی کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ محلے داروں میں سے کوئی بھی اس کی بات پر یقین نہیں کر رہا تھا، سب یہی سمجھ رہے تھے کہ حاجی کریم بخش کا دماغ ٹھکانے نہیں رہا اور اُس نے بلاوجہ شک کر کے یہ گھناؤنا قدم اُٹھایا ہے۔

دو تین محلے دار اُن کے صاحبزادے ''عبدالحکیم'' کو ''گہری نیند'' سے اُٹھا کر لائے اور بتایا کہ اُن کے والد نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے اور وہ اُن پر کیا الزام لگا رہا تھا۔ عبدالحکیم نے پوری تیاری کی ہوئی تھی۔ سارا محلہ جانتا تھا کہ مسجد میں کم از کم دو نمازوں میں تو وہ ضرور شامل ہوتا ہے۔ باقی وقت کارخانے میں گزارتا ہے۔

اس نے روتے ہوئے لوگوں کو بتایا کہ ابا جی کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں۔ حکیم دلی والے سے کشتے کھا کھا کر ان کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔ وہ تو گزشتہ پندرہ روز سے اپنے باپ کے گھر بھی نہیں گیا کیونکہ وہ اپنے باپ کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ستم ظریفی حالات کہ حاجی کریم بخش کو محلے داروں ''پاگل'' قرار دے دیا، پولیس کو اس سے کیا مطلب یوں بھی ایک پاگل کو کھلے عام تو نہیں چھوڑا جا سکتا وہ حاجی صاحب کو تھانے لے گئے۔

رانی بیگم ہسپتال پہنچ گئیں جہاں عبدالحکیم نے اپنی ''امی جان'' کا علاج شروع کروا دیا۔ اُن دنوں ملک میں خواتین کے حقوق کی کوئی تنظیمیں تو تھی نہیں۔ اگر تھیں بھی تو لائل پور میں کہاں تھی؟ حاجی کریم بخش بڑا گھنا بندہ تھا۔ بڑے نوٹ اُس نے جمع کئے ہوئے تھے ... بھلے وقت تھے سینکڑوں ہزاروں سے کام چل جاتا تھا۔ حاجی کریم بخش نے پولیس کی مٹھی گرم کر دی اور چوتھے دن ضمانت کروا کر باہر آ گیا۔

گھر پہنچتے ہی اُس نے رانی بیگم کے وہاں موجود تینوں بچوں کو جوتے مار کر نکال دیا۔ اشرف لنگڑا حالات سے باغی اور اپنی ماں سے نالاں تھا۔ وہ امی کے کرتوت اچھی طرح جانتا تھا، بہن بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ اُس نے امی کے بکس سے اُن دنوں تین چار سو جو امی جان نے حاجی صاحب کی جیبوں سے اُڑائے تھے نکالے اور اپنے ماموں کے پاس لاہور پہنچ گیا۔ ماموں کا ایک سینما میں سائیکل سٹینڈ کا ٹھیکہ تھا، انہوں نے اشرف لنگڑے کو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اپنی فطرت کے مطابق اُس نے ماموں کو بھی تھک لگانا شروع کر دیا ایک روز وہاں سے نکلا اور روزنامہ ''فریب نظر'' کے مالک میاں کاٹھا صاحب کے دولت خانے پر پہنچ گیا جہاں اسے گھریلو ملازم کی نوکری مل گئی۔ میاں کاٹھا کا تعلق منٹگمری سے ایک نواحی قصبے سے تھا۔ آپ کے والد صاحب ایک مقامی

مزار پر جہاں اچھا خاصا چڑھاوا چڑھتا تھا دیگیں پکایا کرتے تھے ان کے ہاتھ میں اللہ نے بڑا ذائقہ رکھا تھا، منٹگمری شہر کے لوگ بھی اپنی شادیوں میں اُن سے ہی پکوائی کرواتے تھے۔

یہ قیام پاکستان سے پہلے کی بات ہے۔ اس دربار کی نسبت سے والد صاحب نے اپنے نام کے ساتھ نقشبندی کا اضافہ بھی کر لیا تھا جو اب میاں کاٹھا صاحب کے نام کا حصہ بن چکا تھا۔ والد صاحب کا آنا جانا چونکہ بڑے بڑے گھرانوں میں لگا رہتا تھا انہوں نے اپنے بچوں کو اپنی لائن میں لا کر خاندانی کام کروانے کے بجائے اُن کی پڑھائی پر توجہ دی اور میاں کاٹھا کے بڑے بھائی کو گریجویشن کرنے کے لئے لاہور بھیج دیا، جہاں انہوں نے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی۔ بھلے اُن کی پیدائش غریب گھرانے میں ہوئی تھی لیکن کھانے انہوں نے ساری زندگی امیروں والے ہی کھائے تھے کیونکہ سارا سال ہی ابا جی پکوائی میں مصروف رہتے اور جہاں بھی دیگیں پکاتے سب سے پہلے اپنا لوہے کا بڑا سا ڈبا بھر کے گھر بھیجا کرتے تھے۔ اُن دنوں بڑے لوگ کیا عام لوگ بھی دیسی گھی استعمال کرتے تھے۔ اس سے خاندان کے باقی لوگوں کی صحت بھی اچھی رہنے لگی۔

نقشبندی صاحب اپنے بچوں کو آئے روز کسی نہ کسی بڑے آدمی کے گھر سلام کرنے ضرور لے جاتے تھے۔ اُن کا خیال تھا اس طرح بچوں کو اچھا ماحول ملتا ہے۔ جہاں بھی بچے جاتے وہاں سے انہیں نذرانہ بھی مل جاتا اس طرح ایک پنتھ سے دو کاج ہو جاتے تھے۔ سنتے ہیں ایک دور تھا جب لکھنو کے امرا اپنے بچوں کو تہذیب سکھانے رنڈیوں کے کوٹھے پر بھیجا کرتے تھے۔ جہاں انہیں تہذیب اور خصوصاً اطوار سے خاصی آگاہی ہو جاتی تھی۔ شاید نقشبندی کے دماغ میں بھی یہی بات رہی ہو۔

وجہ کچھ بھی تھی اُس کا تجربہ کامیاب رہا۔ بڑے گھروں کا جوٹھ کھانے سے اُس کے بچوں نے بھی خود کو ''پدرم سلطان پور'' سمجھنا شروع کر دیا۔ خاص طور پر میاں حنیف کاٹھا نے تو کچھ زیادہ ہی تہذیب سیکھ لی۔

میاں حنیف کاٹھا لاہور کے کالج میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ مسلم لیگ میں سرگرم ہو گیا۔ اندھوں میں کانا راجا کے مصداق اُن دنوں غریب یا مڈل کلاس بچے تھے ہی کتنے جو کالج تک پہنچ پاتے۔ لاہور کے کالجوں میں زیادہ تر تو امیروں، نوابوں، جاگیرداروں کی اولادیں ہی پڑھا کرتی تھیں، جو خود کو ویسے ہی طرم خان سمجھتے تھے ان کے بڑوں کا بھی مسلم لیگ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں تھا۔ مسلم لیگ میں غریب اور مڈل کلاس لوگ ہی شامل ہوئے تھے میاں حنیف کاٹھا کی لاٹری نکل آئی وہ مقامی سٹوڈنٹس لیگ کا جنرل سیکرٹری بن گیا۔

بچپن سے والد نے اُس کی جھجک ختم کی ہوئی تھی اُس کا آنا جانا بڑے گھروں میں لگا رہتا تھا۔ یہ تجربہ یہاں بھی کام آیا۔ میاں حنیف کاٹھا نے کالج کی ایک آدھ کلاس اٹینڈ کرنی اور مسلم لیگ کے مقامی دفتر پہنچ جانا جہاں گنتی کے گنے چنے بڑے لوگ اپنے اپنے نمبر ٹانگنے آتے رہتے تھے، کیونکہ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ پاکستان بن جانا ہے۔

حنیف کاٹھا نے اُن دنوں اپنے دو تین دوستوں کو ساتھ ملا کر ''فریب نظر'' کے نام سے ایک اخبار بھی چھاپنا شروع کر دیا۔ یہ اخبار کیا تھا؟ لتھو چھپائی پر سو پچاس کاغذ چھپ جاتے جن کا خرچ نہ ہونے کے برابر تھا۔ لیکن اس کے لئے وہ ڈبل سے زیادہ چندہ اکٹھا کر لیتا تھا۔ حنیف کاٹھا نے اب اپنے نام کے ساتھ نقشبندی بھی لگانا شروع کر دیا تھا۔ اور اب وہ حنیف کاٹھا سے حنیف نقشبندی بن گیا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

حنیف نقشبندی اپنے باپ سے بھی دو ہاتھ آگے نکلا۔ اُس نے سو پچاس کاغذ جو اخبار کے نام پر لوگوں سے چندہ جمع کر کے چھپوائے ہوتے انہیں مسلم لیگ کے ہر قابل ذکر لیڈر اور ورکر تک پہنچانا شروع کر دیا۔ لاہور کی ایک پوش آبادی میں رہنے والے مسلم لیگی لیڈر نے حنیف نقشبندی کے گن دیکھ کر اُسے اپنے گھر میں جگہ دے دی۔ امیروں کے ادب آداب سے وہ پہلے ہی آشنا تھا۔ اس لئے یہاں اچھی طرح فٹ ہوگیا۔ موصوف نے سب سے پہلے اپنے محسن کی لڑکی سے یارانہ گانٹھا اور ایسا دھاگہ کر دیا کہ بے چارے محسن کو مجبور ہو کر اپنی بیٹی اُن سے بیاہنی پڑی۔ اس طرح حنیف نقشبندی اُن کا مستقل فیملی ممبر بن گیا۔

اس شادی میں بڑے نقشبندی صاحب نے بھرپور شرکت کی اور اس ''کارنامے'' پر بیٹے کو شاباش دیتے ہوئے۔ میاں شریف کا ٹھے کو شرم دلائی کہ وہ بھی کچھ کر کے دکھائے۔ دیکھتے ہی دیکھتے حنیف کاٹھا مسلم لیگ کا سٹوڈنٹ لیڈر بن گیا۔ اخبار کا دفتر اُس نے اپنے سسر کی کوٹھی میں بنالیا اور اپنے کام میں جت گیا۔

حنیف کاٹھا کے ہمسایے میں ایک ہندو وکیل رہتا تھا جس کی اُس کے سسر سے بڑی دوستی تھی۔ اس وکیل کا سیاست سے کچھ لینا دینا نہیں تھا۔ اُس کی خواہش تھی کہ اگر ہندوستان تقسیم بھی ہو تو وہ لاہور میں اپنی جائیداد کا مالک رہے۔ اُسے یقین ہوگیا کہ پاکستان تو بننے والا ہے اور اِدھر اُدھر سے فسادات کی خبریں بھی آنے لگیں جس پر اُس نے بادل نخواستہ حنیف کاٹھا کو جو اُس کو ''انکل جی'' کہا کرتا تھا اپنی جائیداد کی ''پاور آف اٹارنی'' دے دی۔

وکیل بے چارے کو اُمید تھی کہ پاکستان بننے کے بعد یہ قتل و غارت گری ختم ہو جائے گی اور وہ واپس اپنے گھر آجائے گا پاکستان بن گیا۔ حنیف کاٹھا جو اب حنیف نقشبندی بن چکا تھا نے اپنا اخبار بھی چلا لیا تھا۔ اور مسلم لیگ میں بھی اُس کی بڑی ''واہ واہ'' ہوگئی تھی۔ سب سے پہلے اُس نے اپنے ساتھ والی ہندو وکیل کی کوٹھی پر قبضہ کیا اور اُس سے ملحقہ ساری جائیداد تو پہلے ہی اُس کے پاس بے چارہ ہندو وکیل گروی رکھ گیا تھا۔ وہ تو تھی ہی اُس کی۔ بھلا کس کی مجال تھی جو اُس کی طرف نظر اُٹھا کر دیکھتا۔

حنیف نقشبندی نے کچھ ہی دنوں بعد فیروز پور روڈ پر ایک چھ سات کنال کی کوٹھی پر قبضہ کر کے وہاں روزنامہ ''فریب نظر'' کا بورڈ لٹکا دیا اپنا دفتر بنا کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چالاکی ہوشیاری سے لاہور کی کچھ سال اہم بلڈنگوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ امن ہونے پر ہندو وکیل واپس آیا تو اُس کے تابعدار بھتیجے حنیف نقشبندی نے اُسے پہچاننے سے انکار کر دیا، اُسے بتایا کہ اُس کی تمام جائیداد کا مالک اب وہ بہتر یہی ہے کہ وہ جس طرح آیا ہے عزت آبرو سے ویسے ہی واپس لوٹ جائے۔ یہاں اُسے کچھ ملنے والا نہیں۔ وکیل بے چارا مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اپنی جان کو روتا واپس چلا گیا۔

اب حنیف نقشبندی کی چاروں اُنگلیاں گھی میں اور سر کڑاہی میں تھا۔ اُس نے میاں شریف کاٹھے کو لندن پڑھنے بھیج دیا کیونکہ یہی ایک کام کا دانہ اُسے نظر آتا تھا، اور خود اخبار چلانے لگا۔ باقی بھائی بھی اپنے کام سے لگ گئے۔ ابا جی فوت ہو چکے تھے جنہیں اُسی مزار میں جگہ مل گئی جہاں وہ دیگیں پکایا کرتے تھے۔

حنیف نقشبندی نے بہت کوشش کی کہ اُس کے باقی بھائی بھی اُس کی طرح ''معزز شہری'' بن جائیں لیکن اس کے باقی دونوں بھائیوں نے اُلٹا اُسے برا بھلا کہا کہ وہ بزرگوں کی روایات بھول چکا ہے۔ انہیں جو عزت ملی

وہ اُن کے والد کی وجہ سے ملی ہے جو دیگیں پکایا کرتے تھے اس لئے وہ بھی پکوائی کا یہ دھندہ جاری رکھیں گے۔ ان کے پاس بائیس ذاتی دیگیں تھیں جن کی اُس دور میں قیمت کا تعین ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اُن میں سے ایک نے گرم حمام بھی کھول لیا جبکہ دوسرے نے باپ کی گدی سنبھال لی جس پر حنیف نقشبندی نے اُن کا مکمل بائیکاٹ کر دیا اور جب تک وہ زندہ رہا کبھی پلٹ کر اپنے آبائی شہر واپس نہیں گیا، اُس نے اپنے دفتر میں سختی سے حکم دے رکھا تھا کہ مظفری کا کوئی بندہ اُس سے ملنے آئے تو اُسے ترخا دیں وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنے بچپن اور جوانی کے دوستوں کا سامنا کرے کیونکہ اب وہ بڑا آدمی بن چکا تھا۔

حنیف نقشبندی کی چونکہ لاٹری مسلسل لگ رہی تھی اُس کا دماغ مکمل خراب ہوگیا۔ تکبر اور رعونت نے اُس کی شکل ہی تبدیل کر دی اور وہ دھکا شاہی سے وی آئی پی بن گیا۔ بڑے ہوٹل اور کلب میں آنے جانے لگا۔ عام آدمی جو اسے مسلم لیگ کے حوالے سے جانتا تھا اُس سے ملنے سے احتراز برتتا۔

حنیف نقشبندی بڑا کایاں آدمی تھا۔ اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اس قوم کی سب سے بڑی کمزوری اور سب سے بڑی طاقت اس کا مذہب ہے اور اُس نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے اس گراؤنڈ پر کھیلنے کا فیصلہ کیا۔ پاکستان بننے کے فوراً بعد اس نے پاکستان کی تعمیر کے لئے اپنی ''قربانیوں'' کی ڈھونگ بجانی شروع کر دی لیکن اس کا کمال فن یہ تھا کہ یہ کارِ خیر خود کرنے کے بجائے اُس نے اپنے چمچوں سے یہ کارِ خیر انجام دلوایا۔ مہاجرین جو بے چارے لٹ پٹ کر مشرقی پنجاب سے پاکستان میں آرہے تھے حنیف نقشبندی نے ''روزنامہ فریب نظر'' کو اُن کے لئے مختص کر دیا۔ اس نے مہاجرین کی آباد کاری کا ''ٹھیکیدار'' اپنے اخبار کو بنا دیا۔ اسی دوران بڑی ہوشیاری سے وہ مسلم لیگ کی نومنتخب حکومت میں بھی اپنے پنجے گاڑتا رہا۔

حنیف نقشبندی چونکہ پرانی جونکھ تھی سے اچھی طرح اس تلخ حقیقت کا احساس تھا کہ قیام پاکستان سے دو تین سال پہلے جتنے پنجابی لیڈر مسلم لیگ میں بھرتی ہوئے ہیں اُن کا دور دور تک پاکستان یا نظریہ پاکستان سے کچھ لینا دینا نہیں ہے وہ صرف اور صرف اس لئے اس میں شامل ہوئے ہیں کہ اگر پاکستان بن ہی گیا تو اُن کی جاگیرداریاں اور چودھراہٹیں قائم رہیں گی کیونکہ مسلم لیگ کے علاوہ کسی دوسری پارٹی میں یہ دم خم نہیں کہ وہ پنجاب میں حکومت بنا سکے۔ ان لوگوں نے تمام بڑے بڑے عہدے اپنے درمیان تقسیم کر لئے تھے۔ یہی لوگ اس کا ٹارگٹ تھے۔

اُس نے باری باری سب سے قیام پاکستان کے لئے دی گئی ''عظیم قربانیوں'' کا حصہ زبردستی مانگنا شروع کر دیا اور یہ ثابت کرنے لگا کہ اگر روزنامہ ''فریب نظر'' نہ ہوتا تو پاکستان ہی نہ بنتا۔ اس نے ایسے کرانے سے منشی حاصل کر لیے جنہوں نے ''فریب نظر'' کی قیام پاکستان کے لئے عظیم خدمات کے ثبوتوں کا ڈھیر لگا دیا۔ یہ لوگ پرانے اخبارات کے اوراق نکال نکال کر لوگوں کو بتانے لگے کہ فلاں وقت میاں حنیف کاٹھا نے یہ لکھا اور فلاں وقت یہ لکھا انہوں نے ثابت کر دیا کہ اُس دور میں سارے ہندوستان کے ہندو پریس کا مقابلہ اگر کسی نے کیا تو وہ روزنامہ ''فریب نظر'' ہی تھا۔

میاں حنیف کاٹھے کے رعب داب اور سرکار دربار میں واقفیت کی وجہ سے اول تو کوئی ان جھوٹے منشیوں کو چیلنج کرنے کی جرأت ہی نہ کرتا اگر کوئی ہمت کر بھی لیتا اور سچائی قارئین کے سامنے لانے کے لئے کچھ لکھنے کی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کوشش کرتا تو اسے شائع کہاں کروانے۔ کوئی چھوٹا موٹا اخبار اگر شائع کر بھی دیتا تو اس کا ابلاغ نہ ہو پاتا۔ اس سب کے باوجود اگر کسی خوش قسمت کی تحریر جس میں میاں حنیف نقشبندی کے فراڈ کا پول کھولا گیا ہوتا شائع ہو جاتی تو میاں حنیف کانھے کے تربیت یافتہ منشی اس پر گدھوں کی طرح پل پڑتے اس کی بوٹیاں نوچنے لگتے اس پر کانگریسی، نظریہ پاکستان کا دشمن، ہندوؤں کا ایجنٹ وغیرہ وغیرہ جیسے الزامات کی ایسی بوچھاڑ کرتے کہ بے چارہ خوف کے مارے سہم کر رہ جاتا اور آئندہ اس گندگی میں ہاتھ ڈالنے سے توبہ کر لیتا۔

میاں حنیف کانھے کی خوش قسمتی تھی یا چالاکی ہوشیاری کہ اس نے بڑی کامیابی سے یہ کھیل کھیلا اور بڑے موجیں کیں۔ ملک نیا نیا بنا تھا۔ یہاں انگریزوں کے قائم کردہ جو دو تین محکمے تھے ان کی لوٹ مار شروع ہو گئی۔ مہاجر بے چارے اپنے قلیموں کے ساتھ ذلیل ہوتے رہتے اور میاں حنیف کانھے جیسے "مقامیوں" نے ہندو پراپرٹی پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ سارے ملک میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا اور سرکاری ایوانوں میں جوتیوں میں دال بٹ رہی تھی۔ قائداعظم کو انہوں نے جلد ہی رخصت کر دیا اور اب ملک کے بلاشرکت غیرے مالک بنے ہوئے تھے۔ آئے روز خلوتیں بن بن کر ٹوٹ رہی تھیں اس کا فائدہ حنیف کانھے سے زیادہ اور کون اٹھا سکتا تھا۔ اس نے جی بھر کے ملک کو لوٹا۔ جائیدادیں بنائیں اور لاہور کی اہم شاہراہ پر کئی بلڈنگوں پر قابض ہو گیا۔ کسی نے یہ نہیں پوچھا کہ میاں حنیف کانھا "مقامی" تھا۔ "مہاجر تو تھا نہیں پھر اتنی جائیداد کہاں سے بنالی؟

ان دنوں اخبارات کے ذریعے اتنی کمائی تو ہوتی نہیں تھی۔ میاں حنیف نقشبندی کا کمال یہ تھا کہ اس نے نہ صرف دونوں ہاتھوں سے دولت سمیٹی بلکہ عوامی دانش پر بھی قابض ہو گیا اس نے تنخواہ دار تربیت یافتہ منشیوں نے اس کے حق میں اتنا پروپیگنڈہ کیا کہ بے چارے مہاجر اور اس دور کے نوجوان گمراہ ہو کر میاں حنیف نقشبندی کو ہی اپنا سب کچھ سمجھنے لگے۔

حنیف کانھا کتنا ہی چالاک ہوتا لیکن تقدیر کے آگے تو ہر شخص بے بس ہے۔ حنیف نقشبندی یہ بھول گیا تھا کہ کوئی اس سے بھی زیادہ طاقت ور اور ہوشیار ہے جس کے آگے بڑے بڑے زور آور بے بس ہو جاتے ہیں اور جو جب چاہے، جیسے چاہے، جو چاہے کرنے پر قادر ہے۔ ایسا ہی ہوا ایک روز اس نے کھانا کھایا تو طبیعت خراب ہو گئی میاں کانھے کو اسہال ہو گیا، پیچش کی پرانی بیماری تھی اس دوران بواسیر بھی ہو گئی بڑا علاج کروایا لیکن کچھ بس نہ چلا خون رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ بستر بار بار تبدیل ہو رہے تھے، گیارھویں دن وہ اسی حالت میں مر گیا۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ کمرے میں اتنی بدبو تھی کہ دماغ پھٹتا تھا۔ جس غسال نے لاش کو غسل دیا وہ میاں حنیف کانھا کا نام سننے پر مرتے دم تک کانوں کو ہاتھ لگا کر توبہ توبہ کیا کرتا تھا۔ گھر والوں نے بے پناہ خوشبوؤں کا چھڑکاؤ کیا لیکن بات نہ بنی۔ جلدی جلدی دفن کیا گیا جبکہ کئی اہم لوگ جنازے پر پہنچ ہی نہیں سکے۔ میاں شریف کانھا تو لندن سے تعلیم ادھوری چھوڑ کر قلوں والے دن پہنچا تھا۔

اگلے روز "قریب نظر" نے سیاہ حاشیوں کے ساتھ خبر لگائی۔ مرحوم کی عظیم قومی خدمات کا ڈھول بجایا اور جنازہ پڑھانے والے پیر طریقت مولانا صاحب کا یہ بیان سرخیوں کے ساتھ شائع کیا کہ مرحوم کے چہرے کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی اٹھ کر چلنے لگیں گے۔ ان کی قبر سے کئی دن تک خوشبو آنے کی خبریں الگ سے

چھپتی رہیں اور ملک بھر کی طرف سے تعزیت کے ڈنکے الگ بجائے گئے۔ ان حالات میں میاں شریف کانھا نے لاہور میں رتجدر کھ فرمایا۔ اخبار کی مکمل ذمہ داری میاں شریف کانھا کو سونپ دی۔ اسی طرح وہ اخبار پر قابض ہو کر اپنا دھندہ بالکل بھائی کے نقش قدم پر چلانے لگا۔

O

اشرف لنگڑا کانھا صاحب کے گھر میں سودا سلف لانے کا کام کرتا تھا لیکن اسے اس بات کا علم تھا کہ اس کا "صاحب" ایک اخبار کا مالک ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس اخبار کی بڑی دھاک بیٹھی ہوئی ہے حکومت پر۔ اس نے مصمم ارادہ باندھ لیا تھا کہ جلد یا بدیر "صاحب" کے دفتر تک رسائی حاصل کرے گا۔

ان دنوں "روزنامہ قریب نظر" کا دفتر آج جیسا ماڈرن نہیں تھا نہ ہی آج جیسے چالاک ہوشیار صحافی وہاں کام کرتے تھے، وہ بے چارے سیدھے سادے اللہ لوگ سے بندے تھے جو دفتر آتے اپنا کام کرتے اور گھر چلے جاتے۔ "صاحب" کا کھانا گھر سے آیا کرتا تھا۔ اشرف لنگڑے نے سب سے پہلے اس "ڈیوٹی" پر قبضہ کیا اور بابا جی سے جو پرانے اور بزرگ ہو رہے تھے یہ ذمہ داری ہتھیالی۔ وہ روٹی کا ٹفن سنبھالتا سائیکل کو تیزی سے بھگاتا ایک بجے دفتر پہنچ جاتا۔

صاحب کے کمرے کے کونے میں دھری میز پر کھانا سجاتا اور خود ہاتھ باندھ کر ایک طرف کھڑا ہو جاتا۔

اُن دنوں "صاحب" کے دفتر کے باہر نائب قاصد رشید ڈیوٹی دیا کرتا تھا جسے بدقسمتی سے ٹی بی کا عارضہ لاحق ہو گیا لیکن وہ ڈیوٹی پر بضد رہا۔

میاں کانھا کو بیماروں سے سخت وحشت ہوتی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ملازم قدیم غلاموں کی طرح تگڑے اور مضبوط رہیں۔ صاحب کی اس کمزوری سے اشرف لنگڑے نے فائدہ اٹھایا وہ گاہے بگاہے گھر میں اور دفتر میں بھی "صاحب" کے کان میں رشید کے حوالے سے کوئی نہ کوئی بات ڈال دیا کرتا تھا۔ ایک روز صاحب دفتر پہنچا تو رشید بے چارے پر کھانسی کا دورہ پڑا ہوا تھا جس سے صاحب کا دماغ خراب ہو گیا۔ انہوں نے فوراً گھنٹی بجا کر اپنے اکاؤنٹ منیجر بشیر کھتری کو بلایا اور اس سے غصے سے پوچھا۔

"یہ اخبار کا دفتر ہے یا میو ہسپتال"؟

"میں سمجھا نہیں جناب" بشیر کھتری نے روایتی چمچہ گیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے عاجزی سے پوچھا۔

"تم نے یہاں ٹی بی کے مریض بھرتی کیے ہوئے ہیں۔ سارے دفتر کو مارنا چاہتے ہو کیا؟" غصے سے صاحب نے کہا۔

بشیر کھتری فوراً سمجھ گیا اور معافی تلافی کر کے باہر آ گیا۔ باہر آتے ہی اس نے رشید کو کمرے میں بلایا ساڑھے تین سو روپے اس کے ہاتھ پہ رکھ کر میز حیوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

رشید کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ جانتا تھا اس کا متکبر اور بددماغ صاحب ملازموں سے ایسا ہی سلوک کرتا ہے وہ میاں کانھا کو بددعائیں دیتا چلا گیا اور اگلے روز اشرف لنگڑا جو موقعہ پر موجود تھا اس کی جگہ ڈیوٹی پر کھڑا ہو گیا۔

اشرف لنگڑا کوئی عام بندہ نہیں تھا رانی بیگم کا بڑا صاحبزادہ تھا اس نے بچپن میں ہی ایسے ایسے داؤ سیکھ لئے تھے جن تک عام بندے کی ساری زندگی رسائی ممکن نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے چھ سات دنوں میں ہی صاحب کو اپنی "عادت" ڈال دی۔ صاحب کی دفتر آمد سے پہلے دفتر پہنچنا، صفائی ستھرائی کروانا، صاحب کی میز

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

پرڈاک اور اخبارات ترتیب سے رکھنا، وقت بے وقت چائے پانی اور کافی کا اہتمام، صاحب کے کھانے کا بطور خاص خیال اور سہ پہر کے بعد جب صاحب گھر پہنچ جاتا تو بہانے بہانے سے اس کی ٹانگیں دبانا، مہینے میں ایک دو مرتبہ "صاحب" کے ناں ناں کرنے کے باوجود ان کے سر میں تیل ڈال کر مالش کرنا اس کے ایسے داؤ تھے جنہوں نے صاحب کو اُس کے سامنے لمبا کر دیا۔ آہستہ آہستہ اشرف لنگڑا اُس کی ضرورت بن گیا اس دوران اشرف لنگڑے نے اپنے صاحب کی ایک خصوصی کمزوری یہ دیکھ لی تھی کہ اس کا پیدائشی احساس کمتری لندن میں رہنے کے باوجود قائم تھا۔ جس نے اُسے ایک خوفزدہ آدمی بنا دیا تھا۔ اُسے ہر اُس شخص سے ڈر لگتا تھا جسے قدرت نے کسی بھی خوبی سے نوازا ہو وہ ایسے ہر شخص کو اپنا خیالی دشمن بنا لیتا تھا، اُس سے تعلقات تو ختم نہ کرتا لیکن ان تعلقات کی نوعیت انتہائی منافقانہ ہوتی تھی۔

اشرف لنگڑا پورا پورا سائکسدان تھا وہ اپنے صاحب پر مختلف تجربے کرتا رہتا تھا۔ اُس کی خبیث فطرت جلد ہی اُسے باخبر کر دیا کرتی تھی کہ آج کل صاحب کس سے گرمی کھا رہا ہے۔ کس سے بچتا ہے یا کس کو ناپسند رکھتا ہے۔ اشرف لنگڑا صاحب کو چلتے پھرتے، آتے جاتے، گھر میں ٹانگیں دباتے کسی نہ کسی وقت ایک آدھ فقرہ اُس کے خلاف بطور ریمارکس کہہ دیا کرتا تھا۔

شام کو سارے دفتر کی مکمل رپورٹ وہ صاحب کو دینا اپنا فرض اولین سمجھتا تھا۔ یہ بڑی تفصیلی رپورٹ ہوتی جس میں اخبار کے ہر قابل ذکر کارکن کے حوالے سے معلومات ہوتیں۔ کون کتنے بجے آیا؟ کتنے بجے گیا؟ کتنے گھنٹے ڈیوٹی کے دوران غائب رہا؟ کون کس سے ملنے آتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔ دفتر کے ملازمین اُس سے دہشت زدہ رہتے تھے۔ وہ اُسے اُس کی غیر موجودگی میں مختلف ناموں سے پکارتے لیکن سامنے آنے پر اُسے اپنے والد صاحب سے بھی زیادہ احترام دینے پر مجبور تھے۔ دفتر میں یہ بات زبان زدہ خاص و عام تھی کہ "صاحب" "لنگڑے سے" "کانا" ہے اور اس کی ہر بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کرتا ہے۔ ایسے درجنوں مواقع آئے جب لوگوں نے دیکھا اگر کسی کی غیرت جاگی اور اس نے اشرف لنگڑے کو اس کی اوقات یاد دلانے کی کوشش کی تو اشرف لنگڑے نے چند دنوں ہی میں اُس کی چھٹی کروا دی۔

اشرف لنگڑے نے خود کو آسانی سے نہیں منوالیا تھا۔ بڑی قربانیاں دی تھیں۔ جب میاں کاٹھا صاحب نے "روزنامہ فریب نظر" کی ادارت سنبھالی تو ملک میں ٹریڈ یونین کا بڑا زور چل رہا تھا پھر بھٹو دور میں تو اس بات کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ اتنے بڑے خصوصاً کسی صحافتی ادارے میں کوئی یونین نہیں بنے گی لیکن ساری دنیا حیران تھی کہ "روزنامہ فریب نظر" میں کبھی یونین نہیں بن سکی۔ اس کی سب سے اہم وجہ اشرف لنگڑا اور اس کے کچھ بدفطرت ساتھی تھے۔

اشرف لنگڑے نے اپنے "صاحب" پر قابو پانے کے لئے ایک ہی وقت میں کئی داؤ لگائے ہوئے تھے۔ اُسے میاں شریف کاٹھا کی اس کمزوری کا بھی علم تھا کہ وہ یونین سے بہت خوفزدہ رہتا ہے اور اُس کا وجود کسی بھی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اُس نے ایک روز صاحب کو اعتماد میں لیتے ہوئے کہا کہ وہ مطمئن رہیں اس دفتر میں یونین نہیں بن سکتی۔ حکومت کے کاغذات پورے کرنے کے لئے ایک جعلی سی چھپ گیر یونین البتہ وہ بنا لیں گے۔

میاں کاٹھا کے لئے تو یہ خوشخبری ناقابل یقین تھی اُس نے اشرف لنگڑے کی بے پناہ حوصلہ افزائی کرتے

ہوئے کہا کہ وہ اُسے اس سلسلے میں ہر ممکن سہولت اور وسائل مہیا کریں گے۔ اشرف لنگڑے نے آج تک سارا کھیل اکیلے ہی کھیلا تھا۔ اس مرحلے پر اُسے اپنے جیسے کچھ حرامیوں کی اشد ضرورت تھی جن کی مدد سے وہ یہ انقلاب برپا کر سکتا تھا۔ جلد ہی ان کا ایک گروپ بھی بن گیا جس میں سب سے اہم پوسٹ نذیر موجی کو سونپی گئی جو اس جعلی ویلفیئر یونین کا صدر، حاجی امین جنرل سیکرٹری اور باقی دس پندرہ اسی قماش کے لوگ شامل تھے۔ گو کہ اس دفتر میں اشرف لنگڑا اگر کسی کو اپنے مقابلے پر حرامی سمجھتا تھا تو وہ نذیر موجی تھا لیکن ضرورت کے وقت گدھے کو باپ بنانا اشرف لنگڑے کا سب اہم اور سنہرا اصول تھا وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سب کچھ کر گزرنے کا قائل تھا یہ سنہرا اصول اُس نے اپنی ماں سے سیکھا تھا جس نے اس میدان میں خاصے جھنڈے گاڑے تھے۔

یونین میں تمام نائب قاصد، پریس ملازمین، کلرک، پروف ریڈر وغیرہ شامل تھے کچھ سب ایڈیٹر، رپورٹرز نے بھی خوفزدہ ہو کر فارم بھر کے دیا تھا جنہیں اپنی نوکری عزیز تھی البتہ کاتبوں کا ایک بڑا گروپ ابھی تک ڈٹا ہوا تھا۔ اُن دنوں اخبارات میں جدید کمپوزنگ سسٹم نہیں آیا تھا اور کسی بھی اخبار میں کاتب ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے تھے۔ انہوں نے کورٹ میں اپیل کر دی جہاں سے انصاف ملنا احمقانہ سوچ تھی کیونکہ پاکستان میں حکومت کوئی بھی رہی ہوں میاں کاٹھا کا سورج چڑھا رہتا تھا۔ اس نے اپنے اخبار پر ٹھپا تو اپوزیشن کا لگایا ہوا تھا لیکن ہر حکومت سے اپنا حصہ بخرہ دھونس دھاندلی سے وصول کرنے کا ہنر جانتا تھا اور ہر حکومت کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ اُسے ایسی "اپوزیشن" ضرور میسر رہے۔

تین چار پیشیوں سے ہی بے چارے کاتبوں کو اندازہ ہو گیا کہ انہیں بیوقوف بنایا جا رہا ہے اور کوئی بھی ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ بے چاروں نے بڑی دوڑ دھوپ کی بڑی بڑی ٹریڈ یونینز سے رابطہ کیا کہ اُن کی مدد کو آئیں لیکن سب نے اس گندگی میں اُترنے سے انکار کر دیا البتہ اُن کی زبانی کلامی حمایت پر کمربستہ رہے۔ آف دی ریکارڈ سب نے جی بھر کے میاں شریف کاٹھا کو گالیاں دیں اُس کا سیاپا کیا، اُس کی منافقت کا ماتم کیا لیکن سانپ کی بانبی میں ہاتھ دینے کے لئے کوئی تیار نہ ہوا۔

کاتبوں نے جب دیکھا کہ کوئی پیش نہیں چل رہی تو انہوں نے تنگ آمد بجنگ آمد کے مصداق ایک روز اشرف لنگڑے اور نذیر موجی کو ٹھیک ٹھاک پھینٹا لگا دیا۔ اشرف لنگڑے کو تو وہ اپنی دانست میں مار کر ہی پھینک آئے تھے لیکن اشرف لنگڑا اتنی آسانی سے مرنے والا کہاں تھا چھ دن ہسپتال میں گزار کر وہ سیدھا دفتر آ گیا اس دوران وہ دفتر کے حالات سے مکمل باخبر رہا اور میاں کاٹھا بھی تین مرتبہ اس کی عیادت کرنے ہسپتال گیا۔ نذیر موجی کی تین پسلیاں ٹوٹ گئیں لیکن وہ بھی پندرہ دن بعد واپس آ گیا۔ کاتبوں نے اپنا غصہ تو نکال لیا لیکن اس کی بھاری قیمت چکانی پڑی۔ ادارے کے وکیل نے اُن کے خلاف بڑی سخت دفعات کے تحت مقدمہ درج کروا دیا اور پہلے ہی رگڑے میں پندرہ اہم ترین کاتبوں کو جیل کی ہوا کھلا دی۔ اُن میں سے بارہ ایسے تھے جن کا دور دور تک اس جھگڑے سے تعلق نہیں تھا لیکن یونین ممبر ہونا اُن کا گناہ بن گیا۔ دو سال تک بے چارے ضمانتوں کے چکر میں ذلیل ہوتے رہے اسی دوران اُن کے رشتہ داروں، والدین، بیوی بچوں نے رو رو کر معافیاں مانگیں لیکن میاں کاٹھا جو خود بے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اولاد تھا کسی کا درد کیا جانتا۔ دو سال بعد جب طرمان کی طرف سے یونین سے لاتعلقی اور دیگر تمام شرائط کے اسٹامپ لکھوا لئے گئے تو ایک روز میاں کاٹھا نے ایک بڑی پریس کانفرنس کر کے فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے انہیں معافی دینے کا اعلان کر دیا۔ لیکن ان سب سے استعفے لے لئے گئے تھے چونکہ وہ پہلے ملازم تھے اُن سے جان چھڑانا ہی میاں کاٹھا کی اتنی بڑی کامیابی تھی وہ اس کے آگے اور کسی شے کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جاتی۔ اس واقعہ کے بعد کسی کو دفتر میں یونین کا نام لینے کی جرأت نہ ہوئی اور اشرف لنگڑے کا ڈنکا بھی زیادہ زور شور سے بجنے لگا۔ لیکن دوسری طرف نذیر موجی بھی اس سے کچھ کم نہیں تھا البتہ دونوں حرامیوں نے ایک دوسرے سے ٹکرانے کے بجائے حرامکاری کے لئے اپنا اپنا میدان منتخب کر لیا اور ایک دوسرے کا دست و بازو بن گئے یہ اتحاد آج تک قائم تھا۔

◆

میاں شریف کاٹھا کو اولاد نہ ہونے کا کوئی دُکھ کبھی اس لئے نہیں رہا کہ اُسے اپنے پیدائشی جسمانی نقص سے بخوبی آگاہی حاصل تھی۔ اُس نے لندن میں جب اس حوالے سے اپنا طبی معائنہ کروایا تو ڈاکٹروں نے اُسے ٹیکے اور گولیاں دے کر شادی کے لائق تو کر دیا تھا لیکن اس سے آگے کوئی اُمید نہیں دلائی تھی اُس نے بھی گنتی پوری کرنے کے لئے شادی کر لی، شادی سے پہلے اُس نے دو کنال کی ایک متنازعہ کوٹھی پر قبضہ جما لیا تھا جس کے دو اور فریق بھی اُمیدوار تھے لیکن یہ کیسے ممکن تھا کہ شریف کاٹھا کیس ہار جائے؟ وہ اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ اس کوٹھی میں منتقل ہو گیا اور موج میلہ کرنے لگا۔ نوکروں کی فوج موجود تھی۔ اشارہ ابرو پر ہر حکم پورا ہو رہا تھا۔ معاشرے میں اُسے اپنے بھائی کی محنت سے جو مقام حاصل ہوا تھا اُس کے بعد اُسے اور کسی چیز کی ضرورت ہی نہیں تھی لیکن قرآنی احکامات کے مطابق انسان کی ہوس کبھی کم نہیں ہوتی بلکہ بڑھتی چلی جاتی ہے۔

اُس نے اپنے مرحوم بھائی کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا، دن رات پاکستان کا ڈھول بجایا اور یہ ثابت کر دیا کہ وہ اکیلا ہی نظریہ پاکستان کا محافظ ہے باقی سب چور اور اٹھائی گیرے ہیں۔ اس دوران اُس نے ملک کے دو تین اور شہروں سے بھی اخبار جاری کر دیا۔

اُس کا طریق واردات بڑا انوکھا اور حیران کن تھا۔ بظاہر تو وہ اپوزیشن اخبار تھا لیکن اس اخبار کی دوسرے شہروں میں تمام بلڈنگوں کی تعمیرات کے اخراجات بے چاری حکومت نے برداشت کئے۔ ملک میں جمہوریت ہو یا آمریت وہ ہر کسی سے اپنا حصہ بخرہ وصول کر لیا کرتا تھا۔ اُس کے دشمن اور حاسد تلملا کر رہ جاتے جب انہیں شریف کاٹھا کی کسی نئی ''واردات'' کا علم ہوتا اخباری کاغذ کے کوٹے کی جو لوٹ اُس نے مچائی اس پر سب سراپا احتجاج تھے لیکن کوئی کچھ نہ کر پایا۔ تین چار بلڈنگوں پر نظریہ پاکستان اور اسلام کے نام پر قبضہ اُس کے سنہری کارناموں میں سے ایک تھا۔

شریف کاٹھا کا کمال یہ تھا کہ اُس نے کبھی خود پر سے اپوزیشن اخبار کا ٹھپہ نہیں اُٹھنے دیا۔ اپوزیشن وہ حکومت کی ضرور کرتا تھا لیکن اُس وقت جب اُسے تمام ''ذرائع'' سے یقینی اطلاعات مل جائیں کہ موجودہ حکومت جانے والی ہے۔ اس ''جانے والی حکومت'' سے اُس نے بلیک میلنگ کے ذریعے کروڑوں کا منافع حاصل کیا ہوتا تھا اور اُس کے عروج کے دور میں کبھی ایک لفظ اُس کے خلاف نہ لکھتا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

نجات

اردو صحافت کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی

اس کہانی کے کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں

اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الزمہ ہے

طارق اسمٰعیل ساگر

قسط نمبر 2

نذیرا

لدھیانے کا لچا بازار کبھی دارو برچھی کے نام سے گونجا کرتا تھا۔ اردگرد ریاستوں کے راجے مہاراجے نواب زادے پیر صاحبان اور پیر زادے اُس کا گانا سننے یا اُس کے ساتھ تھوڑا وقت گزارنے کے لئے ہر قیمت اُدا کرنے پر تیار رہتے تھے۔ دارو کے حسن و شباب کے چرچے نہ صرف لدھیانہ اور اردگرد کے علاقوں میں بلکہ ہندوستان کے دور دراز علاقوں تک پھیلے ہوئے تھے۔ یوں تو ''لچا بازار'' طرح طرح کے نگینوں سے جڑی ایک خوبصورت انگوٹھی کا نام تھا لیکن دارو کے جلوے ہی الگ تھے۔ گاتی تو سننے والوں پر سحر طاری ہو جاتا، ناچتی تو دیکھنے والوں کا انگ انگ سرمستی سے جھومنے لگتا۔ بڑے بڑے راجے اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے دارو کو ایسے ایسے قیمتی تحائف دیتے جن کی قیمت ہی مقرر نہیں ہو سکتی تھی۔ کہنے والے کہتے تھے کہ اُس کے پاس کچھ نہیں تو کم از کم دس کلو سونے کے زیورات محفوظ ہوں گے جن میں نواب زادوں اور راجاؤں کے دیئے ہوئے قیمتی سونے کے جڑاؤ والے ہار نمایاں تھے جو اکثر اس کو ناچ گانے پر بطور ''نذر'' دیا کرتے تھے۔

دارو بڑی خاندانی طوائف تھی۔ اس کی ماں اور نانی کے متعلق بھی پرانے بوڑھے یہی سنایا کرتے تھے کہ بالکل دارو کی طرح اُن کے حسن کا جادو بھی سر چڑھ کر بولتا تھا، لیکن دارو کی طرح انہیں شہرت نصیب نہ ہوئی۔ اس کے نام کے ساتھ ''برچھی'' کا اضافہ اس کے پرستاروں نے کہا تھا کیونکہ وہ اپنے چاہنے والوں کے کلیجے میں برچھی کی طرح اُتر جایا کرتی تھی۔

لدھیانہ میں ہندو، سکھ، مسلمان، عیسائی سب اُس کے چاہنے والے تھے لیکن حاجی صدیق جیسا عاشق اُسے پہلی مرتبہ بھایا تھا۔ حاجی صدیق نے اپنے والد حاجی شوکت کے ساتھ کم عمری میں بحری جہاز کے ذریعے حج کی سعادت حاصل کرلی تھی۔ اُن دنوں حاجی تھے ہی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کتنے ..... پورے لدھیانے میں لے دے کے دس بیس سے زیادہ نہیں رہے ہوں گے۔ حاجی شوکت کا ہوزری کا خاندانی کام تھا۔ جب سے اُسے ملٹری سپلائی کا ٹھیکہ ملا حاجی شوکت کا شمار لدھیانے کے گنے چنے رؤسا میں ہونے لگا تھا اُس نے اپنے بیٹے کو کانونٹ میں تعلیم دلائی اور بی۔ اے کرنے کے بعد اپنے بزنس میں لگالیا، ایک بیٹا اور چار بیٹیاں اللہ نے دی تھیں۔ زندگی انہی خوشی بسر ہورہی تھی کہ اچانک 1940 میں ''قرارداد پاکستان'' پاس ہوئی اور کانگریس کے مقابلے میں لدھیانہ میں مسلم لیگ کا دفتر بھی کھل گیا۔ گو کہ ابھی لوگوں کو اس بات کا یقین نہیں آتا تھا کہ مسلم لیگی پاکستان بنالیں گے۔ لیکن حاجی شوکت جس کا اُٹھنا بیٹھنا انگریزوں اور بڑے بڑے افسروں کے ساتھ ہوتا تھا کو پہلے روز ہی سے اس کا یقین تھا وہ نہ صرف خود مسلم لیگ کا مقامی نائب صدر بنا بلکہ سینکڑوں مسلمانوں کو اس کا حصہ بنا کر پوری تن دھی سے اس مشن پر لگ گیا۔

حاجی صدیق نے دارو برچھی کو ''پنج پیروں کے میلے'' میں دیکھا اور وہیں دل ہار گیا۔ اُس میلے پر ہندوستان کے کونے کونے سے گانے بجانے والے اور طوائفیں سلام اور نذر نیاز دینے آیا کرتی تھیں اور پیروں کی حاضری کے لئے گانا اور رقص کو عبادت کی طرح انجام دیتی تھیں۔ حاجی صدیق اپنے سکھ دوستوں کے ساتھ میلے پر آیا ہوا تھا جب انہوں نے ایک پنڈال میں دارو برچھی کا رقص دیکھا اور مبہوت ہوگیا۔ اُسے یہیں علم ہوا کہ دارو برچھی لدھیانے کے ''لچا بازار'' کی طوائف ہے۔ حاجی صدیق گھر آیا اور ساری رات کروٹیں بدلتا رہا۔ دوسرے روز وہ دن کے اوقات میں منشی رام سنیارے کی دکان پر موجود تھا جہاں سے اُس نے ایک بیش قیمت ہار خریدا۔ منشی رام جانتا تھا یہ کون ہے؟ اُسے یہ بھی اندازہ ہوگیا تھا کہ صاحبزادے مہنگی شاپنگ کس لئے کررہے ہیں لیکن چالاک لالے نے کسی کو اس کی ہوا نہ لگنے دی اسے اُمید تھی کہ اب اُس کے پاس پچھلے دس بارہ سالوں سے محفوظ پانچ چھ اور ''رانی ہار'' بھی ایک ایک کرکے حاجی صدیق لے جائے گا۔ سرِشام وہ ایک سجے سجائے ٹانگے پر سوار ہوکر دارو برچھی کے ڈیرے پر پہنچ گیا۔ تب حاجی صدیق کی عمر بمشکل بیس بائیس سال رہی ہوگی۔ گورا چٹا لمبا تڑنگا اور چھریرے بدن کا حاجی صدیق کسی بھی عورت کے لئے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا۔ دارو زندگی کی پینتیس بہاریں دیکھ چکی تھی۔ دس سالہ بیٹی کی ماں تھی۔ یہ الگ بات کہ گردش حالات اس کے جسمانی خدوخال کو چھو کر بھی نہیں گزرے تھے۔ سارنگی نواز بندے خاں نے پہچان لیا کہ وہ کون ہے؟ پہلے تو وہ حیران ہوا کہ اتنے بڑے شریف اور سیاسی گھرانے کا فرزند یہاں کیسے آگیا پھر دل ہی دل میں اپنی بے وقوفی پر مسکرادیا یہاں تو بڑے بڑے مشائخ اور پیرزادے بھی آتے تھے یہ بے چارہ کس گنتی میں؟

''جی سرکار'' ..... اس نے ہاتھ باندھتے ہوئے صدیق کی طرف بڑے ادب سے استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''بائی جی سے ملیں گے''..... صدیق نے مختصر جواب دیا۔

''تشریف رکھیں حضور..... میں اطلاع کرتا ہوں'' .....

اُس نے حاجی صدیق کی طرف دیکھا اور اُسے ایک چھوٹے لیکن بڑے سلیقے سے سجائے کمرے میں بٹھا کر باہر نکل گیا۔ اگر وہ دارو برچھی کو ملاقات کے لئے تیار کرلیتا تو اُس کی اگلی زندگی کی روٹیاں پکی تھیں۔ کیونکہ حاجی صدیق کا رازدار بن کر وہ اپنے سارے دلیدر دُور کرسکتا تھا۔

''سرکار میاں حاجی صدیق صاحب تشریف لائے ہیں بائی جی''..... اس نے اپنی خوابگاہ میں کنگھی پٹی کرواتی دارو برچھی سے کہا۔

''کون ہیں یہ''؟..... دارو نے اُس کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

''بائی جی حاجی شوکت صاحب مسلم لیگ والوں کے صاحبزادے ہیں۔ لدھیانہ ہوزری کے مالک۔'' بندے خان نے بڑے اشتیاق سے بتایا۔

''ہیں؟''..... دارو نے اُس کی طرف گھوم کر حیرت سے دیکھا..... ''اُستاد جی ''بوٹی'' تو نہیں پی رکھی ناں۔''

''ناں بائی جی ناں مولا جانے بالکل سچ عرض کررہا ہوں۔..... ''بندے خان سمجھ گیا کہ تیر نشانے پر لگا ہے۔

''ٹھیک ہے۔ ان کو پینے کے لئے کچھ پیش کرو۔ میں آتی ہوں۔'' دارو نے اُس کی طرف دیکھ کر بظاہر بے نیازی کے انداز میں کہا اور بندے خان دوسرے ہی لمحے حاجی صدیق کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔

دارو برچھی بڑی زمانہ ساز طوائف تھی۔ اُس نے آنکھ کھلتے ہی اپنے ہاں رجاؤں نوابوں اور بڑے بڑے سرکاری افسران کو آتے جاتے دیکھا تھا اور اُس کی تربیت اُس کی ماں اور نانی نے خصوصی انداز سے کی تھی۔ آج وہ دونوں دنیا میں نہیں تھیں لیکن دارو برچھی کے پاس بیٹی بلقیس اور اُس زمانے میں بھی لاکھوں روپے کا زیور موجود تھا۔ یہ بات اُسے اچھی طرح سمجھ آگئی تھی کہ اب ہندوستان بٹ کر رہے گا۔ جس کے بعد اُس کا لدھیانہ کے ''لچا بازار'' میں قیام ناممکن ہوجائے گا کیونکہ یہ علاقہ پاکستان میں شامل نہیں تھا گو کہ کچھ لوگ کہتے تھے کہ جناح صاحب نے انگریزوں کو صاف صاف کہہ دیا ہے کہ وہ پورا پنجاب پاکستان میں لیں گے لیکن دارو برچھی جانتی تھی یہ احمقانہ بات ہے۔ وہ خود کو ان حالات میں قدرے غیر محفوظ تصور کرنے لگی تھی اور اُس کی خواہش تھی کہ کم از کم اپنی دولت لاہور منتقل کردے تاکہ اس کی بیٹی بلقیس جو اُس کی جان کا ٹکڑا تھی کا مستقبل محفوظ رہے۔ یہی کچھ سوچتی وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو صدیق کو دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ ایسا خوبصورت نوجوان اُس نے زندگی میں اس سے پہلے کب دیکھا تھا۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اُسے اپنا دل کسی کے لئے دھڑکتا محسوس ہوا گو کہ اُس کی ماں اور نانی نے اس ''برے وقت'' سے بچنے کے لئے اُس کی بھرپور تربیت کی تھی اور اُسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ طوائف پیدائش سے موت تک صرف طوائف ہوتی ہے اُس کے عاشق تو ہزاروں ہوتے ہیں لیکن خاوند ایک بھی بننے کو تیار نہیں ہوتا۔ اگر بن جائے تو طوائف کو بھنور میں پھینک کر چلا جاتا ہے جس سے وہ نہ آگے کی رہتی ہے نہ پیچھے کی..... اس تربیت کو اُس نے پینتیس سال سے حرز زبان بنا رکھا تھا لیکن آج اُسے خود پر قابو نہیں رہا تھا۔

میاں حاجی صدیق کی عمر بمشکل بیس اکیس سال رہی ہوگی وہ حیران رہ گئی۔ اتنے بڑے سیاسی اور شریف گھرانے کا یہ نوجوان یہاں کیسے آگیا؟ صدیق اُسے دیکھتے ہی کھڑا ہوگیا تھا۔

Scanned Uploaded By Muhammad

''تشریف رکھیں۔'' تشریف رکھیں''..... دارو نے نوازش بجالاتے ہوئے کچھ انداز سے اُس کی طرف دیکھا کہ حاجی صدیق کے دل کی دھڑکنیں بے قابو ہوگئیں۔ اپنی تربیت کے مطابق بڑے ہی ناز نخرے سے وہ اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''کیا حکم ہے باندی کے لئے سرکار''..... اُس نے ایسے انداز سے حاجی صدیق سے پوچھا کہ حاجی صاحب پھٹے پرآ گئے۔

''حج جی میرا نام میاں صدیق ہے۔ میں لدھیانہ ہوزری والے حاجی شوکت صاحب کا بیٹا ہوں اُدھر ''پنج پیر'' کے میلے پر آپ کا گانا سنا۔ مجھ سے رہا نہیں گیا۔ آپ سے ملنے چلا آیا۔'' حاجی صدیق نے بمشکل حلق کو تھوک سے تر کرتے ہوئے کہا۔

''زہے نصیب، زہے نصیب''..... کہاں آپ اور کہاں یہ کنیز۔ حضور آپ تو کیڑی کے گھر نارائن بن کر آئے ہیں۔

''ن نہیں جی۔ آپ..... آپ کو..... میں آپ کو کیا بتاؤں۔ یہ آپ کی نذر کرنے کے لئے لایا ہوں''..... گھبرائے، شرمائے میاں صدیق نے بار کا ڈبہ کھول کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ اُس کے ماتھے پر شدید سردی میں بھی پسینے کے قطرے چمک رہے تھے۔ حاجی صدیق نے بطور خاص نوٹ کیا کہ دارو نے ڈبے کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

''بس حضور! صرف یہ ہار ہی دیں گے''۔ دارو نے عجب سا سوال کر کے اُسے مخمصے میں ڈال دیا۔

حاجی صدیق نے بمشکل دل کی بے قابو دھڑکنوں کو سنبھالا اور بے اختیار دل کی بات زبان پر لے آیا۔

''آپ کے لئے تو کوئی بھی جان بھی دے سکتا ہے''! خدا جانے کس طاقت نے اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلوائے دارو کا دل دھک سے رہ گیا۔

''ہائے اللہ! جان جائے آپ کے دشمنوں کی۔ خدا کے لئے دوبارہ کبھی ایسا مت کہیے۔'' دارو نے خود انداز وکیا کہ اُس نے معمول کی بازاری زبان سے یہ بات نہیں کہی۔ یوں تو اُس نے درجنوں چاہنے والوں کے سامنے یہ فقرہ دھرایا ہوگا لیکن یہاں زبان کا ساتھ اُس کا دل بھی دے رہا تھا۔

حاجی صدیق کا اضطراب جان لیوا ہو رہا تھا۔ وہ خود کو فضاؤں میں اُڑتا محسوس کر رہا تھا۔ یہاں آمد سے پہلے اُس نے جب اپنے انتہائی راز دار دوست جسونت سنگھ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا تھا۔

''میاں جی رب داناں نو... وہاں تو بڑے بڑے نوابوں اور رجواڑوں کی قطاریں لگی ہیں۔ میں تو کہتا ہوں بھول جاؤ اُسے۔ حادثہ سمجھ کر بھول جاؤ۔ میرے ساتھ ڈلہوزی چلو۔ کچھ دن وہاں رہو گے تو دل بہل جائے گا.. اس آگ کے نزدیک نہ جانا میاں جی دامن جلا دے گی''..... جسونت سنگھ نے اُسے سمجھایا.... وہ نہ مانا۔

جسونت سنگھ مال لے کر ڈلہوزی چلا گیا اور وہ ادھر چلا آیا جہاں توقعات کے برعکس صورتحال ہی کچھ اور ہو رہی تھی۔

''آج کوٹھا نہیں سجے گا بندے خاں جی''..... دارو نے کچھ ہی دیر بعد بندے خان کے لئے پیغام حکم جاری کیا تو بندے خان جھوم اُٹھا۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اُس کی روٹیاں لگ گئیں۔

''جی بائی جی.....'' کہہ کر وہ اُلٹے قدموں واپس لوٹ گیا۔

دارو نے جی جان سے صدیق کی خدمت کی۔ اُس کے سامنے بچھ بچھ گئی لیکن شام ڈھلتے ہی اُسے واپس جانے کی ''التجا'' بھی کر دی۔

''جی تو چاہتا ہے ساری زندگی آپ کے قدموں میں گزار دوں..... لیکن عزت دار انسان ہیں۔ شام کے بعد اس بازار میں آپ کا قیام مناسب نہیں''..... اُس نے ہاتھ باندھتے ہوئے حاجی صدیق سے کہا جس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے تھے۔ دارو کی حالت بھی کچھ مختلف نہیں تھی۔ کیوپڈ مہاراج نے دونوں کے دلوں میں ایک سی شدت سے تیر ترازو کر دیا تھا۔ دم رخصت دارو نے اس شرط پر اُس سے ہار لیا تھا کہ وہ دارو کو ملنے دن کے وقت آیا کرے گا اور وہ اسے اکیلے میں اپنا گانا سنایا کرے گی...

حاجی صدیق پر سرشاری کا عالم طاری تھا... وہ بادل نخواستہ وہاں سے رخصت ہوا اور جاتے جاتے اُس سے کہہ گیا کہ اب اُس کی زندگی کا حاصل صرف دارو ہے اور کچھ نہیں۔

حاجی صدیق تو گھر آ گیا لیکن اپنا دل وہیں چھوڑ آیا۔ اس نے اپنے بزرگوں سے اپنے ملنے جلنے والوں سے طوائفوں کے واقعات سنے تھے۔ طوائف کا لفظ ہی گالی سمجھا جاتا تھا اُسے حیرت تھی کہ اس دنیا میں دارو برچھی جیسی طوائفیں بھی ہیں۔ دارو کا نام تو ماں نے نادرہ پروین رکھا تھا کیونکہ وہ اُس کے نزدیک نادر و نایاب تھی یہ تو اُس کے چاہنے والے تھے جنہوں نے اُسے'' دارو برچھی بنا دیا تھا۔ حاجی صدیق نے اُسے ہمیشہ نادرہ پروین کے نام سے ہی پکارا۔

حاجی صدیق اور دارو کا معاشقہ بنگال کے جادو کی طرح دونوں کے سر چڑھ کر بولا۔ حاجی شوکت کا قریباً سارا وقت مسلم لیگی سرگرمیوں میں گزر جاتا۔ مقامی اور مرکزی لیڈر شپ کے جلسے جلوس ریلیاں'' بٹ کے رہے گا ہندوستان، بن کے رہے گا پاکستان'' کے نعروں سے لدھیانہ کے در و دیوار گونجنے لگے۔ کانگریس کی سرگرمیوں نے بھی زور پکڑا تھا اور اکالی دل کے سکھ بھی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ حاجی شوکت زمانہ ساز آدمی تھا۔ اُس نے جان لیا تھا کہ جلد یا بدیر اُسے لدھیانہ کو خیر آباد کہنا پڑے گا اُس نے بڑی ہوشیاری سے 1947ء کے آغاز ہی میں اپنا بزنس اور سرمایہ لاہور منتقل کرنا شروع کر دیا۔ اپنی فیکٹری کی خاندانی مشینوں کو بڑی رازداری سے لدھیانہ اسٹیشن تک برائے مرمت دلی بھیجنے کے بہانے وہ لاہور اپنے ایک قریبی عزیز اور راز دار تک پہنچانے لگے جس نے اپنے آبائی گھر میں انہیں سنبھالنا شروع کر دیا۔

صدیق کا عشق اب جنون بن گیا تھا۔ دارو اُسے بار بار احساس دلاتی کہ وہ خود کو سنبھالے اور اپنے خاندانی وقار کا لحاظ رکھے لیکن صدیق کی ایک ہی ضد تھی کہ دارو اُس کے عقد میں آ جائے اس نے دارو کو حلف دیا تھا کہ اُسے اپنی بیوی اور بلقیس کو جواب پانچ سال کی ہو رہی تھی اپنی بیٹی بنا کر رکھے گا۔ اس نے دارو میں وہ کچھ دیکھ لیا تھا

Scanned & Uploaded By Muhammad Nadeem

جس کی توقع کسی بھی مرد کو کسی عورت سے ہو سکتی ہے۔ صدیق نے دارو کو بتا دیا تھا کہ وہ اپنا بزنس لاہور منتقل کر رہے ہیں۔ دارو نے ہر ممکن طریقے سے اُسے خود سے الگ کرنے کی کوشش کی لیکن اس دھمکی کے بعد کہ وہ پھر مرے ہوئے صدیق کا منہ ہی دیکھے گی اُس کی ضد کے سامنے اس شرط پر ہتھیار ڈال دیے کہ وہ اس شادی کو خفیہ رکھے گا جب تک کہ دارو اُسے مشتہر کرنے کے لئے نہ کہے اور اپنے ماں باپ کی مرضی کی دلہن سے شادی کر کے اپنے گھر میں اُسے رکھے گا۔ دارو الگ گھر میں رہے گی۔ ایک روز اُس نے ''چوڑا بازار'' کے مولوی شبیر حسین قادری کو اعتماد میں لے کر دو گواہوں کی موجودگی میں اپنا اور دارو کا نکاح پڑھوالیا۔ جس روز دونوں کا نکاح ہوا پہلی مرتبہ انہوں نے رات اکٹھے گزاری تھی لیکن وہ بھی جسونت سنگھ کے گھر جس کی ہوا بھی جسونت سنگھ نے نہیں لگنے دی تھی۔

اگلے روز جب اس کا خاوند حاجی صدیق اُسے ملنے ''لچا بازار'' آیا تو دارو نے اُسے قریباً ڈیڑھ کلو سونا جو بڑی محفوظ تھیلے میں پیک تھا دیتے ہوئے کہا۔

''یہ میرے پرکھوں کی کمائی ہے۔ میری اگلی زندگی میں خوشحالی کی ضمانت لیکن آپ کی باندی بننے کے بعد مجھے اب کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی۔ اسے بحفاظت لاہور پہنچا دیجئے جس کے بعد میں بھی یہاں سے نکل جاؤں گی۔''...

حاجی صدیق حیرت اور عقیدت کے جذبات سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ طوائفیں تو دوسروں کے گھروں کو لوٹا کرتی ہیں۔ یہ کیسی طوائف تھی جو اُس کے ہاتھوں لٹ رہی تھی اپنی زندگی بھر کی کمائی اُسے سونپ رہی تھی۔ اس نے بہت ''ناں ناں'' کی لیکن دارو کی طرف سے صورتحال کی سنگینی کا احساس دلانے پر بالآخر اس شرط پر مان گیا کہ یہ اُس کی امانت ہے جو پاکستان پہنچتے ہی وہ دارو کے حوالے کر دے گا۔

حاجی صدیق دارو سے الگ ہو کر گھر پہنچا تو والد اس کے منتظر تھے۔ انہوں نے حاجی صدیق کو حکم دیا کہ وہ دو تین روز میں لاہور جانے کی تیاری کرے۔ ابھی ترین کا سفر محفوظ ہے۔ کل کا کچھ پتہ نہیں۔ وہاں جا کر اپنا ٹھکانہ بنائے جس کے بعد باقی گھر والے بھی آ جائیں گے اس دوران حاجی شوکت اپنی جائیداد فروخت کرنے کی کوشش کریں گے اُن کا آخری لمحات تک لدھیانے میں رہنا اس لئے ضروری ہے کہ وہ مسلم لیگ کے ضلعی صدر اور مقامی مسلمانوں کی اُمید ہیں وہ خود قافلے لے کر یہاں سے جانا چاہتے تھے جو اُن کی سیاسی ساکھ کے لئے ناگزیر بھی تھا۔

حاجی صاحب کی زرسائی پارٹی کے اندر دور تک تھی۔ انہیں بتا دیا گیا تھا کہ کسی بھی لمحے آزادی کا اعلان ہونے والا ہے جس کے بعد قتل و غارت گری کا ایسا طوفان اُٹھے گا کہ کسی سے سنبھالے نہیں سنبھلے گا۔ مسلم گارڈ کے سالار مرتضیٰ علی خان اس کے رازدار ساتھیوں میں شامل تھے جنہوں نے بتایا تھا کہ دونوں طرف لوٹ مار کے منصوبے بن رہے ہیں اس شورش پر قابو پانا..... مسلم لیگ اور کانگریس دونوں کی لیڈرشپ کے بس کی بات نہیں کیونکہ اب معاملات پر اُن کا مکمل اختیار نہیں رہا۔ حاجی صدیق کے تو پاؤں تلے زمین سرک گئی۔ اُسے زمین آسمان

یم

گھومتے محسوس ہوئے وہ دارو اور بلقیس کو یہاں کس کے حوالے کر کے جاتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جسونت سنگھ اُس کے لئے مر سکتا تھا لیکن ایک جسونت سنگھ کیا کرے گا۔ فوراً وہ دارو کے پاس پہنچا اور اُسے والد کے حکم سے آگاہ کر دیا۔ ''میں اکیلا نہیں جاؤں گا نادرہ..... تم دونوں میرے ساتھ جاؤ گی''..... اُس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

''صدیق صاحب! خدا کے لئے جذباتی باتیں نہ کریں۔ اس مرحلے پر اگر میرے اور آپ کے تعلق کی کسی کو ہوا بھی لگی تو آپ کے والد صاحب کے لئے یہ صدمہ ناقابل برداشت ہو جائے گا۔ انہوں نے ساری زندگی محنت کر کے عزت اور نام کمایا ہے اور مقامی مسلمانوں کے وہ لیڈر بھی ہیں... آپ بے فکر رہیں جہاں لدھیانہ کے ہزاروں لاکھوں مسلمان ہیں وہاں ہم دو ماں جی بھی رہ لیں گے.....'' داروں برچھی نے اُسے سمجھانا چاہا۔

صدیق نے فرطِ عقیدت سے اُسے گلے لگا لیا۔ اُس نے عورت کی عظمت کا یہ روپ اس سے پہلے کہاں دیکھا تھا۔ بڑے بحث مباحثے کے بعد بالآخر یہ فیصلہ ہوا کہ حاجی صدیق اپنے ساتھ بلقیس کو لے جائے گا۔ اس دوران جسونت سنگھ دارو سے رابطے میں رہے گا اگر خطرہ ہوا تو وہ دارو کو پاکستان کی سرحد تک خود پہنچا کر آئے گا.....''

صدیق اتنا بضد تھا کہ دارو کے لئے اب ''ناں'' کی گنجائش نہیں تھی۔ بلقیس گزشتہ دس ماہ میں حاجی صدیق سے بہت مانوس ہو گئی تھی وہ آخر طوائف زادی تھی اور جاننے لگی تھی کہ حاجی صدیق ہی دراصل اُس کا باپ ہے۔ وہ حاجی صدیق کو ''ابو جی'' کہنے لگی تھی۔ دارو نے بڑے شکستہ دل سے بلقیس کو ''ابو جی'' کے ساتھ لاہور بھیجا اور اُسے کہا کہ وہ جلدی اُس کے پاس آ جائے گی۔ لدھیانہ کے ریلوے سٹیشن تک جسونت اور دارو اُس کے ساتھ آئے تھے۔ دم رخصت جسونت سنگھ نے حاجی صدیق سے کہا تھا ''تیرا میرا جینے مرنے کا ساتھ ہے۔ میاں! اگر حالات ہمیں جدا کرنے پر تلے ہیں تو یہ نہ بھولنا کہ خالصہ اپنے قول سے نہیں پھرے گا مر جاؤں تو الگ بات ہے۔ یہ میری بہن ہے۔ اس کی عزت میری عزت ہے۔ کوشش کروں گا جیسے بھی تیرا پیغام ملے اسے لاہور پہنچا دوں۔ باقی جو میرے واہگورو کا بھانا .....''

''مجھے تیری دوستی پر فخر ہے جسونت سیاں۔ ہنوارہ ہو گیا تو کیا ہوا۔ ہمارے دل تو نہیں بٹ سکتے ناں ..'' بعد بھرائی آواز میں جسونت سنگھ سے گلے ملتے ہوئے اُس نے کہا..... ''نادرہ میری امانت ہے اگر تو خود پر میرا کوئی حق سمجھتا ہے تو اس امانت کی حفاظت کرنا''.....

''میاں صدیق ..... خالصہ جان دے دے گا قول نہیں ہارے گا۔''

دونوں جذباتی انداز میں ایک دوسرے سے چمٹے رہے۔ ترین کا وسل سنائی دیا تو الگ ہوئے۔ صدیق نے بے اختیار نادرہ پروین کو گلے لگا لیا اور آنسو بہاتی بلقیس کا ہاتھ پکڑے اپنے مختصر سامان کے ساتھ ترین کے فسٹ کلاس ڈبے میں سوار ہو گیا۔ جب تک ترین آنکھوں سے اوجھل نہ ہوئی بھیگی آنکھوں سے جسونت اور نادرہ پروین ہاتھ ہلاتے رہے۔

''چلیں میرے بچے''..... جسونت نے اُسے مخاطب کیا۔

Scanned and Uploaded By Muha

دونوں بوجھل قدموں سے لوٹ آئے۔

○

وقت پر لگا کر اڑا ..

گھنٹے دن ہفتوں اور مہینوں پر پھیل گئے۔ حاجی صدیق نے لاہور میں ٹھکانہ بنالیا۔ جسونت اور نادرہ پروین کو ٹیلی گراف سے تار دے دیے کہ اب دیر نہ کرو۔ دونوں کو پیغام مل گیا۔ جسونت کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح اندر ہی اندر کوئی گٹ مٹ لگا کر دارو کا مکان فروخت کروادے۔ یہ مکان اُس نے لدھیانہ کے ایک اچھے علاقے میں لیا ہوا تھا اس اُمید پر کہ کبھی وہ ''لچا بازار'' سے یہاں منتقل ہو جائے گی جب کوئی بس نہ چلا تو اُس نے خود یہ مکان خرید لیا۔ کچہری، پٹوار خانے سے کاغذات بناتے آٹھ دس دن لگ گئے۔ جون کے آغاز میں حاجی صدیق گیا تھا۔ جولائی میں فسادات شروع ہو گئے۔ دونوں طرف ڈاک تار کا نظام دم توڑ گیا۔ لدھیانہ کے مسلمان غیر محفوظ ہو کر حکومت کی طرف سے بنائے کیمپوں میں منتقل ہونے لگے کاغذات کا کام جسونت سنگھ کے اثر رسوخ کی وجہ سے اگست کے آخری عشرے میں مکمل ہوا۔ اس دوران وہ دارو کو بہن بنا کر اپنے گھر لے آیا تھا۔ گھر میں اُس نے دارو کا تعارف حاجی صدیق کی رشتہ دار کی حیثیت سے کروایا تھا اُس کی اصلیت کسی کو نہیں بتائی تھی۔ جسونت کا فیصلہ بڑا صحیح اور بروقت تھا۔ جرائم پیشہ لوگ دارو کو اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اس کے پاس راجوں نوابوں کے کروڑوں کے قیمتی زیورات جمع ہیں۔ جس روز ''لچا بازار'' پر حملہ ہوا تمام بلوائیوں کا رُخ اس کے گھر کی طرف تھا۔ اردگرد کی

ندیم

طوائفیں ہندو تھیں یا پھر شیڈول کاسٹ سے تعلق رکھتی تھیں۔ مسلمان طوائفیں کب کی یہاں سے نکل گئی تھیں۔ بلوائی جب مکان کے دروازے توڑ کر اندر داخل ہوئے تو کمروں میں قیمتی فرنیچر، راجوں مہاراجوں اور نوابوں کی فریم شدہ تصاویر، گانے بجانے کے ساز اور تین چار کشمیری قالین یا پھر گھر کا دوسرا سامان اُن کا منہ چڑا رہا تھا۔ دارو اس کے سازندے اور بیٹی زیورات سمیت غائب تھی۔ بلوائی غصے سے باؤلے ہو رہے تھے۔

''آگ لگا دو سالی کے مکان کو..... اسے کیمپوں میں ڈھونڈو۔ سارا مال لے کر نکل رہی ہے سالی'' شراب کے نشے میں دھت بلوائیوں کے گینگ لیڈر منگل سنگھ نے بے تحاشہ مغلظات بکتے ہوئے کہا اور بلوائیوں نے اُس کے گھر کو آگ لگا دی۔

جسونت سنگھ کو جب یہ خبر ملی اور علم ہوا کہ بلوائی اُس کی دولت چھیننے کے لئے اُسے شہر کے کیمپوں میں تلاش کر رہے ہیں تو اُس نے سختی سے نادرہ کو وہیں رُکنے کے لئے کہا۔

''میری بہن حالات کو سمجھ۔ یہاں سے نکلتے ہی یہ تجھے مار ڈالیں گے اور میں ساری زندگی اپنے آپ کو بھی منہ دکھانے لائق نہیں رہوں گا''۔ جسونت نے اُسے سمجھایا اور کہا کہ جیسے ہی حالات کچھ بہتر ہوتے ہیں وہ اُسے واہگہ بارڈر تک خود چھوڑ کر آئے گا۔ ''حالات بہتر کیا ہونے تھے۔ روز بروز بگڑنے لگے۔ اُس روز تو قیامت ہی آ گئی جب لائل پور سے اپنی جان بچا کر لدھیانہ پہنچنے والے جسونت سنگھ کے ماموں طوطا سنگھ نے یہ جان کر کہ یہاں کوئی مسلمان عورت چھپی ہے آسمان سر پر اُٹھا لیا۔

''جسونت سیاں اوئے میرا آدھا کنبہ کٹ گیا۔ پوری ٹرین کاٹ دی تھی مسلوں نے اور توں ایک مسلمان عورت کو سنبھالے بیٹھا ہے'' اُس نے غصے سے کھولتے ہوئے کہا ..'' آج بات کرتا ہوں تیرے باپ سے یا تو اُسے ہمارے حوالے کر دے یا پھر.....'' اُس نے اپنی بات اُدھوری چھوڑ کر مونچھوں کو بل دیا اور غصے سے باہر نکل گیا۔

شام ڈھل رہی تھی جب وہ اپنی فیکٹری کے اُس کمرے میں پہنچا جہاں اُس نے دارو ہرچھی کو چھپایا ہوا تھا اور دو گورکھے چوکیدار یہاں اُس کی حفاظت کے لئے رکھے تھے۔

''چل میرے بچے اب تیرا لدھیانے کا رزق ختم ہوا''..... اُس نے دارو سے کہا جو ''ہر وقت روانگی کا بیگ تیار رکھتی تھی۔

جسونت سنگھ کی چھٹی حس نے اُسے بتا دیا تھا کہ کسی بھی وقت اچانک کوئی مصیبت آ سکتی ہے اسی لئے اُس نے دارو کو یہاں رکھا تھا اور ایمرجنسی فرار کے بندوبست بھی کئے ہوئے تھے۔ جسونت سنگھ نے اپنی ''مرائمف موٹر سائیکل'' گودام سے نکالی۔ اُس کے پیچھے پٹرول کا فالتو کین باندھا۔ دارو کے گلے میں ''گاترا'' ڈال دیا۔

''بڑی مجبوری آ بنی ہے میری بہن..... معاملات قابو میں نہیں رہے۔ ہمیں افراتفری میں بھاگنا پڑے گا۔ تم اس وقت ایک سکھ عورت ہو۔ میری پتنی ہو اور تمہارا نام پریت کور ہے۔ اول تو اس کی نوبت نہیں آنے لگی اگر نہیں آ ہی گئی تو یاد رکھنا۔ چلو آؤ یہاں سے نکلیں''

اُس نے دارو کو موٹر سائیکل پر پیچھے بٹھایا اُس کا بیگ دونوں کے درمیان پھنس گیا اور اپنے سفر کا آغاز کیا لدھیانہ شہر اُجاڑ علاقوں سے باہر نکلے اور اب اپنی منزل کی طرف عازم سفر تھے۔ جسونت سنگھ نے آگے کا کیا پلان بنا رکھا تھا؟ دارو کو اس کی کچھ خبر نہیں تھی۔ وہ اس وقت اللہ کے بعد جس شخص پر سب سے زیادہ اعتبار کر سکتی تھی وہ یہی جسونت سنگھ تھا۔

○

منگل سنگھ جب دو تین معزز سکھوں کو لے کر گھر پہنچا تو جسونت سنگھ کے باپو جی اور اُس کا بہنوئی سردار کلیان سنگھ وہاں موجود تھا۔ منگل سنگھ کے ساتھ مسلح بلوائیوں کو دیکھ کر اُس کا پارہ آسمان کو چھونے لگا۔ وہ مقامی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کا سرپرست اور ہر ماہ انہیں سینکڑوں روپے دان پن کرتا تھا۔ ہر ہ گوردوارے میں ''اکھنڈ صاحب کا بھوگ'' رکھواتا اور لنگر کا مکمل خرچ اُٹھاتا تھا اُس کے علم میں یہ بات ضرور تھی کہ اُس کے بیٹے جسونت سنگھ نے اُس کے کاروباری ساتھی حاجی میاں شوکت کے بیٹے حاجی صدیق کے کہنے پر کسی مسلمان عورت کی مدد ضرور کی ہے لیکن یہ کوئی ایسا گناہ نہیں تھا کہ اس پر منگل سنگھ بلوائی یہاں لے آتا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا منگل سنگھ۔ میں گوردوارہ پربندھک کمیٹی کا صدر ہوں۔ ایسی گھٹیا بات کرنے کی تمہیں ہمت ہی کیسے ہوئی'' اُس نے اُلٹا منگل سنگھ پر چڑھائی کر دی۔

کلیان سنگھ لدھیانے کا مانا ہوا رئیس تھا اُسے قابو کرنا آسان نہیں تھا۔ بلوائیوں میں سے بھی دو تین اسے پہچان گئے تھے اور وہ بھی اُلٹا منگل سنگھ کو لعن طعن کرنے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

لگے تھے۔

"دن گیا ہے جسونت سنگھ آج ہی..... واپس آئے گا تو اُس سے پوچھ لینا۔ خبردار اگر دوبارہ اس طرف منہ کرنے کی ہمت کی۔ ہمارے سنگھوں کو تمہاری اس گستاخی کا علم ہوا تو تمہاری تکا بوٹی کردیں گے۔ دفع ہوجاؤ یہاں سے" اس نے بلوائیوں کو ڈانٹ پلائی اور وہ منگل سنگھ کو گالیاں دیتے واپس چلے گئے۔

"منگل سیاں۔ ہم نے تجھے اس لئے پناہ نہیں دی کہ تو یہاں فساد پھیلاتا پھرے۔ مجھے لائل پور کی کچھ خبر نہیں لیکن یاد رکھنا ہم اصلی نسلی جٹ ہیں اپنے مسلمان یاروں کی عزت پر مرتے دم تک آنچ نہیں آنے دیں گے۔ پرکھوں سے ہمارے ساتھی ہیں۔ تم آج منہ اُٹھا کر آ گئے ہو۔ اگر دوبارہ کبھی ایسی حرکت کی تو یاد رکھنا تمہیں بھی تمہارے "پریوار" کے پاس پہنچادوں گا اور کوئی میرا بال بیکا نہیں کرسکے گا۔"

"شما کردیو بھاجی ....." منگل سنگھ نے دونوں ہاتھ باندھ کر کپکپاتے ہوئے معافی مانگی وہ سمجھ گیا تھا کہ بڑی غلطی کا مرتکب ہوا ہے اور یہاں لدھیانے میں اُس کا امیر کبیر بہنوئی ہی اُس کے کام آسکتا تھا۔

O

جیونت سنگھ نے دونوں کے سفر کے بعد اُسے بحفاظت اتاری پہنچادیا تھا۔ اس دوران اُس نے پانچ چھ جگہ اپنے دوستوں کے ہاں قیام کیا تھا اور دارو کا تعارف اپنی "سوانی" (بیوی) کی حیثیت سے کرواتے ہوئے بتایا تھا کہ وہ "ترن تارن" میں "مسیا" کرنے جارہے ہیں۔ چونکہ دونوں نے منت مانی ہوئی تھی اس لئے جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنی موٹر سائیکل پر سفر کررہے تھے کیونکہ باقی کوئی سواری نہ تو محفوظ تھی اور نہ ہی میسر تھی۔ لوگ ان کی سکھ دھرم کے ساتھ مان مریادہ دیکھ کر خوش ہورہے تھے۔ راستے میں کسی مرحلے پر بھی انہیں پیٹرول یا اشیائے خوردونوش کی کمی نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ اُن کا قیام ہی گوردواروں میں ہوتا تھا جہاں جسونت سنگھ کے تعارف کروانے پر سکھ سیوادار اُن کے لئے آنکھیں بچھاتے اور اُن کی ہر ممکن سیوا کرتے تھے۔

دارو برچھی نے لدھیانے سے یہاں تک کے راستے میں جو کچھ دیکھ لیا تھا اُس نے تو دارو کے اوسان ہی خطا کردیئے۔ جگہ جگہ مہاجرین کی لاشیں بکھری تھیں جنہیں کتے گیدڑ اور گدھ اپنی خوراک بنارہے تھے۔ پیدل مسلمانوں کے کٹے پھٹے قافلے الگ تھے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے بلوائیوں نے قافلے پر حملہ کیا لیکن دونوں کچھ نہیں کرسکتے تھے سوائے اس کے کہ وہاں سے اپنی جان بچا کر آگے نکل آئیں۔

واہگہ بارڈر، اب بمشکل تین چار کلومیٹر دور رہ گیا تھا اور راستہ محفوظ تھا۔ دونوں کے الگ ہونے کے لئے یہ بہت مناسب جگہ تھی۔ سڑک پر لاشوں اور زخمیوں کو اُٹھائے قافلے گزر رہے تھے۔ ایک جگہ پہنچ کر وہ رُک گئے۔

"نادرہ بہن میں نے اپنے دوست کو دیا" وچن" پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اگر کوئی تکلیف ہوئی ہو تو معاف کردینا..... صدیق میں وہاں کیمپ میں تمہیں ملنے آجائے گا پھر بھی اس کا ایڈریس تمہارے پاس ہے۔ اُسے کہنا اگر زندہ رہا تو امن ہوتے ہی اُس سے ملنے آؤں گا۔" جسونت نے کہا۔

دارو کو یوں محسوس ہوا جیسے اُس کا کلیجہ کٹنے لگا ہو۔ جسونت سنگھ اُس کے لئے رحمت کا فرشتہ ثابت ہوا تھا۔ اُس نے اپنی جان مال عزت آبرو سب کچھ داؤ پر لگا کر اپنا "وچن" نبھایا تھا۔ بے اختیار وہ سسکیاں لیتی جسونت سنگھ کے گلے لگ گئی جس نے اپنے آنسوؤں پر ضبط کرتے ہوئے اُسے آہستگی سے الگ کیا۔

"حوصلہ کر میری بہنے" ..جسونت نے یہ کہتے ہوئے اپنی جیب میں پہلے سے الگ کئے کچھ نوٹ نکالے اور اُس کی طرف بڑھادیے۔ ..."بھلا وقت ہوتا تو اپنے یار کی دلہن کے اعزاز میں سارے لدھیانے کی دعوت کرتا اسے حقیر سا نذرانہ سمجھ کر پاس رکھ لے۔ ادھر پیسوں کی ضرورت پڑے گی۔ یوں بھی ہم تیرے خاوند کے قرض دار ہیں۔ تیرا حق ہے ان پر۔ ..."

دارو نے روتے ہوئے "ناں ناں" کی لیکن جسونت نے زبردستی اُس کے بیگ میں نوٹوں کا لفافہ ڈال دیا۔ دونوں کھیتوں کے بیچوں بیچ چلتے سڑک تک آئے جہاں ایک تھکا ماندہ قافلہ قطار کی صورت پاکستانی سرحد کی طرف رواں دواں تھا۔ آنسو بہاتی نادرہ پروین کو جسونت سنگھ نے دل پر پتھر رکھ کر قافلے کی طرف روانہ کیا اور اُس وقت تک وہاں کھڑا رہا جب تک قافلے میں شامل ہونے کے بعد نادرہ پروین نظروں سے اوجھل نہ ہوگئی۔ قافلے والوں کے لئے اُس کی آمد اور شمولیت کوئی اچنبھے کی بات نہیں تھی۔ اس قافلے کا قریباً ہر مسافر زخم خوردہ اور پریشان تھا۔ یہ قافلہ کہاں سے چلا؟ اس میں کس کس علاقے سے مسافر شامل ہوئے کسی کو کچھ خبر نہیں تھی۔ سب پر ایک ہی دھن سوار تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ زندہ پاکستان پہنچ جائیں۔

پاکستان آگیا۔ ۔ !

سرحد پر پاکستانی جھنڈا دیکھ کر قافلے کے زندہ درگور انسانوں کے نیم مردہ جسموں میں جیسے نئی روح داخل ہوگئی۔ وہ سب "پاکستان زندہ باد" کے نعرے اپنی پوری قوت سے لگارہے تھے۔ مقامی شہری اور رضا کار اپنے محدود وسائل کے ساتھ اُن کا استقبال کررہے تھے۔ ایک رضا کار نے رجسٹر میں اُن کے ناموں کا اندراج شروع کیا۔ نادرہ پروین نے اپنا نام اور ایڈریس لکھانے کے بعد بتایا کہ اُس کا خاوند اور پانچ سالہ بیٹی کسی دوسرے قافلے کے ذریعے پہلے پاکستان پہنچ چکے ہیں۔ اُن پر حملہ ہوا اور وہ قافلے سے بچھڑ گئی تو بڑی مشکل سے جان بچا کر یہاں پہنچی ہیں۔

کسی نے اُس کی کہانی کی کوئی تصدیق طلب نہ کی۔ یہاں سب کہانیاں ایک جیسی تھیں۔ سب زخم خوردہ اور پریشان تھے۔ وہ معزز اور امیر کبیر مسلمان جن کے دستر خوانوں پر سینکڑوں لوگ پل رہے تھے یہاں چنے چاولوں کی دیگوں کا منہ اُٹھائے انتظار کیا کرتے تھے۔ اُن کے پیارے، رشتے دار، عزیز اقارب انہیں ان کیمپوں میں تلاش کرتے آتے کسی کو اُس کا پیارا مل جاتا تو دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے آپس میں لپٹ جاتے۔ دوسرے روز حاجی صدیق اُس کی بیٹی بلقیس کو لے کر اُسے لینے آگیا۔ ماں بیٹی کا ملاپ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ دارو بے اختیار صدیق کے گلے لگ کر رونے لگی۔ جس نے اُسے حوصلہ دے کر چپ کروایا اور تھوڑی دیر بعد تینوں ایک ٹرک میں بیٹھ کر لاہور

Digitized and Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

شبرکی جانب چل دیے۔

لاہور کی پرانی آبادی میں ایک دس بارہ مرلے کا مکان حاجی صدیق نے پہلے سے حاصل کرلیا تھا۔ اُس نے یہاں ضروریات زندگی کا کچھ سامان جمع کررکھا تھا۔ بلقیس نے بتایا کہ حاجی شوکت کو راولپنڈی میں ایک پرانی ہوزری الاٹ ہوگئی تھی جس میں انہوں نے اپنی مشینیں لگا کر کام شروع کردیا ہے۔ حاجی صاحب کا خاندان وہیں آباد ہے اور وہ بڑی مشکل سے مختلف بہانے بنا کر لاہور آتا ہے۔ جہاں اُس نے لچا بازار لدھیانہ کی ہی ایک بوڑھی مہاجر عورت کو بلقیس کے ساتھ رکھا ہوا ہے اس عورت کا بھی سب کچھ لٹ چکا ہے۔ اُن کی آمد پر وہ شاید داتا صاحب'' سلام کرنے گئی ہوئی تھی جو اس کا معمول تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ تبرک کا لفافہ ہاتھ میں پکڑے واپس آئی تو دارو برچھی حیرت اور خوشی سے'' اماں تو''؟ کا نعرہ لگاتی اُس سے لپٹ کر رونے لگی۔

'' یہ اماں موتیا'' تھی۔ بوڑھی طوائف اپنی دو بیٹیوں اور تین بیٹوں کے ساتھ اُس کے ہمسایے میں ناچ گانے کا دھندہ چلا رہی تھی۔ بیٹے تو عرصہ سے گھر سے غائب تھے اُن کی کچھ خبر نہیں تھی۔ دونوں بیٹیوں کے ساتھ وہ ایک قافلے میں شامل ہوئی۔ راستے میں تین جگہ قافلے پر حملے ہوئے۔ پہلے حملے میں بلوائیوں نے اُس کی ایک بیٹی اُٹھالی دوسرے حملے میں دوسری بیٹی نے ایک بلوائی سے اپنی عزت بچانے کے لئے اُس کی آنکھوں کے سامنے سڑک کنارے موجود گہرے کنویں میں چھلانگ لگادی جہاں پہلے سے مسلمان بچیوں کی لاشیں تیر رہی تھیں۔ اماں موتیا اور کچھ بوڑھوں کو انہوں نے داستان عبرت سنانے کے لئے زندہ پاکستان جانے کی اجازت دے دی کیمپ میں جہاں حاجی صدیق اُسے روزانہ دیکھنے آتا تھا۔ اماں موتیا نے جب اُسے بلقیس کے ساتھ دیکھا تو بے اختیار بلقیس سے لپٹ گئی جو اماں کو پہچانتی تھی۔ یہ سن کر تو وہ حیران رہ گئی کہ اُس کے ساتھ آنے والا نوجوان لدھیانے کے رئیس حاجی شوکت کا بیٹا حاجی میاں صدیق ہے۔ اس خاندان کو لدھیانہ کا بچہ بچہ جانتا تھا۔ اماں موتیا کی زمانہ ساز آنکھوں نے سارا معاملہ جان لیا وہ اندازہ کرسکتی تھی کہ دارو برچھی جس کے لئے بڑے بڑے نواب جان دینے پر تیار رہتے تھے حاجی صدیق بے چارہ کس باغ کی مولی ہے۔

حاجی صدیق کے لئے اماں موتیا سے ملاقات اندھے کے ہاتھ بٹیر لگنے کے مترادف تھی وہ اماں کو اپنے ساتھ انارکلی کے اُس مکان میں لے آیا جو اُس نے پہلے سے بلقیس اور اُس کی ماں کے لئے خرید کر رکھا ہوا تھا۔ اب دارو بھی آگئی تھی۔ جس نے اماں موتیا کی موجودگی کو اپنے لئے نعمت خیال کیا۔ ''آپ راولپنڈی چلے جائیں۔ کوئی بات نہیں۔ اماں ہے ناں ہمارے ساتھ۔ انشاء اللہ باقی لوگ بھی مل ہی جائیں گے۔'' شام کو نادرہ پروین نے اُسے ساری صورتحال سمجھاتے ہوئے کہا۔

'' نادرہ تمہیں چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ افسوس میں والدین کی واحد نرینہ اولاد ہوں۔ سمجھ نہیں آتی کیا کروں..... ہر ممکن کوشش کروں گا کہ ہمارا بزنس لاہور منتقل ہوجائے تم یہ خرچہ رکھ لو... میں تین چار دن میں واپس آتا ہوں'' یہ کہہ کر اُس نے کچھ نوٹ جیب سے نکالے لیکن نادرہ نے اُسے منع کردیا اور بتایا کہ

جسونت سنگھ نے اُسے پیسے دیے ہیں جو اُس نے ابھی کھول کر بھی نہیں دیکھے دونوں نے لفافہ کھولا تو معقول رقم موجود تھی۔

'' جسونت سہیاں انشاء اللہ تیرا قرض اُتار کر دنیا سے جاؤں گا۔ مسلمان احسان فراموش نہیں ہوتا۔'' بے اختیار آنسو اُس کے گالوں پر بہنے لگے۔

نادرہ کے بضد ہونے پر وہ اُسی شام ٹرین سے راولپنڈی چلا گیا۔ اردگرد کے تمام مکانوں میں مہاجرین موجود تھے۔ اس لئے کسی نے کسی کا جغرافیہ دریافت نہیں کیا۔ اماں موتیا نے کہ سارے رکھ رکھاؤ، ادب آداب جانتی تھی گھر کے انچارج کی ذمہ داری سنبھال لی اور اُسے اگلے ہی روز پوچھ لیا۔

'' بیٹی یہاں فرید کوٹ ہاؤس میں کلیم بنتے ہیں... تیری تو اچھی خاصی جائیداد تھی۔ چل کلیم بنوالے۔ ساری ہیرا منڈی خالی پڑی ہے.....''

نادرہ پروین نے اماں کی طرف دیکھا اور خاموش رہی۔ اماں جانتی تھی کہ وہ کسی کشمکش کا شکار ہے لیکن اُس کا تجربہ بتا رہا تھا کہ جلد یا بدیر عشق کا یہ بھوت اُس کے دماغ سے اُتر جائے گا۔

تیسرے دن بندے خان اُسے ڈھونڈتا ہوا انارکلی پہنچ گیا۔ اُس نے بتایا کہ لاہور آئے تو پندرہ بیس روز ہوگئے تھے کل کیمپ گیا تھا جہاں سے اُس کا نام رجسٹر میں پڑھا اور اُس کے ایک ہم پیشہ نے بتایا کہ ادھر انارکلی کی طرف لدھیانے کے کچھ مہاجروں نے ٹھکانہ کیا ہے۔ دو روز بے چارہ '' بھارت بلڈنگ'' میں دھکے کھاتا رہا پھر اچانک اسے اماں موتیا مل گئی جس نے یہاں پہنچادیا۔''

میرا تو کوئی ٹھور ٹھکانہ گھر بار، خاندان کچھ نہیں بائی جی۔ ساری زندگی آپ کی نوکری میں گزار دی ہے۔ آپ کے علاوہ اور کہاں جاؤں گا۔ کاروبار بھی ابھی نہیں کھلے۔ دو دن سے ہیرا منڈی جارہا ہوں۔ کوٹھوں کو تالے لگے ہیں۔ میں نے آپ کے لئے بڑے ٹھکانے کی جگہ دیکھی ہے بائی جی۔'' اُس نے آخر میں رازداری سے کہا۔

دارو خاموش رہی..... انہیں کیا جواب دیتی۔ دل کہتا تھا کہ اب اپنی دنیا میں واپس نہ جا اور عقل کہتی تھی بے وقوف مت بن..... اپنے پاؤں مضبوط رکھ۔ بیٹی سر پر بیٹھی ہے۔ حاجی صدیق کے حالات اُسے زیادہ دیر تک اس بندھن کا پابند نہیں رکھیں گے.....

'' ٹھیک ہے بندے خان دیکھتی ہوں۔ ابھی تو کلیم بنوانا ہے۔ اس کے بعد ہی کچھ ہوگا۔ باقی سب کچھ تو وہیں رہ گیا..... خالی ہاتھ آئی ہوں۔ ابھی تو حاجی صاحب کی مہربانی سے دال دلیا چل رہا ہے۔'' ... اُس نے جان بوجھ کر انہیں باقی معلومات سے الگ رکھا۔ پانچویں روز حاجی صدیق اُس سے ملنے آیا اور اُسے زیورات کی وہ تھیلی تھمادی جو اُس نے حاجی صدیق کو بطور امانت دی تھی۔

'' یہ کیا؟''..... نادرہ نے استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

'' نادرہ! یہ مکان میری طرف سے تمہارے لئے تحفہ ہے۔ ابھی زیورات فروخت نہ کرنا۔ اچھی قیمت نہیں لگے گی۔ کچھ دن انتظار کرو۔ امن ہوجائے تو سب اچھا ہوجائے گا..... والدین بضد ہیں کہ میں فوراً شادی کرلوں۔ انہوں نے میری نسبت میرے چچا کی بیٹی سے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

طے کردی ہے۔ شاید اگلے ہفتے ہم شادی کے بندھن میں بندھ جائیں''۔ وہ نادرہ سے آنکھیں بھی نہیں ملا رہا تھا۔'' مبارک ہو صدیق صاحب۔ آپ نے میرے دل پر دھرا بوجھ اُتار دیا۔ کاش آپ کو اندازہ ہوتا کہ میرے لئے یہ کتنی اہم خبر ہے۔ میں تو عرصے سے اس کا انتظار کر رہی ہوں۔ خدا کے لئے مجھے کبھی اپنے لئے بوجھ نہ سمجھیں۔ آپ نے مختصر عرصے میں مجھے جو کچھ دیا شاید کئی زندگیاں جینے کے بعد بھی حاصل نہ کر پاتی۔'' نادرہ نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

دونوں رات گئے تک ایک دوسرے سے لپٹ کر روتے رہے۔ پھر بادل نخواستہ حاجی صدیق وہاں سے چلا گیا۔ ابھی تک نادرہ نے اُسے یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ حاملہ ہو چکی ہے۔ پاکستان آنے پر حاجی صدیق کی طرف سے اُسے یہ پہلا تحفہ ملا تھا۔

حاجی صدیق چلا گیا۔ دو دن دس دن پندرہ دن۔ کتنا انتظار کرتے۔ اماں موتیا صورتحال کا باریک بینی سے جائزہ لے رہی تھی اس دوران اُس نے بھاگ دوڑ کر کے کلیم بنوالیا تھا۔ اس روز جب وہ ہسپتال میں دارو برچھی کا معائنہ کروا کر واپس لوٹی تو اس سے رہا نہ گیا۔

''بس کر جا دارو ..... کیوں جھلی بنی ہوئی ہے۔ ایک بچی جوان ہو رہی ہے اور دوسرا بچہ تیرے پیٹ میں پل رہا ہے۔ یہ عشق محبت کی کہانیاں ہمارے پرکھوں سے ہم سنتے آرہے ہیں۔ کم از کم اپنا ٹھور ٹھکانہ تو کر لے۔ ابھی تو ہیرا منڈی میں مناسب جگہ مل جائے گی۔ میں مر گئی تو یاد رکھنا۔ یہ جائیدادیں جو آج کوڑیوں کے مول چل رہی ہیں کبھی کروڑوں میں تلیں گی۔ ارے اللہ کی بندی ہم اور کیا کام کریں گے''..... اُس نے دارو کو سمجھایا اور دارو سمجھ گئی۔ اُس نے آج پہلی مرتبہ جذبات سے اوپر اُٹھ کر کچھ سوچا تھا۔

''ٹھیک ہے اماں ..... بندے خاں کو کبو کسی سے بات کرے۔ کچھ دینا دلانا بھی پڑا تو کچھ کر لیں گے''.....

اُس نے ہتھیار ڈالنے کے انداز میں کہا۔

دس بارہ روز کی تگ و دو کے بعد اُسے منٹھا پیر کے بالکل سامنے ایک پوری بلڈنگ الاٹ ہوگئی جس میں پندرہ بیس کمرے نیچے اُوپر موجود تھے۔ بلڈنگ تو اُس کے کلیم کے عوض ملی تھی لیکن مقامی مجسٹریٹ کی اُس نے توقعات سے بڑھ کر خدمت کر دی تھی جس نے فرنیچر سے سجے سجائے اُس گھر کا تالا توڑ کر اُسے اندر داخل کر دیا۔ ایک ماہ میں نچلے پانچوں کمرے امرتسر کی رنڈیوں نے کرائے پر لے لئے۔ دارو کا نام ہی اُس کا تعارف تھا اُس نے اماں موتیا سے بطور خاص کہہ دیا تھا۔

''اماں تو میرے بڑوں کو جانتی ہے ہم صرف گانے بجانے اور ناچنے والے لوگ ہیں۔ خبردار اگر کسی خانگی (پیشہ ور عورت) کو کوئی کمرہ کرایے پر دیا۔''

''دارو بیٹی! میں بھی کوئی گئی گزری عورت نہیں شمیم موتیا کی بیٹی ہوں۔ مرتی مر جاؤں گی لیکن اپنے دامن کو کوئی گندہ داغ نہیں لگنے دوں گی''..... اُس کے لہجے نے یقین دلا دیا کہ اماں ٹھیک کہہ رہی ہے۔

مکان تین منزلہ تھا۔ پہلی منزل مکمل دارو نے اپنے قبضے میں رکھی۔ جہاں اماں موتیا اور بندے خان نے ڈیرے ڈال لئے۔ رات کو اماں موتیا انارکلی والے گھر میں چلی آتی پانچ جماعتیں بلقیس نے لدھیانے میں پڑھی تھیں

یہاں دارو نے اُسے انارکلی کے نزدیک عیسائیوں کے گرجے والے سکول میں داخل کروا دیا اُس نے مستقبل کی کچھ اور ہی منصوبہ بندی کی ہوئی تھی۔ صبح مبارک تانگے والا بلقیس کو سکول لے جاتا۔ دوپہر چھٹی ہونے پر گھر لے آتا جہاں ماں بیٹی کھانا کھا کر اپنے ڈیرے پر چلی جاتیں جہاں اُن کا خاندانی اُستاد بندے خان اُس کی ''تعلیم'' کرتا۔ قدرت نے بچی کو سریلا گلا اور غضب کے پاؤں دیئے تھے۔ رقص اور گانا ایک ساتھ سیکھ رہی تھی اور حیرت کی بات یہ تھی کہ اُس کا شمار اپنی جماعت کے ذہین بچوں میں ہوتا تھا۔ شادی کے پندرہ بیس روز بعد حاجی صدیق اُسے ملنے آیا تو بچوں کی طرح رو رہا تھا دارو نے اُسے حوصلہ دیا اور ساتھ ہی التجا کی کہ وہ اسے ''آزاد'' کر دے۔

حاجی صدیق نے سناٹے میں آ گیا لیکن دارو نے اُسے بہرصورت اس بات پر راضی کر لیا۔ دارو نے خود سے عہد کیا تھا کہ زندگی میں اُس کے بعد کسی کو خاوند کا درجہ نہیں دے گی۔ بادل نخواستہ حاجی صدیق کو یہ فرمائش پوری کرنی پڑی لیکن اُس نے دارو سے یہ وعدہ لیا کہ وہ اُس کی طرف سے وقتاً فوقتاً ملنے والی ''امدادی رقم'' سے کبھی انکار نہ کرے گی۔ یہاں کوئی لکھت پڑھت کی ضرورت تو تھی نہیں۔ حاجی صدیق نے روتے ہوئے اُسے گلے لگایا اور تین مرتبہ ''طلاق'' کہہ کر بندھن سے آزاد کر دیا۔

''حاجی صاحب! یہ کنیز کل بھی آپ کی باندی تھی۔ آج بھی ہے اور مرتے دم تک رہے گی۔ آپ کی ایک امانت میری کوکھ میں پل رہی ہے۔ یقین کیجئے اُسے کبھی اس ماحول کی ہوا بھی نہیں لگے گی۔ وہ بہترین زندگی جیئے گی۔ یہی میرا آپ سے وعدہ ہے'' بالآخر نادرہ پروین نے وہ اعصابی دھماکہ بھی کر دیا جس کا حاجی صدیق کو گمان بھی نہیں تھا۔

''خدا کے لئے نادرہ اُسے جنم دے کر میرے حوالے کر دینا۔ ورنہ میں مر جاؤں گا۔'' حاجی صدیق کی اس درخواست نے دارو برچھی کو لرزا کر رکھ دیا۔ اُس کے محبوب نے اُسے زندگی کے سب سے مشکل امتحان میں ڈال دیا۔ کسی ماں کے لئے ایسا کب ممکن تھا لیکن نجانے کسی طاقت نے اُس کے منہ سے کہلوا دیا۔

''ٹھیک ہے حاجی صدیق صاحب اگر آپ اس طرح خوش ہوتے ہیں تو یہ کنیز جیتے جی مرنا قبول کر کے آپ کا یہ حکم بھی پورا کر دے گی''..... اُس کا گلا رندھ گیا۔

حاجی صدیق چلا گیا۔ دوبارہ لوٹ کر نہیں آیا۔ شاید قدرت نے اُسے اب تک اسی فرض کی ادائیگی کے لئے زندہ رکھا تھا۔ اس نے اپنے گھر اور فیکٹری کا فون نمبر نادرہ کو دے دیا تھا اور اُس سے وعدہ لیا تھا کہ کسی بھی ضرورت پر اُسے ضرور یاد کرے گی۔ نادرہ پروین نے یہ وعدہ بھی کر لیا۔ لیکن کسی وعدے کو ایفا کرنے کی نوبت ہی نہ آئی۔ اس ملاقات کے بمشکل چھ ماہ بعد تک حاجی صدیق جی پایا۔ اللہ جانے اُس نے کب کینسر کا روگ پال لیا تھا وہ بھی ''بون میرو'' کا کینسر۔ ناقابل علاج۔ بیماری کا انکشاف ہونے کے بعد جب بڑے حاجی صاحب اُسے لندن لے جانے کی تیاریاں کر رہے تھے حاجی میاں محمد صدیق نے زندگی ہار دی۔ اپنی بیماری کا انکشاف ہونے پر اُس نے ایک طویل خط نادرہ پروین کو لکھ کر پوسٹ کروا دیا تھا جو دارو برچھی نے مرتے دم تک

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اپنے سینے سے لگائے رکھا اس خط میں حاجی صدیق نے اپنی علالت کے باعث خود نہ آنے پر معافی مانگی تھی اور بتایا تھا کہ زندگی تیزی سے ریت کی طرح اُس کی مٹھی سے پھسل رہی ہے۔ یہ لاعلاج مرض ہے جس کی ہسٹری اُس کے خاندان میں موجود ہے۔ اب کسی بھی لمحے یہ ڈور کٹ جائے گی۔ اُس نے اپنی کسی بھی دانستہ یا نادانستہ غلطی پر معافی مانگنے کے بعد اللہ اور رسولؐ کے نام پر التجا کی تھی کہ دارو اُس کی ''سنتان'' (اولاد) کو کبھی اس بازار کی ہوا نہ لگنے دے۔

دارو نے یہ بات بھی مان لی۔!!

○

وقت پر لگا کر اُڑا۔ دارو برچھی اب نادرہ پروین بن چکی تھی۔ باپ کی وفات کے تین روز بعد اُس کے ہاں حاجی صدیق مرحوم کی بچی نے جنم لیا جس کا نام اُس نے اپنی نانی کے نام پر الماس رکھا۔ چندے آفتاب چندے ماہتاب اس بچی کی آمد نے اماں موتیا اور ڈیرے کے باقی لوگوں کے چہروں پر خوشیاں بکھیر دیں لیکن سب حیران رہ گئے جب نادرہ پروین نے کہا کہ الماس کو ڈیرے کی ہوا بھی نہیں لگنے دے گی اُس نے اپنا زیور فروخت کر کے شہر میں تین اور مکان خرید لیے تھے۔ اس پراپرٹی کو اس نے اپنی زندگی ہی میں بلقیس اور الماس کے نام بھی کر دیا تھا۔

بلقیس کی اُٹھان قیامت تھی۔ دنوں میں اس کا شباب دھوم مچانے لگا۔ غضب کا گاتی تھی اور اس سے زیادہ غضب کا ناچتی تھی۔ اس دوران اُس نے ایف۔ اے بھی امتیازی نمبروں سے پاس کر لیا تھا۔ اپنی روایات کے مطابق دو رات گئے کار پر ڈیرے پر آتی اور صبح اذان سے پہلے واپس اپنے گھر لوٹ جاتی۔ کبھی کبھی دارو اُس کے ساتھ ہوتی اور کبھی بندے خان جو اب ان کے گھر کا ایک فرد بن چکا تھا۔ دارو نے اس دوران حاجی صدیق کو نہیں بھلایا۔ چھوٹی بڑی عید اور محرم تین مرتبہ وہ سال میں الماس کو لے کر حاجی صدیق کی قبر پر جاتی ہر سال اُس کا ختم کرواتی لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ الماس سے حاجی صدیق کا رشتہ کیا ہے۔ دارو نے جو اب اسی شہر کی ایک معزز خاتون بھی بن چکی تھی۔ اسے اس قبر سے تعلق سمجھا دیا تھا۔

دارو برچھی نے کسی سیاسی گھرانے میں جنم تو نہیں لیا تھا لیکن سیاست کو اُس سے زیادہ شاید ہی کسی اور نے سمجھا ہو۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد وہ لٹیرے جنہوں نے بظاہر نوابوں، جاگیرداروں، ملکوں اور خانوں کے نقاب منہ پر باندھ رکھے تھے اور 1940ء کے بعد انگریزوں کی غلامی کی سند رکھتے ہوئے مسلم لیگ میں شمولیت اختیار کر لی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ پاکستان بن گیا تو کہیں کمی کمینوں کو عروج نہ مل جائے اور وہ منہ دیکھتے رہ جائیں۔ اپنی دولت کے بل بوتے پر مسلم لیگ کے اہم عہدے بھی اُن ہی کے ہاتھ آئے۔ پاکستان بنا تو خصوصاً پنجاب میں غدر مچ گیا۔ دولتانے، ٹوانے، ممدوٹ اور نون ایک دوسرے کو کتوں کی طرح نوچنے لگے۔ اقتدار کے ایوانوں میں جوتوں میں دال بٹنے لگی۔ آدھی سے زیادہ مہاجروں کی پراپرٹی پر یہ لوگ قابض ہو گئے تمام سرکاری محکمے انہوں نے ہتھیا لیے اور پاکستان کو حلوائی کی دکان بنا کر نانا جی کی فاتحہ شروع کروا دی۔

نادرہ پروین نے آنے والی زندگی کا پلان تیار کر لیا تھا۔ وہ ابتدا ہی میں مسلم لیگ سے وابستہ ہو گئی۔ ٹوانوں کے ایک بڑے جاگیردار نے اُس کے بھلے دن دیکھے تھے گو کہ آج بھی وہ بڑے بڑوں کو شرماتی تھی اور اس عمر میں بھی اُس کا حسن جوں کا توں برقرار تھا۔ ٹوانہ صاحب اُس پر عاشق ہو گئے اور انہوں نے نادرہ پروین کو نہ صرف لاہور کی امیر خواتین کی بنائی ایک انجمن میں عہدہ دلایا مسلم لیگ میں بھی وہ عہدے دار بن کر مہاجرین کی آبادکاری کے کام میں مصروف ہو گئی۔ خدا جانے اس میں انسانیت اور نیکی کے جراثیموں نے کب جنم لیا لیکن لوگ حیران ہوتے تھے کہ اس دور میں بھی لاکھوں کی لوٹ مار کے مواقع سے اُس نے کبھی فائدہ نہ اُٹھایا اور ہمیشہ خواتین کی بھلائی کے لئے سرگرم رہی۔ ہیرا منڈی کے شہد منھا چوک میں اُس نے مسلم لیگ کا دفتر کھول لیا جہاں ضرورت مندوں کی درخواستیں موصول ہونے پر اُن کے کاموں میں جت جاتی ان باتوں نے اُسے اپنی برادری میں بڑا ممتاز مقام دلایا لوگ یہ جان گئے کہ دارو برچھی کے ہاتھ بڑے لمبے ہیں اور سرکار دربار میں دور دور تک اُس کی رسائی ہے۔

ان ہی ایام میں وہ میاں کاٹھے سے ٹکرائی۔ جو ''فریب نظر'' کا ایڈیٹر اور مسلم لیگ کا لیڈر بھی تھا۔ میاں حنیف نقشبندی کا اخبار سرکاری حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کر رہا تھا اور وہ تحریک پاکستان کا مکمل اجارہ دار بن چکا تھا۔ پہلی ہی نظر میں اُس نے حنیف نقشبندی کو چاروں شانے چت کر دیا جو بلا کا ریشہ خطمی تھا۔ اس نے ''محترمہ نادرہ پروین'' کو دفتر آنے کی دعوت دی۔ اُس کا انٹرویو اپنے اخبار میں تصاویر کے ساتھ شائع کیا اور تحریک پاکستان میں اس کی لازوال قربانیوں سے قوم کو آگاہ کیا۔ جب یہ اخبار نادرہ پروین نے پڑھا تو وہ حیران رہ گئی کہ اُس نے اتنی ''عظیم قربانیاں'' قیام پاکستان اور استحکام پاکستان کے لئے دی ہیں۔ اس بات کا تو اُسے فوراً اندازہ ہو گیا کہ یہ سب دو نمبریے ہیں اگر لدھیانہ کے لچا بازار کی ایک معروف طوائف کو وہ عظیم قومی راہنماء بنا کر پیش کر سکتے ہیں تو اور کیا کیا ''کارنامے'' انہوں نے انجام نہ دیے ہوں گے۔ وہ اب باقاعدہ اس منافقانہ کھیل کا حصہ بن گئی۔

گورنر ہاؤس، چیف منسٹر ہاؤس کی کوئی ایسی تقریب نہیں تھی جہاں اُسے خصوصی طور پر مدعو نہ کیا جاتا ہو۔ دارو سے زیادہ ناز نخرے، رکھ دکھاؤ، ادب آداب پر کسے عبور حاصل تھا۔ ہر تقریب میں اُس کے تین چار عشاق پیدا ہو جاتے اب تو اس شہر کا قریباً ہر تیسرا چوتھا ''معزز شہری'' اُس کا عاشق تھا۔ ان میں میاں حنیف نقشبندی جیسے عظیم نظریاتی اخبار نویس سے لے کر نواز ٹوانہ جیسے سیاست دانوں تک اور علامہ شبیر حسین قادری جیسے علمائے کرام سے بیگم حق نواز دولتانہ تک شامل تھے۔

نادرہ بیگم ان سب کے عشق سے محظوظ ہو رہی تھی اُس نے ان عشاق کی مدد سے اپنی برادری کے چھوٹے اور کمزور لوگوں کے درجنوں مسائل حل کروا کر ان میں ایک ممتاز مقام حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے بینک بیلنس میں بے تحاشہ اضافہ کر لیا تھا۔ ماڈل ٹاؤن میں دو کنال کی ایک کوٹھی میں رہائش پذیر بیگم نادرہ پروین کا گھر ملازمین کی فوج سے بھر گیا تھا تین چار عورتیں مرد تو زبردستی اُس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کے بغیر تنخواہ والے خدمت گار بن گئے تھے۔ قریباً ہر دوسرے تیسرے ہفتے کی شام وہ میاں حنیف نقشبندی اور دیگر معززین کے ساتھ لاہور جم خانہ یا پھر پارک لگژری ہوٹل میں گزارتی۔ اماں موتیا کی صحت اب جواب دینے لگی تھی گو کہ دارو نے اُس کا علاج شہر کے بہترین ڈاکٹروں سے کروایا کیونکہ ڈیرے کی باقاعدہ انچارج وہی تھی لیکن قیام پاکستان کے بمشکل دس بارہ سال بعد ہی اماں موتیا اللہ کو پیاری ہوگئی۔ اس نے دارو کے مشکل دنوں میں اُس کا ساتھ دیا تھا اُس کی بیٹی بلقیس کی مکمل تربیت اور نگرانی کی تھی اُسے رقص کے ایسے ایسے ''نرت بھاؤ'' سکھائے تھے جو کسی عام ناچنے والی کے تصور میں بھی نہ آسکیں۔ اُس کی موجودگی میں دارو برچھی نے کبھی کسی بات کی کمی محسوس نہیں کی تھی۔ اماں موتیا نے مرنے سے پہلے دارو کو مستقبل کا سامان کر دیا تھا۔ دلشاد اور چاچی نسیم کی صورت میں اُسے دو ایسی قابل اعتبار عورتیں دے کر گئی تھی جن پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی تھی۔ اس دوران بلقیس نے بھی پر پرزے نکال لئے تھے۔ بازار والے اُسے ''بلقیس گھنگھرو'' کے نام سے جانتے تھے کیونکہ پہلی ہی ملاقات میں وہ اپنے چاہنے والوں کی ٹن ٹن کروا دیا کرتی تھی۔ ماں کی طرح اُس کے چاہنے والوں میں بھی اس شہر کے بڑے بڑے روسا و شرفا کے صاحبزادے شامل تھے لیکن کیا مجال جو بلقیس نے کبھی کسی کو ایک خاص حد سے آگے آنے کی اجازت دی ہو۔ وہ اب اپنی ماں کے ساتھ مخلوط سیاسی مجالس اور شہر میں وی آئی پی کی محافل میں شامل ہونے لگی تھی۔ یہ ایک طرح سے اُس کی سیاسی تربیت بھی تھی۔ میاں حنیف نقشبندی کو وہ ''انکل'' کہہ کر مخاطب کیا کرتی تھی جس نے اُس کی ماں کے تین چار انٹرویو شائع کرنے کے بعد اب اپنی معشوقہ کی صاحبزادی کو بھی پرنٹ میڈیا میں ''ان'' کروا دیا تھا۔

حنیف نقشبندی شادی شدہ تھا اس کے باوجود شہر کی ہر ڈھلتی عمر کی خوبصورت خاتون پر اپنا حق سمجھتا۔ گو کہ بیگم نادرہ پروین سے پہلے بھی تین چار بیگمات اُس کی ریشہ خطمی طبیعت پر حاوی تھیں لیکن نادرہ پروین نے تو گویا اُس پر جادو سا کر دیا تھا۔ آج کل تو وہ اُس کے معاملے میں بڑا سیریس ہو رہا تھا گو کہ حنیف نقشبندی کو لدھیانے کے دو تین تماش بین قسم کے پرانے مسلم لیگیوں نے اُس کی اصلیت بتا دی تھی لیکن اُس نے کبھی ان باتوں کی پرواہ نہیں کی تھی۔ اُسے علم تھا کہ اس ملک کے قریباً ہر دوسرے بڑے اور خاندانی آدمی کی دوسری یا تیسری بیوی کوئی دارو برچھی قسم کی طوائف ہی تھی جو پھر ''بیگم صاحبہ'' بن کر معززین شہر کی لسٹ میں شامل ہو جاتی تھی۔

اس روز تو نادرہ پروین حیران ہی رہ گئی جب میاں حنیف نقشبندی نے اُسے باقاعدہ شادی کی آفر کر دی۔ ان دنوں نادرہ پروین پچاس کا ہندسہ عبور کر رہی تھی یہ الگ بات کہ آج بھی اس کے حسن کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا اور وہ پینتیس سال سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔ دارو برچھی تو دنگ رہ گئی۔ کائیاں عورت تھی اُسے براہ راست ''ناں'' کہہ کر اُس نے اپنے لئے کوئی نیا عذاب کھڑا کرنے کے بجائے میاں حنیف نقشبندی پر دوسرے داؤ آزمانے شروع کئے اُسے ''ہاں'' کہہ کر ''مناسب وقت'' کی درخواست کر کے فی الوقت اُس سے جان چھڑا لی لیکن

ندیم

میاں حنیف جیسا لیجر بندہ اُس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ جس روز میاں حنیف نقشبندی مالک و مدیر اعلیٰ روزنامہ ''فریب نظر'' کا پٹاخہ پھٹا اُس سے دو روز پہلے اُس نے دارو برچھی سے آخری ملاقات کی اور اُسے دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے میاں صاحب کی خواہش پوری نہ کی تو وہ خودکشی کر لیں گے۔ نادرہ پروین کو میاں حنیف نقشبندی کی موت کی خبر ملی تو اُس نے فوراً دو نفل شکرانے کے ادا کئے اور سوگوار چہرے کے ساتھ اُس کے گھر پہنچ گئی۔ اس ''عظیم سانحے'' پر ''روزنامہ فریب نظر'' کے مطابق ساری قوم سوگوار تھی لیکن اس کا عملی مظاہرہ لاہور شہر میں سب سے بڑھ چڑھ کر بیگم نادرہ پروین نے کیا جس نے یکے بعد دیگرے تین چار تعزیتی اجلاسوں کی صدارت کی، دو تین جگہ ختم قرآن مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کے لئے کروا دیا اور مرحوم کے نام پر عورتوں کے لئے الگ ''ووکیشنل سنٹر'' کے قیام کا اعلان کر دیا جہاں بیوہ اور بے یارو مددگار خواتین کو تربیت دے کر معاشرے کے کامیاب فرد بنانے کا اعلان ہوا۔ بیگم نادرہ پروین کے اس عظیم منصوبے کو جو ملک کے عظیم ترین صحافی میاں محمد حنیف کا ٹھا نقشبندی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لئے بنایا گیا تھا ''روزنامہ فریب نظر'' نے خود بڑی شہرت دی۔ بیگم صاحبہ اور ان کی صاحبزادی محترمہ بلقیس خانم صاحبہ کو جو اس منصوبے میں ماں کے ساتھ شامل تھیں اپنی سرخیوں کی زینت بنایا اور قوم سے اس میں بڑھ چڑھ کر چندہ دینے کی اپیل کی۔ ''کاٹھا ووکیشنل سنٹر'' کی آڑ میں نادرہ پروین نے اپنی نوجوان پر جوش اور خواتین کی فلاح و بہبود کے لئے سرگرم عمل صاحبزادی بلقیس کی اس کھیل میں باقاعدہ انٹری کروا دی تھی۔

''فریب نظر'' کا ایڈیٹر اب میاں شریف کاٹھا بن چکا تھا۔ دو تین ملاقاتوں ہی میں نادرہ پروین نے اندازہ لگا لیا کہ یہ نرا گاؤدی ہے اور حادثاتی طور پر اس اخبار کا ایڈیٹر بن گیا ہے گو کہ وہ دو سال باہر رہا تھا لیکن پرلے درجے کا احمق۔ وہ خود کو ابھی سے پاکستان کا ماما سمجھنے لگا تھا۔ نادرہ پروین نے جلد ہی اُسے اپنے جال میں پھنسا لیا اُس نے اندازہ لگایا کہ بظاہر چہرے پر سنجیدگی طاری رکھنے والا میاں کاٹھا دراصل کاٹھ کا اُلو ہے جسے ذرا سی ہوشیاری کے ساتھ کسی بھی لائن پر لگایا جا سکتا ہے۔ اُس نے شہر کی مرکزی شاہراہ پر ایک قریباً چالیس کنال کا خالی پلاٹ دیکھا تھا جس پر اُس کی شروع ہی سے رال ٹپک رہی تھی اور اب میاں شریف کاٹھا شکل میں اس پلاٹ تک رسائی کا بہترین ذریعہ اُس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

اُس روز وہ یہی پلاننگ بنا کر میاں کاٹھا کے دفتر اپنی بیٹی کے ساتھ گئی تھی۔ اشرف لنگڑے کی انہیں دیکھتے ہی بتیسی باہر آگئی اور وہ دونوں کو جھک جھک کر سلام کرنے لگا۔ نادرہ بیگم نے موقعہ دیکھتے ہی سو سو کے دو نوٹ اُس کی مٹھی میں تھما کر اُس کی اوقات پوری کر دی۔ وہ ایسے جانوروں کو اسی طرح قابو میں رکھا کرتی تھی۔ ماں بیٹی آفس میں داخل ہوئیں تو بظاہر بے پناہ متکبر اور اپنے ملازمین کو بات بات پر بے عزت کرنے والے میاں شریف کاٹھے کے چودہ طبق روشن ہو گئے وہ فوراً اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور تب تک نہیں بیٹھا جب تک دونوں ماں بیٹی اپنی سیٹوں پر نہ بیٹھ گئیں۔ اس کے ساتھ ہی اُس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

نے گھنٹی بجا کر اشرف لنگڑے کو اندر طلب کیا۔

"بھئی مہمانوں کے لئے چائے کے ساتھ کچھ سنیکس وغیرہ لاؤ اور جب تک میں فارغ نہ ہو جاؤں کسی ملاقاتی کا کارڈ مجھے نہ دینا۔ آپریٹر سے کہو کوئی کال نہ ملائے۔"

"جی سر! جی سر"۔ اشرف لنگڑے نے چابی والے کھلونے کی طرح تکرار کے ساتھ اپنا سر بھی ہلایا اور باہر آ گیا۔

"کاٹھا صاحب! آپ خوامخواہ تکلف کرتے ہیں۔ ہم اس قابل کہاں۔ ہمارے لئے تو آپ جیسے عظیم صحافیوں کو مل لینا ہی بہت معنی رکھتا ہے۔"... نادرہ بیگم نے اس کی انانیت کے غبارے میں ہوا بھری اور کاٹھا صاحب کی گردن مزید تن گئی۔

"نہیں نہیں آپ بھی ماشاءاللہ بہت خدمت کر رہی ہیں۔ وہ آپ کا ووکیشنل سنٹر والا منصوبہ کہاں تک پہنچا؟"..... کاٹھے نے دانت نکالے۔

"جی اللہ نے بڑا ہی کرم کیا ہے۔ میں نے اپنا نارکلی والا گھر اس کے لئے وقف کر دیا ہے اب ہم بس مشینیں حاصل کر رہے ہیں۔ دو انسٹرکٹر بھی رکھ لی ہیں"... نادرہ بیگم نے پگھلتے لوہے پر زوردار ہتھوڑا مارا۔

"او جی آپ کیوں اپنا مکان وقف کریں۔ یہ سرکاری پلاٹ کیا صرف ان لوگوں کی لوٹ مار کے لئے رکھے ہیں۔ اور مشینیں بھی کیوں نہ آئیں میں آج ہی اپنے رپورٹر کی ڈیوٹی لگاتا ہوں کل شام تک مشین بنانے والے دو تین داروں سے آپ کو بیس پچیس مشینیں اکٹھی کر کے دیتے ہیں۔ کہاں ہے آپ اکیلی ہی سب کچھ کیوں کریں۔ ہمارا بھی کچھ فرض بنتا ہے"... کاٹھا صاحب جوش میں آ رہے تھے۔

"یہ آپ نے بھی کہی کاٹھا صاحب واقعی خالی پلانوں کی تو ان لوگوں نے نوٹ سیل لگا رکھی ہے۔ دراصل آج میں اسی سلسلے میں حاضر ہوئی تھی"... اس سے مناسب موقعہ اُسے اور کب ملتا۔

"جی جی فرمائیے"... کاٹھا اس پر ذبح ہو رہا تھا۔

"وہ دراصل نقشبندی صاحب مرحوم اور میں نے اُن کی زندگی کے آخری دنوں میں تحریک تعمیر پاکستان کے نام سے ایک ادارہ بنانے کی پلاننگ کی تھی۔ آپ دیکھتے ناں کاٹھا صاحب نوجوان نسل تو اپنے بزرگوں کی قربانیاں بھولتی جا رہی ہے۔ کسی کو پروا ہی نہیں۔ مرحوم چاہتے تھے اس ادارے میں باقاعدہ ایک بڑا کتب خانہ ہو جہاں تحریک کا سارا ریکارڈ رکھا جائے تاکہ نوجوان نسل اس سے بھرپور استفادہ کرے۔ یہاں مذاکرے اور مباحثے کروا کر نوجوانوں کو نظریہ پاکستان کا درس دیا جائے اور خصوصاً قوم کی بچیوں کی ذہنی اور نظریاتی تربیت کی جائے"....

نادرہ پروین نے بات مکمل کی اس دوران وہ کاٹھا صاحب کے چہرے کے بدلتے تاثرات کا جائزہ لیتی رہی اس سے پہلے کہ کاٹھا صاحب اگلی بات کریں۔ بلقیس گھنٹی بھی ماں کی مدد کے لئے میدان میں کود پڑی۔

"دیکھئے ناں انکل آج کی لڑکیاں ہی کل کی مائیں بنیں گی۔ انہوں نے ہی نوجوان نسل کی تربیت کرنی ہے۔ اگر ماں کی نظریاتی تربیت ہو چکی ہو تو وہ اپنے بچوں کو بھی وہی کچھ سکھائے گی"....

"بھئی واہ بہت ماشاءاللہ سمجھدار بیٹی ہے آپ کی۔ کمال کی بات کی ہے...." کاٹھا صاحب نے باچھیں کھلائیں۔

"کاٹھا صاحب سب آپ کی مہربانی سے ہے۔ آپ تو ہماری فیملی کے ہی نہیں سارے پاکستان کے ہیرو ہیں۔ بلقیس خانم کو صحافت میں آنے کا بہت شوق ہے۔ ادھر اُدھر لکھتی ہے۔ گریجوایشن کر رہی ہے۔ میں نے کہا ہے بیٹی پہلے تعلیم مکمل کرو پھر آگے چلیں گے"..... نادرہ پروین نے ایک تیر سے دو شکار کھیلنے چاہے۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں..... بھئی "فریب نظر" آپ کا اخبار ہے۔ آپ تو ایک طرح سے ہمارے فیملی ممبر ہیں۔ جب بیٹی کا جی چاہے ادھر چلی آئے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سب کچھ سیکھ جائے گی"... کاٹھا صاحب نے منہ میں آئے پانی کو واپس حلق میں ڈالا۔

اس دوران اشرف لنگڑا ایک چپراسی کی مدد سے چائے کے لوازمات اور برتن اندر لے آیا تھا اور اُن کے سامنے سجانے اور رکھنے کے بعد اُلٹے قدموں واپس چلا گیا۔ اُس کے حساس کانوں نے آخری فقرہ سن لیا تھا اب اُسے اس "کھیل" کا حصہ بن کر اپنا بخرہ وصول کرنا تھا۔

کاٹھا صاحب اور بیگم نادرہ پروین کی میٹنگ قریباً ڈیڑھ گھنٹہ چلی۔ اس دوران باہر موجود انتہائی ضروری اور اہم معاملات پر گفتگو کرنے والے ملاقاتی مسلسل کاٹھا صاحب کی جان کو روتے رہے جو کسی بھی عورت کے آنے پر اُن سے یہی سلوک کرتا تھا۔

"اشرف صاحب کافی لیٹ ہو رہی ہے صاحب کو بتا دیں"... پہلی ڈاک کے انچارج نے بڑی ہمت سے کہا۔

"سر جی! فضول بات نہیں کرتے۔ صاحب کا حکم ہے کہ مہمانوں کی موجودگی میں کوئی اندر نہ آئے۔ میں اُن کا ملازم ہوں آپ کا نہیں"۔ اشرف لنگڑے کی دھمکی نے کافی انچارج کو ٹھنڈا کر دیا۔ میٹنگ کے خاتمے پر بیگم نادرہ پروین نے کاٹھا صاحب کو اس بات پر راضی کر لیا تھا کہ وہ مرکزی شاہراہ پر موجود 40 کنال کا پلاٹ تحریک تعمیر پاکستان ٹرسٹ کے لئے مسلم لیگ کی حکومت سے حاصل کریں اور کاٹھا صاحب اس شرط پر راضی ہوئے تھے کہ بیگم نادرہ پروین ٹرسٹ کے شعبہ خواتین کو سنبھالیں گی اور اُن کا مکمل ساتھ دیں گی۔ اُن کی مسلسل بضد ہونے پر بیگم صاحبہ نے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نجات

اردو صحافت کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی

اس کہانی کے کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں

اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الزمہ ہے

طارق اسمٰعیل ساگر

قسط نمبر 3

شکر گڑھ کا بچہ بچہ چوہدری گلزار کھٹانہ کی حرامکاریوں سے بخوبی آگاہ تھا الیکشن تو وہ شکر گڑھ سے لڑتا تھا لیکن اس کی رہائش لاہور کی ایک پوش آبادی میں تھی۔ جہاں زمانے بھر کی عیاشیاں فراہم کی گئی تھیں۔ گلزار کھٹانہ جو مقامی آبادی میں ''گاما چور'' کے نام سے جانا جاتا تھا اپنے باپ دادا سے یہ تربیت لے کر میدان سیاست میں اُترا تھا کہ انسان کی صرف دو کمزوریاں ہیں پیسہ اور جنس۔ اگر ان کو اُس کی توقعات کے مطابق پورا کر دیا جائے تو کم از کم اس ملک کا ہر دوسرا آدمی گدھا بننے کے لئے تیار ہے اور اُس نے یہ دونوں ہتھیار بڑی مہارت اور تیزی سے چلائے تھے جس کے عوض اُس کے باپ دادا کی جاگیر اُسے میسر تھی اور ہر ناجائز کام کرنے اور کروانے میں اُسے یدطولیٰ حاصل تھا۔

گامے چور کو اس حقیقت کا اچھی طرح ادراک و احساس تھا کہ شریف کاٹھا جو بظاہر اخبار کا مالک اور ایڈیٹر ہے دراصل اُس سے کئی گنا بڑی جوتھ ہے۔ سرکار دربار میں اُس کا ڈنکا بجتا تھا۔ خصوصاً مسلم لیگ حکومت اور پارٹی کے تمام بڑے بڑے چوہدری اُس کا حقہ گرم رکھتے تھے تاکہ اُن کا تمباکو بکتا رہے۔ وزیر اعلیٰ میاں چنوں پرلے درجے کا احمق اور قریباً فاتر العقل تمام عالم حالات میں شاید وہ کسی دفتر میں منشی نہ لگ سکتا لیکن یہاں وہ ملک کے سب سے بڑے صوبے کا ''میر منشی'' بنا ہوا تھا۔ پہلے وہ صوبے کا وزیر مال تھا جہاں اُس نے جی بھر کے ''مال پانی'' بنایا اور پارٹی کے اُن بڑوں کو بھی اچھی طرح منہ کالا کرنے کا موقعہ دیا جو اُسے وزارت اعلیٰ تک پہنچانے میں مددگار ہو سکتے تھے۔ میاں چنوں کی اپنی کمزوری عورت تھی جس کو اُس نے جی بھر کے اقتدار کی سیڑھیاں چڑھنے کے لئے استعمال کیا یہ اُس کا کمال فن تھا کہ اُسے اپنے ''قائدین'' کے ٹیسٹ (Taste) کا بخوبی علم تھا اور اُن کے ذوق کے مطابق اُن تک مال کی فراہمی میں اُس نے کبھی کوتاہی نہیں کی جس کے انعام میں ایک دن میاں چنوں صوبے کا وزیر اعلیٰ بن گیا۔

میاں چنوں کے بعد اس کھیل کا سب سے شاطر کھلاڑی گاما چور تھا۔ جو طویل عرصے سے میاں چنوں کا قریبی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ساتھی بلکہ دست راست بھی بنا ہوا تھا۔ دونوں کے شوق چونکہ آپس میں بہت ملتے تھے اس لئے دونوں گہرے دوست بھی تھے۔ میاں چنوں جب جوڑ توڑ کر کے ایکشن کے بعد وزیر اعلیٰ بنا تو اُس نے اپنی پرانی سیٹ اپنے پرانے ساتھی گامے چور کے لئے مختص کردی اور اب چوہدری گلزار کھٹانہ وزیر مال بنا ہوا تھا۔ اُس نے شاید ڈھنگ سے اپنا دفتر نہیں دیکھا تھا۔ صبح سے رات دیر گئے تک اُس کی سرکاری رہائش گاہ پر میلہ لگا رہتا۔ اب یہی اُس کا دفتر تھا۔ کبھی کبھی البتہ کارروائی ڈالنے کے لئے وہ آفس کا چکر بھی لگا لیتا۔ جہاں کا سٹاف سارا دن بیٹھا کھیاں مارتا اور اُسے دعائیں دیتا رہتا تھا کہ چوہدری صاحب نے انہیں فارغ بٹھایا ہوا ہے۔ البتہ گھر پر روزانہ لاکھوں کا جوڑ توڑ ہوتا رہتا۔ ہر ''سائل'' کو بخوبی علم تھا کہ کھٹانہ صاحب سے فائل پر دستخط کروانے کے لئے کس درمیانی ذریعے کو پائیدان بنانا ہے۔ ان میں مقامی خواتین ونگ کی صدر آپا شمیم اور محمود خان نمایاں تھے۔ دونوں کا تعلق کہاں سے تھا؟

سب اچھی طرح جانتے تھے لیکن اپنا کام نکلوانے کے لئے وہ گدھے کو بھی باپ بنانے پر تیار تھے۔

آج پانچ روز کے بعد کھٹانہ صاحب دفتر آئے تھے اور ابھی انہیں بیٹھے بمشکل دس منٹ ہوئے ہوں گے جب اُن کا پی۔ اے کمرے میں داخل ہوا جس کے منہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

''سر جی! وہ میاں شریف کاٹھا صاحب'' تشریف لا رہے ہیں''؟۔

اُس نے بڑے زوروں سے اپنے حلق میں پھنسی آواز باہر نکالی تھی۔

شریف کاٹھا کا نام سنتے ہی کھٹانہ کا موڈ آف ہو گیا۔

؟'' اوئے اوئے یہ منسٹر کا آفس ہے یا بھینسوں کا واڑہ۔ جس کا جی چاہے منہ اُٹھا کر چلا آئے۔ ناں تمہیں افسروں کی عزت نہیں کروانی آتی''۔

اُس نے قدرے غصے سے پی۔ اے کو مخاطب کیا جو پہلے ہی سہما ہوا تھا۔

'' سر جی! میرا کوئی قصور نہیں جی۔ میں نے تو میٹنگ کا بہانہ کیا تھا لیکن انہوں نے مجھے ڈانٹ پلا دی اور حکم دیا کہ آپ کو خبردار کروں باقی معاملات وہ خود دیکھ لیں گے۔''

'' ناں کیا دیکھ لے گا اوئے وہ..... اُس کی.....'' کھٹانہ کے منہ سے مغلظات کا طوفان برآمد ہو رہا تھا اور پی۔ اے کی حالت غیر ہو رہی تھی اُس نے شریف کاٹھا کو ایسی ایسی گالیوں سے نوازا جو اس سے پہلے کم از کم پی اے نے کبھی نہیں سنیں تھیں شاید یہ کھٹانہ کے علاقے کی مخصوص گالیاں تھیں۔

'' دفع ہو جا اب۔ میرا منہ کیا دیکھ رہا ہے''..... اُس نے آخر میں پی۔ اے کو بھی گالی دے کر کہا جو اگر دو تین منٹ مزید وہاں رُکتا تو شاید اپنے پاؤں پر کھڑے رہنے کے قابل نہ رہتا۔

'' اوہ چھڈو کھٹانہ صاحب۔ فیر کی ہویا'' سامنے بیٹھے محمود خان نے اُس کا موڈ نارمل کرنا چاہا۔

'' یار مودے۔ ویسے تو ہم بھی پورے کنجر ہیں لیکن اس جیسا..... میں نے آج تک نہ دیکھا نہ سنا''۔ اُس نے محمود کے سامنے شریف کاٹھے کی ماں بہن ایک کرتے ہوئے کہا۔

'' سر جی! آپ کی پارٹی کے اخبار کا مالک ہے''۔ محمود خان نے بے غیرتی سے دانت نکالے۔

کھٹانے نے پارٹی اور روزنامہ '' فریب نظر'' کو وہ

ندیم

مغلظات بکیں کہ محمود خان اُس کے ذخیرہ الفاظ کی داد دیے بغیر نہ رہا۔ اتنی گالیاں تو اُسے بھی یاد نہیں تھیں۔

'' کوئی نئی بیگار لے کر آجائے گا۔ ناجائز کام بھی دھونس اور غنڈہ گردی سے کرواتا ہے.....'' کھٹانہ مسلسل گالیاں بک رہا تھا۔

ابھی اُس کی بکواس جاری تھی کہ فون کی گھنٹی بجی۔

'' ہاں.. ..ہن کی ہویا.. .اُس نے غصے سے پوچھا اور دوسری طرف سے جواب سن کر فون زوردار آواز سے بند کر دیا۔

'' چل مودے تو کوٹھی پہنچ۔ اوہ کنجر آ گیا ای ..... میں'' بنز'' کے آناں'' .....اُس نے محمود خان سے کہا۔ جو اگلے ہی لمحے اُسے سلام کر کے کمرے سے نکل گیا اور تین چار منٹ کے بعد شریف کاٹھا اپنی مخصوص متکبرانہ شکل کے ساتھ اندر داخل ہوا جسے دیکھتے ہی کھٹانہ احتراماً کھڑا ہو گیا۔

'' بیٹھیں بیٹھیں کھٹانہ صاحب.....'' شریف کاٹھے نے بڑی بے نیازی دکھاتے ہوئے اُسے ہاتھ کے اشارے سے کہا

کھٹانہ کوئی پڑھا لکھا تو تھا نہیں۔ بمشکل دس بارہ جماعتیں ہی پاس کی تھیں۔ اُس نے زندگی کے تمام مسائل کا حل حرامکاری سے نکالنے کے علاوہ کچھ سیکھا ہی نہیں تھا۔ اپنے راستے کی رکاوٹوں کو ہٹانا اُس کے لئے دائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔ سارا شکر گڑھ جانتا تھا اُس کے دشمن کس طرح راتوں رات غائب ہوتے اور پھر اُن کی لاشیں دور دراز مقامات پر ''نامعلوم'' کے ٹوکن کے ساتھ ملا کرتی تھیں۔ پولیس والے کچھ عرصہ بعد کیس '' داخل دفتر'' کر دیا کرتے تھے۔ کھٹانہ کا اگرچہ جی چاہتا کہ اس متکبر شخص کا اپنے ہاتھوں ٹینٹوا دبا دے جس نے اُسے بھی جوتے کی نوک پر بھی نہیں رکھا تھا لیکن ایک بے نام سا خوف ہمیشہ اُس کے دامن گیر رہا وہ چاہتے ہوئے بھی شریف کاٹھا کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

'' کیا بات ہے کھٹانہ صاحب کچھ زیادہ سختی تو نہیں شروع کر دی۔ آپ کے خلاف بڑے شکایتی خطوط وصول ہو رہے ہیں۔'' شریف کاٹھا نے کھٹانہ پر پہلا نفسیاتی حملہ کیا۔

اور کھٹانہ چوکنا ہو گیا.....

'' وہ جی آپ کو علم ہی ہے۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے۔ جسے سدھارنے کی کوشش کرو وہ اخبار میں شکایت لے جاتا ہے۔ میڈیا بڑی پاور ہے جناب.. .''

کھٹانہ نے بے بسی سے دانت نکالے اور سمجھ گیا کہ کاٹھا کس '' واردات'' پر آیا ہے وہ اپنا کوئی کام کبھی درخواست کر کے نہیں بلکہ بلیک میلنگ کے ذریعے ہی نکالا کرتا تھا جس کے لئے سب سے بڑا ہتھیار اُس کا اخبار'' فریب نظر'' تھا۔

وہ تو بڑے میاں صاحب کی دوستی کی وجہ سے ہم نظر انداز کرتے ہیں ورنہ جس طرح آپ کے خلاف شکایات کے انبار لگ رہے ہیں اُس کا شاید آپ کو کچھ اندازہ بھی نہیں ہوگا۔''

شریف کاٹھا نے اُس کے دل پر گھونسا مارا۔

'' کاٹھا صاحب یہاں کس کس کو خوش کریں آپ نہ جانتے ہیں یہ لوگ بڑی بڑی سفارشیں لے آتے ہیں۔ جس کو پکڑیں وہ کوئی بڑا مگرمچھ نکلتا ہے۔ فائل آگے جانے ہی نہیں دیتا۔ میں تو بہت مجبور ہو گیا ہوں کاٹھ صاحب کئی مرتبہ میاں صاحب سے کہا ہے کہ میرکز وزارت تبدیل کر دیں۔''

کھٹانہ نے بظاہر بڑا مضبوط موقف اپنایا لیکن اُلٹا جواب

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ندیم

ملا۔

''کچھ خدا کا خوف کریں۔ آپ قائداعظم کی مسلم لیگ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ایسے واقعات جب عوام تک پہنچیں گے تو اُن کا ردِعمل آپ کے لئے کیا ہوگا''۔۔

شریف کاٹھا نے منافقت بھری زہریلی گفتگو کی تلوار سے کھٹانہ کو کاٹنا شروع کیا۔

''کاٹھا صاحب آپ جانتے ہیں کہ ورکرز پر.....'' کھٹانہ کی ادھوری بات کو بڑے گستاخانہ انداز میں کاٹھا نے کاٹ دیا۔

''یہ تو آپ لوگوں کا پرانا طریقہ واردات ہے آپ اپنے سارے گناہوں کا ملبہ ورکرز پر ڈال کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ دوسری طرف اندھے اور گونگے لوگ موجود ہیں جو صرف آپ کی ہاں میں ہاں ملائیں گے۔ کھٹانہ صاحب عقل کے ناخن لیں چلئے ٹھیک ہے آپ کا اگر اس کے بغیر کاروبارِ سیاست نہیں چلتا تو کچھ اچھے کام کر کے معاملا برابر ہی کرلیا کریں''..... شریف کاٹھا اپنے مطلب کی بات پر آ گیا۔

''حکم کریں کاٹھا صاحب''۔

''آپ کے پی اے کو فائل تیار کر کے دے دی ہے۔ میرے مرحوم بھائی کی سابق چیف منسٹر مرحوم کالا خان سے یہ بات طے پا گئی تھی کہ چالیس کنال قطعہ اراضی جو پھمن روڈ پر موجود ہے پر شہدائے آزادی کارکنان تحریک پاکستان کی یاد میں ایک شاندار میوزیم بنایا جائے گا جہاں تحریک پاکستان کا سارا ریکارڈ بھی محفوظ ہوگا۔ افسوس دونوں کی زندگی نے وفا نہ کی۔ اب ہمارا فرض ہے کہ اس منصوبے کو پایہ تکمیل پہنچا کر اُن کی روحوں کو تسکین دیں اور آنے والی نسلوں کے لئے یادگار چھوڑ جائیں'' شریف کاٹھا نے اس کے ادسان پر تھوڑا برسایا۔

کھٹانہ لرز کر رہ گیا کیونکہ اس پلاٹ پر تو خود اُس کی نظر تھی اور وہ اس سلسلے میں شہر کے دو بڑے پراپرٹی ڈیلروں سے ایڈوانس بھی پکڑ چکا تھا۔

'' کاٹھا صاحب میں تو حاضر ہوں لیکن.....'' اُس کی بات کاٹھا نے فوراً کاٹ دی۔

'' لیکن ویکن کو گولی ماریں جی.....'' شریف کاٹھا نے بڑی چالاکی سے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔'' جس نیک مقصد کے لئے آپ اس فائل پر دستخط کریں گے اس کے سامنے کوئی دلیل، حجت کچھ معنی نہیں رکھتی..... آپ آج شام تک دستخط کر کے فائل روانہ کریں۔ کل میں ڈنر پر چیف منسٹر صاحب سے مل رہا ہوں۔ باقی کام کروالوں گا..... اور ہاں! اپنے لوگوں کو لگام دیں۔ اس طرح اندھیر نگری نہ مچائیں کب تک ہم آپ کے خلاف آنے والے شکایتی خطوط ردی کی ٹوکری کی نذر کرتے رہیں گے..... اچھا میں چلتا ہوں..... خدا حافظ''۔

شریف کاٹھا نے بھرپور نفسیاتی حملہ کر کے کھٹانہ کو چاروں شانے چت کر دیا تھا۔ وہ بڑا کائیاں اور مکار آدمی تھا۔

ہکا بکا اُس کو جاتے دیکھتا رہا۔ اُسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ مزید سننے اور بولنے کی قوت ہی کھو چکا ہے۔ جب شریف کاٹھا دروازے سے باہر نکل گیا تو اُسے ہوش آیا کہ وہ کس بری طرح اس بلیک میلر کے ہاتھوں لٹ گیا ہے۔

وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔ اس نے حرامکاری کی ایسی ایسی مثالیں قائم کی تھیں جو شاید آنے والے کئی سالوں تک کوئی نہ توڑ سکتا۔ لیکن آج وہ بے بس کیچوے کی طرح زمین پر رینگ رہا تھا۔ اس کے لئے شریف کاٹھا کے حکم کی اطاعت لازم تھی۔ بصورت دیگر اُس کی وزارت سے کم از کم چھٹی ہو جاتی جس کے بعد کے حالات کا وہ تصور ہی نہیں کر سکتا تھا۔ اُس کی تحصیل کا ایس ایس پی ملک مانی کا بیٹا ملک الطاف اُسے کتے کی زندگی جینے پر مجبور کر دیتا۔ اُس نے بڑے بڑے رسہ گیروں کو زمین چٹا دی تھی اُس کے تین چار اہم ساتھیوں کو رگڑا دیا تھا لیکن اُس تک اُس کی رسائی اس لئے ممکن نہیں تھی کہ وہ منسٹر اور مسلم لیگی تھا لیکن اُس نے سارے گاؤں کے سامنے قسم کھائی تھی کہ ایک روز وہ کھٹانہ کو اُس کی حرامکاریوں کا مزا ضرور چکھائے گا۔

کھٹانہ کا ''سروائیول'' صرف اور صرف منسٹری میں تھا اور یہ منسٹری تب تک قائم تھی جب تک وہ شریف کاٹھا کی ''گڈ بکس'' میں شامل تھا اور شریف کاٹھا کسی قیمت پر چالیس کنال کے اس پلاٹ سے جس کی نشاندہی نادرہ بیگم نے کی تھی الگ نہیں ہو سکتا تھا۔ اُس کا جی چاہا کہ اپنا سر دیوار میں دے مارے۔ لیکن وہ ایسا صرف سوچ سکتا تھا۔ اُس نے سیاست عبادت سمجھ کر نہیں بزنس سمجھ کر اختیار کی تھی اُس کے باپ دادا انگریزوں کی غلامی کر کے سیاست کرتے آئے تھے اور وہ اُن کے بعد اُن ہی کی وراثت کو آگے بڑھا رہا تھا۔

اُس نے کاٹھا کے جانے کے بعد اپنے پی۔ اے کو گھنٹی دے کر اندر بلایا اُس کی خوامخواہ اچھی خاصی جھاڑ جھپٹ کی اور حاجی وحید کو آفس بلانے کی تاکید کرتے ہوئے تنبیہ کے انداز میں کہا کہ اگر حاجی صاحب کی موجودگی میں کوئی فون اُس کو سنایا یا کسی کو اندر آنے دیا تو وہ خود کو فارغ سمجھے۔ ڈھلتی عمر محرومیوں اور مجبوریوں کا مرقع بے چارہ پی۔ اے اپنی جان کو روتا اپنی سیٹ پر آ کر حاجی وحید کا نمبر ملانے لگا قریباً دس منٹ بعد ہانپا کانپتا شہر کا مشہور پراپرٹی ڈیلر حاجی وحید اُس کے سامنے موجود تھا۔

'' جی سرکار..... جی سرکار''..... اُس نے قریباً ہاتھ باندھتے ہوئے پوچھا۔

''حاجی یار ہمارے ساتھ بڑا ہاتھ ہو گیا.....'' اُس نے یہ کہتے ہوئے حاجی کو شریف کاٹھا کی واردات سے آگاہ کر دیا۔

حاجی بڑی پرانی جوتھ تھی..... وہ سمجھ گیا کہ کھٹانہ واقعی بہت مجبور ہے اور کاٹھا کے خلاف کچھ نہیں کر سکے گا ورنہ وہ کبھی اس طرح سرنڈر نہ کرتا۔ حاجی وحید نے اس شہر میں یونہی جھنڈے نہیں گاڑے تھے۔ اُسے یہاں کی ایک ایک انچ زمین کی خبر تھی اور اُس کے باپ نے اُسے ایک ہی سبق پڑھایا تھا جواب اُس کا تکیہ کلام بن چکا تھا۔

''سرکار! ایک در بند تو سو در کھلے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ بیعانہ اپنے پاس رکھیں ابھی حاجی وحید زندہ ہے۔ ٹھیک ہے کاٹھا اخبار کا مالک اور بڑا کھلاڑی ہے لیکن ہم بھی ایک آدھ ''ترپ چال'' اپنے ہاتھ میں ضرور رکھتے ہیں۔''

اُس نے مسکراتے ہوئے کھٹانہ کی طرف دیکھا تو کھٹانہ کی جان میں جان آئی۔'' وہ کیا.....؟ کھٹانہ نے بے چینی سے دریافت کیا۔

''سرکار آپ کے پچھواڑے میں مرحوم نواب صاحب کی قریباً ستر کنال اراضی موجود ہے۔ شریف کھٹانے کے بھانجے قیوم نے قریباً پانچ کنال پر قبضہ کیا ہوا ہے۔ پندرہ کنال کا ایک شاندار ٹوٹا نیازیوں کے قبضے میں ہے۔ بسوں کے اڈے شہر سے باہر جا رہے ہیں اور وہ اپنا کیس بھی ہار گئے ہیں۔ نیازیوں کے بندے نے بات کی تھی مجھ سے۔ یوں سمجھیں ڈیل ہو گئی۔ وہ تین کروڑ روپے میں قبضہ مجھے دینے کے لئے تیار ہے۔ سرکار! اول تو نواب صاحب کے والی وارث اول درجے کے نکمے اور نکھٹو ہیں۔ دونوں لڑکے شرابی اور جوا ریے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ں۔اُن کا منہ میں بند کرلوں گا۔بیگم بے چاری کا چل بلاؤ ہے اورلڑکیاں اپنے اپنے گھروں میں سکھی ہیں۔ لر پریس میں کسی نے مسئلہ اُٹھایا تو کاٹھا ہماری اخلاقی رد کے لئے مجبور ہوگا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ نواب صاحب کی زمین پر اُس کا بھانجا قیوم بھی قابض ہے۔کیسی رہی سرکار؟''۔اُس نے اپنی بات کے خاتمے پر فاتحانہ انداز میں کھٹانے کی طرف دیکھا۔

''واہ حاجی واہ .....اوئے ہم تو سمجھتے تھے کہ ہم سے بڑا حرامی اس شہر میں اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا..... مان گئے یار.....اوئے تو تو ہم سے بڑا کنجر ہے۔''.....

کھٹانے کی بات پر دونوں نے زوردار قہقہہ لگایا۔

حاجی وحید تو وہیں ''جشن فتح'' منانے پر تلا تھا لیکن کھٹانہ بڑا محتاط اور چالاک آدمی تھا اس نے صرف بیئر کی دو ٹھنڈی بوتلوں پر معاملہ ختم کیا اور اس آپریشن کی کامیابی کے بعد خصوصی محفل کا وعدہ کرلیا۔حاجی وہاں سے اُٹھ کر سیدھا نیازیوں کے ڈیرے پر پہنچا جہاں فقیر محمد اُس کا منتظر تھا۔راتوں رات رقم نیازیوں کے اکاؤنٹس میں منتقل ہوگئی اور دوسری رات قریباً پچاس راج مزدور نیازیوں کے ناجائز اڈے کی مضبوط چاردیواری تعمیر کررہے تھے۔ انہوں نے دو دنوں اور راتوں میں اونچی چار دیواری بنا کر اُس پر خاردار تاریں بھی لگادی تھیں۔اڈے کی ''انٹرنس'' پر لوہے کا ایک مضبوط گیٹ لگ گیا۔

حاجی وحید کے بندے پستولیں لے کر اندر موجود کمروں میں فروکش ہوگئے۔حاجی نے اگلے ہی روز مرحوم نواب صاحب کے صاحبزادوں سے نوٹوں کا بریف کیس بھر کر ملاقات کی تھی۔صاحبزادے جو اب قریباً حرام خور بن چکے تھے اپنی عیاشیوں میں مرحوم نواب صاحب کی خاندانی شرافت کو غرق کرچکے تھے۔اُن کی والدہ جو کبھی پائی پت کی خوبصورت ترین خاتون تھیں۔بیماریوں کے ہاتھوں زندہ درگور عبرت کی تصویر بن چکی تھیں۔جب تک نواب صاحب زندہ رہے کسی کو اس گھر کی طرف آنکھ بھر کے دیکھنے کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ مرحوم خود تحریک آزادی کے جانباز سپاہی تھے اور ہندوستان میں بڑے محلات اور جاگیریں چھوڑ کر آئے تھے۔ملک بنانے کی جدوجہد میں دن رات ایسے جتے کہ گھر بار کی خبر ہی نہ رہی۔جب تک زندہ رہے وہی آن بان شان قائم رہی۔آباؤ اجداد کی طرف سے اتنا سونا ہیرے جواہرات موجود تھے کہ ڈھنگ سے رہتے تو دو تین نسلیں آرام کی زندگی بسر کرتیں لیکن نالائق اولاد نے سب کچھ ایک ایک کرکے گنوادیا۔

بیگم صاحب کی جہاندیدہ نظریں دیکھ رہی تھیں کہ بچوں کو لاڈ پیار نے بگاڑ دیا ہے۔نواب صاحب سر پر نہیں رہے اور تینوں بیٹیاں سر کو آرہی تھیں۔انہوں نے سب سے پہلے انہیں ٹھکانے لگایا اور سال ڈیڑھ سال کے وقفے سے تینوں کو باعزت گھرانوں میں بیاہ دیا۔دونوں لڑکوں کو سدھارنے کی مقدور بھر کوشش کی لیکن وہ بگڑتے ہی چلے گئے۔امیر زادے تھے۔دولت کی ریل پیل اور گاڑیوں نے اُن کا دماغ شروع ہی سے خراب کیا ہوا تھا۔کم عمری سے عیاشیوں میں پڑ گئے۔آئے روز کوئی نہ کوئی بدتمیزی اُن کا شعار بن گئی۔خاندانی نوکروں کی نوجوان بیٹیوں کو اپنی کنیزیں سمجھنے لگے۔دو تین نے تو مرضی سے منہ کالا کروایا لیکن مالی بابا کی بیٹی اکڑ گئی اور بیگم صاحبہ کو ساری بات بتادی۔بے چاری سوائے بددعاؤں اور کچھ کہنے کرنے لائق کہاں رہی تھیں۔بات نکلی تو معلوم ہوا کہ باورچی کی بیٹی حاملہ ہے جبکہ اُس کی بہن حمل ضائع کرواچکی ہے۔

بیگم صاحب کو ایسا دھچکا لگا کہ بستر سے لگ گئیں۔معافی اور منت سماجت کے ساتھ اپنے ساتھ رہنے والے چاروں خاندانی نوکروں کو اپنی بساط سے بڑھ کر رقم کے ساتھ دُکھی دل سے خود سے الگ کیا اور درخواست گزار ہوئیں کہ اس شہر میں قیام نہ کرنا۔خاندانی نوکر روتے دھوتے پاؤں سے لپٹ کر معافیاں مانگتے گھر سے نکلے۔بیگم صاحبہ کا دل ایسا ٹوٹا کہ پھر کبھی نہ جڑ سکا۔ صاحب فراش تھیں تو دونوں لڑکوں نے نیازیوں کو زمین کرائے پر ایک خطیر رقم ایڈوانس لے کر دے دی تھی۔اس دوران قیوم کا ٹھا بھی اُن سے ٹکرا گیا جس نے اونے پونے پانچ چھ کنال ہتھیا لیے اور اب رہی سہی کسر حاجی وحید نے پوری کردی۔

☆☆☆

حاجی وحید کے بریف کیس میں پچاس لاکھ روپے کیش موجود تھے۔جسے دیکھ کر صاحبزادوں کی تو آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔بیگم صاحبہ اُن دنوں کسی پرائیویٹ ہسپتال میں زیرعلاج تھیں۔انہوں نے فوراً بریف کیس قابو کیا۔ حاجی وحید کے سامنے آدھی آدھی رقم بانٹ لی اور اُس کے بنائے تمام اسٹام پیپروں پر آنکھیں بند کرکے دستخط کرتے گئے۔حاجی وحید نے بطور خاص اُن کے شناختی کارڈ کی کاپیاں اور نشان انگوٹھا بھی ثبت کروالئے تھے اب وہ بظاہر قانونی طور پر جائیداد کا مالک تھا صرف بیگم صاحبہ کے دستخط باقی تھے جو اُسے اُمید تھی کہ اپنے بیٹوں کی یہ ''گستاخی'' کبھی برداشت نہ کرپائیں گی اور ایسا ہی ہوا۔

تین روز بعد وفادار ڈرائیور انہیں گھر واپس لایا جہاں بڑی صاحبزادی اپنے لالچی خاوند کے ساتھ جائیداد سے حصہ وصول کرنے پہلے سے بچوں سمیت براجمان تھی۔اس نے سب سے پہلے ماں کو اپنے بھائیوں کی ''تازہ واردات'' سے آگاہ کیا اور دھمکی آمیز لہجے میں کہا کہ اب وہ مزید زیادتی برداشت نہیں کرے گی کیونکہ اُس کے بھائی آہستہ آہستہ ساری جائیداد کھا جائیں گے اور اُن کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔اُسے ماں کی بیماری یا لاچاری

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

سے کچھ لینا دینا نہیں تھا اُسے تو بہر صورت جائیداد سے اپنا حصہ چاہیے تھا۔

اس روز زندگی میں شاید پہلی مرتبہ بیگم صاحبہ نے ڈرائیور کو نواب صاحب کی قبر پر لے جانے کا حکم دیا۔ گھنٹوں اپنے مرحوم خاوند کی قبر پر آنسو بہاتی رہیں" بس نواب صاحب۔ اب اور نہیں سہا جاتا۔ ہمیں بھی اپنے پاس بلا لیجئے۔ ہاتھ باندھ کر معافی مانگتے ہیں کہ آپ کی توقعات پر پورا نہ اُتر سکے۔ یقیناً ہماری غفلت نے بچوں کو بگاڑا ہوگا"۔۔۔۔

روئے جاتیں اور نواب صاحب سے باتیں کرتی رہیں۔ ڈرائیور کی داڑھی آنسوؤں سے بھیگ رہی تھی۔ منت سماجت کر کے گھر لے آیا۔ جہاں دونوں لڑکوں نے بدتمیزی شروع کر دی کہ وہ خاتون ہو کر قبرستان کیوں گئی تھیں۔ وہیں دفن کیوں نہ ہو گئیں۔" بس بیٹا! زیادہ بدتمیزی نہ کرو۔ بے فکر ہو جاؤ۔ اب ہم تم پر زیادہ دن بوجھ نہیں بنیں گے۔"

اس سے زیادہ بچوں کو کچھ نہ کہا۔ عشاء کی نماز کے لئے مصلے پر بیٹھیں تو رو رو کر اللہ سے دعا مانگی کہ اب مزید ذلت برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں۔ آزمائش کے لائق نہیں رہی انہیں نواب صاحب کے پاس ہی بلا لے۔ شاید وہ مقبولیت کی گھڑی تھی۔ تیسرے ہی روز فجر کی نماز کے بعد دل نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا اور بڑے سکون سے اپنی جان جان آفریں کو سونپ دی۔

کہرام مچ گیا، اخبارات نے بیگم صاحبہ کی موت کی خبر شائع کی تو سارا شہر جنازے پر اُمڈ آیا۔ نواب صاحب معمولی بندے تو تھے نہیں۔ تحریک آزادی کے مشہور لیڈر اور بے حد مخلص انسان تھے۔ لوگوں نے بڑے احترام سے بیگم صاحبہ کو رخصت کیا۔ بدتمیز بیٹوں نے بھی ٹسوے بہائے اور اگلے روز شاندار رسم قل ادا کرنے کے بعد اپنی بہنوں کو گالیاں دے کر گھر سے نکال دیا کہ اُن کی طرف سے جائیداد میں حصہ مانگنے کے مسلسل تقاضوں نے "اماں" کی جان لے لی۔

☆☆☆

اعظم خان اپنی مخصوص میز پر براجمان تھا۔ شہر کے فائیو سٹار ہوٹل میں یہ میز شاید اُس کے لئے ہمیشہ سے مخصوص رہی تھی۔ ہر روز رات دیر گئے تک یہاں بیٹھ کر اپنی "دکانداری" چلانا اُس کا معمول تھا۔ وہ پندرہ سال پہلے روزنامہ "فریب نظر" میں پروف ریڈر بھرتی ہوا تھا۔ بارھویں جماعت اُس نے چار سال میں پاس کی تھی اور کسی نہ کسی طرح اشرف لنگڑے تک رسائی حاصل کر کے اُس زمانے میں اُسے دو ہزار روپے رشوت دے کر وہ یہاں بھرتی ہوا تھا۔

اعظم خان لاہور کے ایک نواحی علاقے کے متوسط گھرانے کا فرزند تھا اور وہ یہاں واقعی بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح لاہور کو فتح کرنے کا عزم لے کر آیا تھا۔ اس کا آدھے سے زیادہ خاندان مزدوری اور بدمعاشی کرتا تھا یہی دو پیشے اُن کا مقدر تھے۔ مزدور وہ قسمت سے بنتے اور بدمعاشی شوق سے کرتے تھے۔

اعظم خان کو اخبار میں نوکری کا جنون اپنے علاقے کے نامہ نگار برکت خان کو دیکھ کر ہوا تھا جس کے پاس علاقے کا تھانیدار سلام کرنے آیا کرتا تھا اور تھانے کچہری میں اُس کی بات صرف اس لئے مانی جاتی تھی کہ وہ ایک بڑے اخبار کا نامہ نگار تھا جبکہ سارا قصبہ جانتا تھا کہ برکت خان ہیروئن فروش ہے۔ اشرف لنگڑے تک رسائی اُس نے اپنے ماموں کے ذریعے حاصل کی تھی جو لائل پور میں "گردواری" کرتا تھا اور اشرف لنگڑے کی ماں سے ایک زمانے میں اُس کے تعلقات رہے تھے۔

اعظم خان یہاں پروف ریڈر بننے کو آیا نہیں تھا۔ اُس نے برکت خان کو اپنا آئیڈیل بھی بنایا ہوا تھا اور اس کی طرح وہ راتوں رات امیر بننے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ پروف ریڈر سے سب ایڈیٹر تک کا سفر اُس نے صرف دو سال میں اشرف لنگڑے کی معاونت سے طے کیا تھا۔

اپنی تنخواہ سے مبلغ پانچ سو روپے اشرف لنگڑے کو پیش کرنا وہ کبھی نہ بھولتا تھا سارا دفتر جانتا تھا کہ اُس کے اشرف لنگڑے سے خصوصی تعلقات ہیں۔ اُس کی مدد سے اُس نے نیوز سیکشن سے رپورٹنگ میں چھلانگ لگائی آغاز میں اُسے جرنل رپورٹر بنایا گیا پھر محکمہ صحت کی "بیٹ" BEAT سونپی گئی اس کے بعد تعلیم پھر ریلوے اور پی آئی اے۔ اعظم خان نے ہر فیلڈ میں اپنے جھنڈے گاڑے۔ اس کا سیدھا اصول تھا کہ اللہ کے بعد زمین پر اُس کے ناخدا اس کا انچارج اور اشرف لنگڑا ہیں اور اُس نے دونوں کو کبھی ناراضگی کا موقعہ ہی نہیں دیا تھا۔ وہ جو بھی کماتا ایمانداری سے اُس کا 25 فی صد ان دونوں کی بھینٹ چڑھا دیتا۔ آہستہ آہستہ وہ اتنا طاقتور ہو گیا کہ اب انچارج کے لئے اُس نے صرف "عزت" کو شعار کر لیا۔ جبکہ اشرف لنگڑے کا لنگر چلائے رکھا۔ اس کی وجہ اُس کی شریف کاٹھا صاحب تک براہ راست رسائی تھی۔

شریف کاٹھا "فریب نظر" کا ایڈیٹر اور مالک تو بن گیا تھا لیکن اُس نے اپنی اوقات کبھی نہ بھلائی اندر سے وہ ہمیشہ ایک دیگیں پکانے والے کا بیٹا ہی بنا رہا۔ جس کا مشن ہر دیگ سے دو تین کڑچھیاں" چاول اور سالن اپنے "ولنو ہے" میں ڈال کر گھر سے لے جانا تھا۔ جہاں اُس کی حساس ناک کو تیار دیگوں کی خوشبو کا احساس ہوتا فوراً اپنا "کاسہ" لے کر وہاں پہنچ جاتا۔ وہ اپنے دفتر اور بادل نخواستہ بجلی گیس اور پانی کا بل ہی ادا کرتا تھا جو پہلے ہی متعلقہ محکمے اُسے قریباً نصف بھیجتے تھے باقی نصف کا خرچہ وہ خود اُٹھاتے تھے۔

"فریب نظر" کا ہر رپورٹر اس کا غلام تھا۔ اُن سے ناجائز کام نکلوانا وہ اپنا حق سمجھتا تھا۔ اپنے گھر کے راستے کو پختہ کروانے کی ذمہ داری اُس نے متعلقہ بیٹ کے رپورٹر کو سونپی ہوئی تھی۔ اس طرح باقی معاملات کے لئے وہ متعلقہ رپورٹر کو "ہدایات" جاری کرتا تھا۔

اعظم خان نے کمال ہوشیاری سے اُسے اس بات کا قائل کر لیا تھا کہ وہ ہر رپورٹر کو الگ الگ احکامات جاری کرنے کے بجائے اُسے اپنا "کار خاص" بنا کر سب احکامات اُسے ہی دیا کرے اور وہ باقی رپورٹرز سے خود کام نکلوایا کرے۔

یہ تجویز شریف کاٹھا کو بہت پسند آئی تھی۔ اسی طرح وہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اس الزام سے بھی بچا رہتا اور کام بھی پردے سے ہو جاتا۔ اب ایل ڈی اے سے پی آئی اے اور ہیلتھ سے ایجوکیشن تک کوئی بھی متعلقہ کام وہ براہ راست کسی رپورٹر یا چیف رپورٹر کو کہنے کے بجائے اعظم خان سے کہتا۔ جو اُسے توقعات سے بڑھ کر بہترین رزلٹ دیا کرتا تھا۔ اعظم خان نے اس طرح نہ صرف اپنے پاؤں اکٹوپس کی طرح ''فریب نظر'' پر گاڑ دیئے تھے بلکہ اپنے ساتھیوں پر بھی اُس کا رعب داب قائم ہو گیا تھا۔ اب چیف رپورٹر سے نیوز ایڈیٹر تک سب کو اس بات کا علم اور ادراک ہو گیا تھا کہ اصل میں وہ گدھے ہیں جبکہ دونوں عہدے دراصل اعظم خان کے پاس موجود ہیں۔ اس لئے وہ اعظم خان سے پنگا نہیں لیتے تھے اپنی شاندار خدمات کے عوض بالآخر ایک روز اعظم خان اپنے ٹارگٹ تک پہنچ گیا اور اب وہ ''فریب نظر'' کا ''کرائم رپورٹر'' بن چکا تھا۔ کرائم رپورٹر بننے کے کچھ دنوں بعد ہی اُسے احساس ہوا کہ دراصل اس شہر کا ایس ایس پی وہ ہے کیونکہ پولیس کے بڑے بڑے دھنتر خاں تھانیدار اُسے دفتر میں سلام کرنے آتے اور اپنے ''لائق خدمت'' دریافت کرتے جو ظاہر ہے اس بات کا ثبوت تھا کہ وہ کسی ایس پی کے نہیں بلکہ روزنامہ ''فریب نظر'' کے کرائم رپورٹر کے ماتحت ہیں۔ ان میں غایت تعداد اُن تھانیداروں کی تھی جن کے جوئے خانے چلتے تھے یا پھر جنہیں چکلوں سے ماہانہ وصول ہوتا تھا وہ اپنے افسران کے ساتھ تو اس ''ماہانہ'' کے ضمن میں کوئی ہیرا پھیری کر لیا کرتے تھے لیکن اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ''فریب نظر'' کے کرائم رپورٹر کا بخرہ اُسے نہ دیں۔

دو تین سال میں وہ اس شہر کا بے تاج بادشاہ بن گیا۔ ناجائز پلاٹوں کے قبضے، بیواؤں اور ناداروں کے پلاٹ ہڑپ کرنے والوں سے حصہ وصولی تھانے کچہری کے ناجائز کام اُس کے بزنس کا حصہ بن چکے تھے اُس نے اپنے شہر میں تو جھنڈے گاڑے ہی تھے لاہور میں بھی تین چار پلاٹوں اور ایک کوٹھی کا مالک بن چکا تھا ظاہر ہے اُس نے مالکان کو یہی بتایا تھا کہ یہ کوٹھی اُس نے گاؤں کا رقبہ فروخت کر کے بنائی ہے کیونکہ اُس کے والدین اور بھائی بھی اب لاہور آ چکے ہیں۔ گاؤں میں اُس کا رقبہ کتنا تھا؟ جن لوگوں کو اس سوال کا صحیح جواب معلوم تھا اُن کی حیثیت اس نقار خانے میں طوطی سے زیادہ ہرگز نہ تھی۔ شریف کاٹھیا کی خوشنودی چونکہ اُس کی زندگی کا اولین مقصد تھا جس کے لئے اُس نے شریف کاٹھیا کی رہائش گاہ کو لگنے والے تھانے سے بطور خاص ایک بہاہی کی مستقل ڈیوٹی اُن کی کوٹھی کے باہر لگوا دی تھی جب شریف کاٹھیا اپنی کار کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر اپنے گھر کے سامنے پہنچتا تو پولیس کا یہ سنتری اُسے ''ٹھا'' کر کے سلیوٹ مارتا۔ جس سے اُس کی پہلے سے تنی گردن میں ایک اور سریا فٹ ہو جاتا یہی عمل اُس کے کوٹھی سے برآمد ہونے پر دھرایا جاتا جس سے شریف کاٹھیا پر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ شہر میں معمولی سی گڑبڑ ہونے پر اعظم خان اُس کے لئے گارڈ کا بندوبست کرواتا دفتر سے گھر آنے اور جانے پر اُس کی گاڑی کے ساتھ ساتھ پولیس پٹرول چلتی جس سے شریف کاٹھیا خود کو صدر پاکستان سمجھنے لگتا اور اسی کیفیت میں دفتر پہنچ جاتا۔ ظاہر ہے ایسے شاندار لائق فائق کرائم رپورٹر کے خلاف وہ کسی کی شکایت کیوں سنتا؟ بلکہ وہ اعظم خان کی طرف سے کسی کے خلاف ہونے والی معمولی شکایت پر بھی سخت ایکشن لیتا تھا۔

اعظم خان کا طریق واردات تھا کہ شام کو خبریں فائل کرنے کے بعد وہ ایک فائیو سٹار ہوٹل کی لابی میں براجمان ہو جاتا باقی سارا کاروبار یہیں چلتا تھا یہیں اُسے خبریں مل جاتی تھیں اور رات دیر گئے وہ یہیں سے اپنے گھر چلا جاتا تھا۔

اُس روز وہ معمول کے مطابق اپنی بادشاہت جمائے بیٹھا تھا جب شیدا خرانٹ مسکراتا ہوا اُس کی طرف آیا۔ شیدا خرانٹ سرکاری محکمے میں کلرک کی جاب کرتا تھا لیکن اُس محکمے کے ڈائریکٹر سے زیادہ جائیداد کا مالک تھا جس کی یوں تو بہت سی وجوہات ہوں گی لیکن سب سے اہم وجہ اس کی اعظم خان سے دوستی تھی۔ اعظم خان سے اُس کی ملاقات پانچ چھ سال پہلے ہوئی تھی۔ دونوں کے درمیان یہ شریفانہ معاہدہ طے پایا تھا کہ جو بھی کیس شیدا خرانٹ لایا کرے گا اس کا 25 فی صد اعظم خان اُسے ادا کیا کرے گا اور اعظم خان کی کامیابی کا راز یہی تھا کہ اُس نے کبھی کسی کا حصہ بخرہ نہیں رکھا تھا۔ حرامکاری کے اس دھندے میں اُس نے ایمانداری کی بہترین مثال قائم کی تھی۔

''سنا بھئی شیدے آج تو بڑی باچھیں کھل رہی ہیں''؟ شیدے کے سامنے کرسی سنبھالنے پر اُس نے پوچھا۔

''خان صاحب سنو گے تو ناچنے لگو گے۔ یوں سمجھو پندرہ بیس لاکھ کی دیہاڑی لگ گئی۔''

شیدے خرانٹ نے اُس کی طرف جھک کر رازدارانہ انداز سے کہا۔

''اوئے جی اوئے شیدے۔ یہ ہوئی ناں بات۔'' اعظم خان نے اس پر تحسین برساتے ہوئے کہا۔ ''مسئلہ کیا ہے''؟

''خان صاحب آپ نواب نوشیروان مرحوم کو تو جانتے ہی ہوں گے'' شیدے نے استفہامیہ سے اُسے دیکھا۔

''اوئے وہی تحریک آزادی والا.....'' اُس نے گندی سی گالی دے کر پوچھا۔

''جی ہاں۔ وہی۔ جس کی بیوی تھوڑے دن پہلے فوت ہوئی ہے''..... شیدے نے بتایا۔

''یار کام کی بات کر کیا پہلیاں بجھوا رہا ہے۔'' اعظم خان سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔

''سر جی! چالیس کنال کا مالک تھا نواب صاحب۔ بیس کنال پر نیازیوں نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ مقدمہ چل رہا تھا بیگم صاحبہ کا۔ حکومت نے اڈے شہر سے نکالے ہیں تو حاجی چھرے نے نیازیوں سے گٹ مٹ کر کے راتوں رات زمین پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں نے ساری فائل دیکھی ہے۔ فوٹو سٹیٹ بھی کروالی ہے''..... اُس نے بائیں آنکھ دباتے ہوئے مکارانہ مسکراہٹ اُس کی طرف اُچھالی۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

''اوئے من گئے بھئی تجھے۔ یار شیدے تجھ سے بڑا کمینہ اس شہر میں کوئی اور نہیں ہوسکتا حالانکہ ہم بھی کسی سے کم نہیں۔ پر یار تیرا نمبر تو مجھ سے بھی آگے ہے۔''.....اس نے شیدے کے لئے رطب للسان ہوتے ہوئے کہا۔

شیدا خرانٹ ایل ڈی اے میں کلرک تھا اس کے دشمن پورا زور لگا چکے تھے کہ فائل برانچ سے اُس کا تبادلہ کروادیں لیکن اعظم خان اُن کے راستے کی دیوار بنا ہوا تھا کیونکہ شیدے کے ذریعے وہ شہر کے ہر پلاٹ کی فائل تک رسائی حاصل کرسکتا تھا۔ ان فائلوں میں چھپی کمزوریوں کو ہی وہ اپنی طاقت بنایا کرتا تھا اور ان کے ذریعے ہی وہ لمبے ہاتھ مارا کرتا تھا۔

''تو یہ بات ہے'' شیدے خرانٹ کی بات مکمل ہونے پر اُس نے مسکراتے ہوئے سرہلایا اور اپنے موبائل پر ایک نمبر ملانے لگا۔

''والیکم سلام ملک صاحب۔ ''نمبر ملنے پر اُس نے کہا اور کسی ملک صاحب سے ادھر اُدھر کی دو تین باتیں کرنے کے بعد اپنے مطلب پر آگیا۔

''ملک صاحب یہ نواب نوشیروان مرحوم کی زمین کا کیا چکر ہے''؟

اس سوال کا جواب دوسری طرف سے دو منٹ سے زیادہ طویل تھا جس کے درمیان اعظم خان ''اچھا جی''..... ہاں جی.....وغیرہ کہتا رہا۔

''اچھا ملک صاحب بہت شکریہ۔ وہ دراصل تحریک آزادی کے اتنے بڑے مجاہد کی بیگم فوت ہوئی ہیں ناں.....کاظما صاحب نے اُن پر فیچر لکھنے کو کہا تھا۔ میں نے کہا آپ سے زیادہ کس کو خبر ہوگی۔ اللہ سب کو بری اور نالائق اولاد سے بچائے..... اچھا جی..... اچھا جی .....اچھا جی خدا حافظ''.....

شیدے خرانٹ نے اندازہ لگالیا کہ اپنا مطلب ہونے پر اعظم خان جان چھڑا رہا ہے لیکن دوسری طرف سے فون بند ہی نہیں ہو رہا۔

''بڑے ہی فارغ لوگ ہیں یہ تحریک والے..... یار سے بات کرلو تو جان ہی نہیں چھوڑتے''.....اعظم نے تلخی سے کہا۔

''بس خان جی۔ رہ ہی کتنے گئے ہیں.....اپنا کام کریں.....''شیدے خرانٹ نے مسکراتے ہوئے کہا

''کبھی کبھی تو میرا جی چاہتا ہے ان سب کو اکٹھا کر بحری جہاز میں بٹھاؤں اور ''برمودا ٹرائی اینگل'' طرف روانہ کردوں''.....اعظم خان نے کہا۔

''چھڈو خان جی..... چلو ڈنر کرلیں''..... شیدے خرانٹ نے کہا۔

''یار ایک ''بکرے'' نے جان کھائی ہوئی ہے کئی دنوں سے۔ سالوں کے پاس حرام کا پیسہ آئے تو انہیں عجیب غریب خارش شروع ہوجاتی ہے۔'' اعظم خان ہوٹل کی گیلری کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

''کون ہیں یہ ذات شریف''.....شیدے خرانٹ۔ بائیں آنکھ دبائیں۔

''ہے ایک مولوی صاحب۔ کرپشن کے الزام میں معطل ہونے کے بعد سے صحافیوں کا ماما بنا ہوا ہے۔ یار شیدے کیسے بے غیرت لوگ ہوتے ہیں یہ۔ کروڑوں روپے حرام کا جمع کیا ہوا ہے کیا مجال جو اپنے کسی غریب رشتہ دار پر دس روپے بھی خرچ کریں لیکن ہم جیسے کسی رپورٹروں کے ڈنر پر ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لئے باؤلے ہوئے جاتے ہیں..... دو مہینے سے کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ لنچ یا ڈنر کرلیں.....ایسا بندہ تم نے کبھی نہیں دیکھا ہوگا شیدے''.....اعظم خان بولا۔

''ناں خان جی ناں..... یہ بات نہ کہیں۔ میں نے ایسے ایسے نمونے دیکھے ہیں کہ بس چپ ای بھلی اے''.....شیدے خرانٹ نے کہا۔

''لووہ آگیا.....''اعظم خان نے گیلری کے کونے سے نمودار ہوتے لطیف نقشبندی کی طرف اشارہ کیا۔ شیدا بڑی دلچسپی سے اُسے اپنی طرف آتے دیکھ رہا تھا۔ نقشبندی صاحب نے بوسکی کا سوٹ اور اُسی رنگ کی واسکٹ پہن رکھی تھی۔ داڑھی پر خدا جانے کون سا خضاب لگایا تھا کہ اُس کی چمک میں موصوف کا چہرہ بھی ڈھنگ سے دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

''بڑا شاندار بکرا ہے خان جی''.....شیدے نے فوراً کمنٹ دے دیا۔

نقشبندی نے اُنہیں دیکھ لیا تھا اور اب سیدھا اُن کی طرف آرہا تھا۔ اُس کے نزدیک آنے پر اعظم خان کو بادل نخواستہ اُسے گالیاں دیتے ہوئے کھڑا ہونا پڑا۔ نقشبندی ''السلام علیکم جناب خان صاحب'' کا نعرہ بلند کرتا اُس سے باقاعدہ بغل گیر ہوگیا تھا۔ خدا جانے اس نے کیسی خوشبو کی بوتل اپنے کپڑوں پر اُنڈیلی تھی جو سیدھی اعظم خان کے ناک میں گھس کر اُس کے دماغ سے ٹکرائی اور اب ناقابل برداشت ہورہی تھی۔ شیدے نے تو باقاعدہ منہ دوسری طرف کرکے لمبا سانس لیا تھا۔

''تشریف رکھیں مولانا''.....اُس نے لطیف نقشبندی سے زبردستی الگ ہوکر اُسے سامنے کرسی کی طرف اشارہ کیا اور وہ بے شرمی سے دانت نکالتا اُس پر بیٹھ گیا۔

''یہ ہمارے دوست ہیں چوہدری رشید انور صاحب۔ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ایل ڈی اے۔'' اس نے شیدے خرانٹ کا تعارف لطیف نقشبندی سے کروایا۔

''بڑی خوشی ہوئی۔ بڑی خوشی ہوئی''۔لطیف کی باچھیں کھل رہی تھیں۔

''شکریہ جی! ویسے آپ نے عطر بڑا زبردست لگایا ہوا ہے۔ کیوں خان صاحب''۔

شیدے خرانٹ نے اعظم خان کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''شکریہ جی شکریہ۔ انشاء اللہ کل دو شیشیاں خان صاحب کو پہنچ جائیں گی۔ ایک محترم اعظم خان صاحب کے لئے اور ایک آپ کے لئے۔ ہم تو دوستوں کی خدمت کرنے والے لوگ ہیں جناب۔ خان صاحب کی بہت مہربانی کہ انہوں نے ہماری دعوت قبول فرمالی۔''لطیف نقشبندی نے دانت نکالے۔

''میرے خیال سے کھانا کھالیں..... کیوں چوہدری صاحب''۔اعظم خان نے نقشبندی کی مزید گفتگو سے بچنے کے لئے کہا۔ وہ چوہدری رشید انور کی اصلیت جانتا تھا۔ سارا ایل ڈی اے کہتا تھا کہ وہ میراثی ہے۔ اُس کا والد گا بجا کر گھر بار چلایا کرتا تھا یہ تو شیدے خرانٹ کی خوش قسمتی تھی کہ رو دھو کر جب اُس نے الیف۔اے پاس کرلیا تو اُس کے والد کی منت سماجت پر بھٹی صاحب نے اُسے ایل ڈی اے میں اسسٹنٹ بھرتی کروادیا تھا جس کے بعد وہ چوہدری رشید انور بنا لیکن اس کی کسی نہ کسی حرکت سے اُس کی اصلیت بے نقاب ہو ہی جاتی تھی۔ اعظم خان جانتا تھا لطیف نقشبندی اگر کچھ دیر اور یہاں بیٹھا رہا تو شیدے پر میراثیت''شدت سے غالب آجائے گی۔

''ٹھیک ہے خان صاحب۔ جیسے آپ کا حکم، بھئی ہم تو

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

دوستوں کے تابعدار ہیں، نقشبندی مسکرایا۔

'' کچھ دیر بیٹھتے خان صاحب۔ ماشاء اللہ نقشبندی صاحب جیسے لوگوں کی صحبت قسمت سے ہی میسر آتی ہے'' شیدے کی مسکراہٹ نے اعظم خان کو چڑا دیا۔

'' چوہدری صاحب ضرور بیٹھیں گے لیکن میں نے خبر فائل کرنی ہے اور دوسری ڈاک کا وقت ہو رہا ہے۔ بے فکر رہیں نقشبندی صاحب اپنے ساتھ ہی ہیں۔'' اس نے شیدے خرانٹ کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھا۔

'' ہم تو دوستوں کے تابعدار ہیں خان صاحب''۔ نقشبندی نے گردن پھلائی۔ تینوں ڈائننگ ہال میں پہنچ چکے تھے۔ شیدے خرانٹ نے بطور خاص نوٹ کیا کہ نقشبندی ''بوفے'' پر ایسے ٹوٹا تھا جیسے کسی بارات کے کھانے پر مہمان حملہ آور ہوتے ہیں۔ کھانا کھاتے ہوئے اُس کے دونوں ہاتھ، منہ اور زبان ایک ساتھ چل رہے تھے اور اعظم خان اپنی قسمت کو کوس رہا تھا کہ اُس نے کس برے وقت میں اس کی دعوت قبول کر لی۔

کھانے کے اختتام پر نقشبندی انہیں زبردستی کار پارکنگ تک چھوڑنے آیا تھا۔ دفتر پہنچ کر اُس نے لوکل ایڈیشن کے لئے آخری سٹوری فائل کی اور گھر چلا گیا۔ رات دیر گئے تک وہ اگلے شکار کی پلاننگ کرتا رہا۔ اپنی دانست میں وہ بڑا لمبا ہاتھ مارنے جا رہا تھا۔ شہر کے وسط میں پندرہ کنال زمین کا فراڈ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

☆☆☆

اشرف لنگڑے سے زیادہ '' صاحب'' کی نفسیات کو اور کون سمجھ سکتا تھا۔ اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ شریف کاٹھیا نادرہ بیگم کے تیر نظر کا گھائل ہو چکا اُسے یہ بھی علم تھا کہ شریف کاٹھیا کے مرحوم بھائی جان بھی ان ہی محترمہ سے عشق فرما رہے تھے۔ پچاس اوپر کی نادرہ بیگم آج بھی کسی فلم کی ہیروئن سے کم دکھائی نہیں دیتی تھی۔ جانے کس چکی کا آٹا کھاتی تھی کمبخت کہ عمر ڈھلنے کے ساتھ ساتھ مزید جوان ہوتی جا رہی تھی۔ اشرف لنگڑا اپنے '' صاحب'' کے حلقہ خاص پر خصوصی نظر رکھتا تھا ان لوگوں سے وہ ہمیشہ دو آئی پی کا سلوک کرتا تھا۔ اُس کی صحبت اور نفرت کا پیمانہ ''صاحب'' کا رویہ تھا جسے صاحب پسند کرے وہ اُس کی پسند اور جسے صاحب ناپسند کرے وہ راندہ درگاہ۔ اشرف لنگڑے نے اُس روز یہ بھی جان لیا تھا کہ نادرہ بیگم کی بیٹی بلقیس ''صحافی'' بننا چاہتی ہے اس سے پہلے کہ وہ کسی میگزین انچارج کے ہتھے چڑھتی اشرف لنگڑے نے واردات ڈال دی۔ اُس نے حسب عادت لیڈی رپورٹر شمشہ خاتون سے عاجزی سے عرض کیا کہ اس کی بھانجی ''بلقیس چوہدری'' جو ایم اے اردو صحافت کر رہی ہے کہ نام سے ایک مضمون لکھ کر خواتین ایڈیشن میں شائع کر دے۔ شمشہ خاتون پورے دفتر کو جوتے کی نوک پر رکھتی تھی لیکن اشرف لنگڑے کے آگے اس کا بس نہیں چلتا تھا جس کے سامنے کئی مرتبہ اُس نے آفس آنے والی '' بیگمات'' سے تحائف وصول کئے تھے۔ شمشہ خاتون نے ڈاک میں آئے ایک مضمون کی دو تین آگے پیچھے کی سطریں بدلیں اور بلقیس چوہدری کے نام سے شائع کر دیا۔ شام گئے پہلی ڈاک کا کلر ایڈیشن لے کر اشرف لنگڑا اُسی رات نادرہ بیگم کے آستانے پر پہنچ گیا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

"یہ کتا کہاں سے آ گیا اس وقت"..... اشرف لنگڑے کی آمد کی اطلاع ملتے ہی بے ساختہ دارو کے منہ سے نکلا..... "بٹھاؤ کمرے میں۔ آتی ہوں میں۔"

پندرہ بیس منٹ تک جان بوجھ کر اشرف لنگڑے کو انتظار کروانے کے بعد دارو کمرے میں اس طرح داخل ہوئی جیسے اُس پر کوئی احسان کر رہی ہو۔

"ہاں بھئی اشرف کیا بات ہے خیریت تو ہے ناں"؟ اُس نے بڑے اجنبی سے لہجے میں پوچھا۔

"اسلام علیکم جی" اسلام علیکم جی"..... لنگڑے پر عقیدت کا دورہ پڑ گیا تھا۔ اُس نے درباریوں کی طرح قریباً کورنش بجالاتے ہوئے اُس کے سامنے اخبار پیش کیا جس میں اُس کی صاحبزادی کا مضمون بمعہ تصویر چھپا تھا۔

دارو بڑی زمانہ ساز تھی عام آدمی کا تحفہ قبول کرنا اُس کے لیے بڑی مشکل بات تھی وہ اشرف لنگڑے کو یہ تاثر ہرگز نہیں دینا چاہتی تھی کہ اُس نے اُن پر کوئی احسان کیا ہے۔

"کیا ضرورت تھی اس کی تمہیں تو پتہ ہے ہم پبلسٹی پسند نہیں کرتے۔ یہاں تو ہر دوسرے روز کوئی نہ کوئی اخبار رسالے والا منہ اُٹھا کر چلا آتا ہے بلقیس بی بی اور میرے انٹرویو کے لیے..... ہمارے پاس کہاں وقت ہے ان چاؤ چونچلوں کا۔ ہم تو پہلے ہی اتنے مصروف ہیں ویلفیئر کے کاموں میں۔ اوپر سے کاٹھا صاحب نے نئی ذمہ داری ڈال دی ہے"..... اس نے بڑی بے نیازی سے کہا۔

"جی مجھے علم ہے۔ مجھے علم ہے۔ آپ ماشاءاللہ دن رات کام کر رہی ہیں وہ دراصل بلقیس بی بی اخبار میں لکھنا چاہتی تھی ناں..... میں نے کہا ہم بھی آپ کے پرانے نمک خوار ہیں کچھ آپ کی خدمت کریں۔ آپ مطمئن ہو جائیں میں ہفتے میں ایک آدھ مضمون لگوا دیا کروں گا۔ اخبار میں اپنی بات مانی جاتی ہے....." لنگڑے نے بے شرمی سے دانت نکالتے ہوئے اپنے جسم کو عجیب و غریب طرح حرکت دے کر کہا۔

"اس کی ضرورت تو نہیں"۔ خیر تمہاری مرضی، اچھا یہ رکھ لو"..... بڑے نخرے سے اُس نے ہاتھ میں پکڑے بٹوے سے ہزار کا ایک نوٹ نکال کر لنگڑے کی طرف بڑھایا۔

لنگڑے نے ندیدے بچوں کی طرح نوٹ پر جھپٹتے ہوئے اُسے قابو کیا اور اپنے روایتی انداز میں کہا۔

"اس کی کیا ضرورت تھی۔ ہم تو ویسے ہی آپ کے تابعدار ہیں..... غلام ہیں، آپ کے حکم کے"..... "چلو ٹھیک ہے، میں چلتی ہوں، چائے وغیرہ پی لی ہے ناں"..... وہ لنگڑے کا جواب سنے بغیر باہر نکل گئی۔

لنگڑے کو زندگی میں پہلی مرتبہ اس نوعیت کی ذلت کا سامنا ہوا تھا۔ ورنہ تو وہ جہاں جاتا اُسے سر آنکھوں پر بٹھایا جاتا تھا لیکن وہ سمجھ گیا کہ ایسا سلوک کرنے میں نادرہ بیگم حق بجانب ہے آخر وہ مرحوم کاٹھا صاحب کی معشوقہ رہی ہے اور موجودہ کاٹھا صاحب اس کے آگے ویسے ہی بچھے رہتے ہیں۔ اُسے اُمید تھی کہ یہاں سے صبح صبح پانچ ہزار کی دیہاڑی لگے گی جبکہ یہاں گنگا ہی اُلٹی بہہ رہی تھی عام حالات میں وہ ہزار روپے دینے والے کے منہ پر مار کر واپس آ جاتا لیکن فی الوقت اُس کے لیے لہو کے گھونٹ پینے کے اور کوئی چارہ باقی نہیں رہا تھا صبر شکر کر کے واپس آ گیا۔ لنگڑے کا کینہ بہت خطرناک تھا۔ وہ اونٹ کی طرح اپنا انتقام اپنی کوہان میں چھپا کر رکھتا اور موقعہ آنے پر اچانک شیطانی روپ دھار کر کسی کے لیے بھی لاینحل مسائل پیدا کر سکتا تھا۔ کاٹھا صاحب کے قریبی دوست بھی اُس کی اس بدفطرت سے آگاہ تھے یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے کسی عمل سے لنگڑے کو ناراضگی کا موقعہ نہیں دیا کرتے تھے، مبادا وہ اُن کے لیے مسائل کھڑے کرے۔ اشرف لنگڑے کے لیے کسی بھی شخص سے انتقام لینے کا طریقہ یہ تھا کہ وہ نامحسوس انداز میں

کاٹھا صاحب کے کانوں میں اپنے شکار کے خلاف نفرت بھرتا رہتا اور ایک وقت ایسا آتا جب شریف کاٹھا جس کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ وہ دماغ کے بجائے کانوں ہی سے سنتا اور سوچتا ہے، لنگڑے کے شکار کو اچانک نوکری سے فارغ کر دیا کرتا تھا اور اُس بے چارے کو کانوں کان خبر نہ ہوتی کہ یہ سارا زہر اُس کے خلاف کس نے مالک کے دماغ میں اُنڈیلا ہے۔

"فریب نظر" میں بڑے بڑے دختر خاں قسم کے صحافی کام کر رہے تھے۔ عام حالات میں وہ بڑے بڑے سرکاری اداروں اور افسران کو خاطر میں نہیں لاتے تھے پولیس کے ساتھ پھڈے بازی تو اُن کا شغل تھا، لیکن اپنے دفتر میں وہ بھیگی بلی بن کر گزارہ کرتے تھے جس کی وجہ صرف اور صرف اشرف لنگڑا تھا وہ عام زندگی میں ایک دوسرے کے سامنے اُسے اُلٹے سیدھے ناموں سے مخاطب کرتے تھے لیکن کیا مجال جو اُس کے سامنے کوئی ایسی جرأت کرے سارا دفتر اُسے "اشرف صاحب" کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ دفتر کے پرانے ملازمین اُس سے باقاعدہ مشورے طلب کیا کرتے تھے اور وہ انہیں بہت قیمتی مشوروں سے نوازا کرتا تھا اُسے خوش رکھنے کے لیے سب ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں کوشاں رہتے تھے لیکن نادرہ بیگم نے اُس کی جو مٹی پلید کی تھی اُس نے اشرف لنگڑے کو چکرا کر رکھ دیا۔

"آخر اس نے کاٹھا صاحب کو ایسی کیا گیدڑ سنگھی سونگھا دی ہے کہ وہ اُس کے بندہ بے دام بن کر رہ گئے ہیں"..... اشرف لنگڑے نے سوچا اور اپنے سوال کا کوئی جواب نہ پا کر صبر شکر کر لیا۔ ابھی تک اُسے چالیس کنال رقبے والی واردات کا علم نہیں ہوا تھا جبکہ اس دفتر کے اکاؤنٹس سے ایڈمنسٹریشن تک کے معاملات اُس کے علم میں رہتے تھے اُس کے کان اور آنکھیں ہمیشہ کھلی رہتی تھیں۔ اشرف لنگڑے نے زندگی گزارنے کا شاندار اصول اپنایا تھا وہ عموماً سب کو نیچے لگا کر رکھتا تھا لیکن زندگی میں جب کبھی کوئی اُس پر بھاری پڑا اُسے فوراً گدھے کی طرح اپنے والد صاحب کا درجہ دینے لگتا تھا کیونکہ اُس کی ترقی کا راز اس سنہرے قول میں تھا کہ وقت آنے پر بلا تامل گدھے کو ابا جان تسلیم کر لو"..... اس مرتبہ بھی اُس نے ایسا ہی کیا اور نادرہ بیگم کو خوش کرنے کی کوئی اور تدبیر سوچنے لگا۔

O

اعظم خان کے لیے یہ کوئی نئی تو تھی نہیں۔ ایسی کئی وارداتیں وہ پہلے بھی ڈال چکا تھا۔ موٹر سائیکل اس نے حاجی کے دفتر کے بالکل سامنے کھڑی کی حاجی کو اُس نے فون کر کے پہلے ہی اپنی آمد سے مطلع کر دیا تھا اور حاجی سمجھ گیا تھا کہ وہ کسی واردات پر آ رہا ہے۔ وہ اس کھیل کا پرانا کھلاڑی اور خصوصاً ایسے کرائم رپورٹرز کی رگ رگ سے واقف تھا۔ اعظم خان سے پہلے وہ دو اخباروں کے مقامی رپورٹر بھگتا چکا تھا لیکن اچھی طرح جانتا تھا کہ اعظم خان اُن دونوں کی طرح آسانی سے جان چھوڑنے والا نہیں۔ وہ پہلے سے اس کے استقبال کی تیاری کر چکا تھا۔

حاجی نے منافقانہ مسکراہٹ کے ساتھ اُسے گلے لگا کر استقبال کیا اور اُس کے لیے فوراً چائے اور دیگر لوازمات منگوا لیے۔

"ایک ضروری بات کرنی تھی حاجی صاحب"، اعظم خان نے مطلب کی بات پر آتے ہوئے کہا۔

"بسم اللہ سرکار..... بسم اللہ..... حکم کریں خان صاحب"..... اُس نے مصنوعی گرمجوشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"وہ ذرا پرائیویٹ....." اعظم خان نے سامنے موجود دو ہٹے کٹے غنڈوں کی طرف آنکھوں سے اشارہ کیا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

''چلو بھئی چلو..... باہر بیٹھو۔ خان صاحب کی موجودگی میں کوئی اندر نہ آئے''

اُس نے دونوں کو مخصوص اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے حاجی صاحب''..... دونوں نے بیگ زبان کہا اور کمرے سے نکل گئے۔

''جی خان صاحب۔ حکم کریں''..... حاجی اُس کی طرف متوجہ ہوا۔

''وہ حاجی صاحب دراصل آپ کو تو پتہ ہی ہے۔ شریف کاٹھا صاحب تحریک پاکستان کے لوگوں کا خاص خیال رکھتے ہیں۔ آپ نے نواب صاحب مرحوم کی زمین پر ناجائز قبضہ.....''

''ناں مائی باپ ناں..... سرکار کسی نے غلط اطلاع دی ہوگی.....''

حاجی نے اُس کی بات درمیان ہی سے کاٹ دی اور ایک بریف کیس کھول کر اُس کے سامنے کچھ کاغذات کی فوٹو سٹیٹ رکھنے لگا۔

''یہ دیکھ لیں سرکار..... میں نے تو رقم ادا کر کے نواب صاحب کے بچوں کی رضامندی سے جگہ خریدی ہے۔ ہم عزت دار لوگ ہیں خان صاحب۔ پراپرٹی کا بزنس ضرور کرتے ہیں لیکن سارا شہر جانتا ہے۔ حاجی وحید نے کبھی کوئی ناجائز کام نہیں کیا''.....

''حاجی صاحب! حاجی صاحب! آپ کس چکر میں پڑ گئے سرکار..... ایسے کتنے کاغذات آپ نے اور تیار کروانے ہیں۔ بندہ حاضر ہے حکم دیں.....''

اعظم خان نے کاغذات پر نظر ڈالنے کا تکلف ہی نہیں کیا تھا۔

''میں سمجھا نہیں سرکار.....'' حاجی سب کچھ جانتے بوجھتے اجنبی بن گیا۔

''حاجی صاحب یہ اتنا آسان مسئلہ نہیں۔ نواب صاحب مرحوم بڑے آدمی تھے۔ آپ کے لیے بہت مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ میرا مطلب تو سمجھتے ہیں ناں آپ''۔

اعظم خان کا لہجہ بدل رہا تھا۔

''بہت اچھی طرح خان صاحب..... بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں۔ لیکن آپ شاید کسی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ اس میں آپ کا قصور بھی نہیں۔ معاملات ہی ایسے چل رہے ہیں۔ لیکن ہم نے کوئی دو نمبری نہیں کی۔ میرا مطلب ہے آپ کی چائے پانی کی خدمت کر دیں گے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتے''.....

حاجی نے اُس کی طرف بڑی گہری نظروں سے دیکھا۔

اعظم خان حیران تھا کہ حاجی کا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔ وہ اُسے اچھی طرح جانتا تھا پھر بھی اس طرح انجان بنا بیٹھا تھا۔ اُسے تو اب تک روپے گن کر اُس کے سامنے رکھ دینے چاہئیں تھے۔ یہ کس چکر میں پڑ گیا۔

''ٹھیک ہے حاجی صاحب..... کل آپ سے اخبار کے ذریعے ملاقات ہوگی۔ اگر آپ نے کوئی دو نمبری کی ہی نہیں تو میرے خیال سے آپ کو گھبرانے کی بھی ضرورت نہیں''..... اس نے کہا اور اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آپ مالک ہیں سرکار۔ قلم آپ کے ہاتھ میں ہے جو بھی چاہے کر لیں لیکن ہم آپ کے تابعدار ہیں۔ آپ تشریف لائے ہیں اس طرح خالی ہاتھ جانا اچھا تو نہیں لگتا ناں..... یہ رکھ لیں''.....

کہتے ہوئے اُس نے پہلے سے تیار ایک لفافہ اُس کی طرف بڑھایا۔

''اس کی ضرورت نہیں حاجی صاحب۔ جب آپ نے کوئی غلط کام کیا ہی نہیں تو ہمیں بھی آپ جیسے نیک اور ایماندار لوگوں کا خیال رکھنا چاہیے ناں''.....

اعظم خان نے کہا اور سلام کیے بغیر باہر نکل گیا۔

حاجی جانتا تھا اب وہ کیا کرے گا؟ لیکن اس نے کچی

گولیاں نہیں کھیلی تھیں۔ اُسے علم تھا کہ سب سے پہلے ''فریب نظر'' والے ہی اُن کی جان کو آئیں گے جیسے ہی اعظم خان وہاں سے نکلا حاجی نے فون پر قیوم کاٹھے سے رابطہ کیا۔

''جی حاجی صاحب کیا حال ہے جناب۔ کیسے یاد کر لیا ہمیں.....'' قیوم کاٹھے کی تو اُس کے فون پر باچھیں کھل گئیں۔ حاجی اسی شہر کا بڑا پراپرٹی ڈیلر تھا اور قیوم کاٹھا اکثر اُس کے آفس حاضری لگوایا کرتا تھا اُسے اُمید تھی کہ جس روز حاجی نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اُس کی نیا پار ہو جائے گی۔

''آفس آجاؤ سرکار..... کچھ ضروری بات کرنی ہے''..... حاجی نے جواب دیا اور پندرہ منٹ بعد وہ حاجی کے سامنے موجود تھا۔

حاجی نے اپنے طریق واردات کے مطابق بڑی گرمجوشی سے اُس کا استقبال کیا اُس کی خاطر تواضع شروع کی جس نے قیوم کاٹھا کو اُس کا مرید بنا دیا۔

''ایک دو کنال کا ٹوٹا ہے میری نظر میں..... کمرشل پلاٹ ہے۔ ایل ڈی اے والوں سے معاملہ کرنا پڑے گا.....'' حاجی نے اُس کی طرف جھکتے ہوئے رازداری سے کہا۔

''حاجی صاحب مسئلہ ای کوئی نہیں۔ ماموں جان کب کام آئیں گے''..... قیوم کاٹھے نے چاپلوسی کے انداز میں کہا۔

''ویسے تو میرے لیے یہ کوئی مسئلہ نہیں لیکن آپ جانتے ہیں ان لوگوں کے منہ بڑے کھلے ہیں۔ خانہ خراب کے بچے ''پرسنٹیج'' کی بات کرتے ہیں۔ پہلے تو سیدھا سبھاؤ مک مکا ہو جاتا تھا۔ یہ نیا ڈائریکٹر کچھ زیادہ ہی سیانا لگتا ہے، بہت جلدی میں دکھائی دیتا ہے''.....

حاجی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''حاجی صاحب بے فکر ہو جائیں جناب.....'' قیوم کاٹھا تو ہواؤں میں اُڑ رہا تھا۔

''ٹھیک ہے ففٹی ففٹی پر معاملہ کر لیتے ہیں، بھئی آپ خاندانی آدمی ہیں میں نے سوچا آپ سے کوئی کام تو شروع کریں ناں''..... حاجی نے اگلا پتہ پھینکا۔

''بالکل جناب..... بالکل ٹھیک ہے۔ آپ جو حکم دیں گے ویسے ہی ہوگا۔'' قیوم کاٹھا تو پھٹنے پر آ رہا تھا۔ بیٹھے بٹھائے دس پندرہ لاکھ کی دیہاڑی لگ رہی تھی، حاجی اُسے پلاٹ کی تفصیلات اور دیگر معاملات سمجھاتا رہا جس کے بعد اُس نے ترپ کا پتہ بھی پھینک دیا۔

''قیوم صحب آپ خاندانی بندے ہیں اور شریف کاٹھا صاحب تو ہمارے ہیرو ہیں لیکن اُن کے دفتر کے کچھ بندے اُن کا نام خراب کر رہے ہیں'' ''یہ اچھی بات نہیں''۔

''اوہ حاجی صاحب آپ حکم کریں کسی نے تنگ کیا ہے آپ کو۔ ابھی اُس کی چھٹی کرواتا ہوں۔ ماموں جان سے میں نے تھوڑی دیر بعد ملنا ہے''..... اُس نے اپنے نمبر بنائے۔

''ناں سرکار ناں، ہم کسی غریب کی نوکری کے خلاف نہیں۔ اب دیکھیں ناں ہم پراپرٹی کا بزنس کرتے ہیں۔ آپ نے بھی نیازیوں سے زمین خریدی ہے میں نے بھی۔ یہ ان کا کرائم رپورٹر اعظم خان بلیک میل کرتے آ گیا ہے۔ مجھے دھمکیاں دے کر گیا ہے کہ کل خبر لگا کر تمہاری ایسی تیسی کر دوں گا۔ گالیاں اور دھمکیاں دے کر گیا ہے۔ کاٹھا صاحب ہم بھی عزت دار آدمی ہیں، کروڑوں کا بزنس کر رہے ہیں۔ اب یہ ٹکے ٹکے کے رپورٹر ہمیں بلیک میل کرنے لگیں تو ہمارا کام تو چل گیا ناں.....''

''حاجی صاحب اُس کی ایسی تیسی۔ اُس کا باپ بھی کل یہ خبر شائع نہیں کر سکتا'' قیوم کاٹھے نے گردن پھلائی۔

''دیکھیں ناں جی کسی دوسرے اخبار کا رپورٹر ہوتا تو میرے بندے اُسے دفتر کے بجائے ہسپتال بھیجتے۔ لیکن شریف کاٹھا صاحب کے اخبار کے بندے کو تو ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ناں جی..... باقی آپ خود سمجھدار

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ہیں''..... حاجی نے اُس کی انا میں ہوا بھری۔

''حاجی صاحب آج کے بعد آپ کے دفتر کے نزدیک نہیں پھٹکے گا کوئی رپورٹر..... اب میں آپ کا پارٹنر بن گیا ہوں۔ ہماری عزت ساجھی ہے اور ہم یاروں کے یار ہیں۔''

قیوم کاٹھے کی بات مکمل ہی ہوئی تھی جب حاجی نذیر کے ملازم دو ڈونگے سالن اور گرم گرم نان پکڑے اندر آ گئے۔

''یہ کیا تکلف کیا آپ نے''..... قیوم کاٹھے کو کھانے کی خوشبو نے ہی مست کر دیا تھا۔

''قیوم صاحب کمال کرتے ہیں'' آپ۔ ہمارے پاس آئیں اور ہم آپ کو بھلی بٹ کی کڑاہی کھلائے بغیر واپس جانے دیں۔ میں تو دیسی مرغے کی کڑاہی بنواتا ہوں۔ مجھ سے یہ ولایتی مرغی نہیں کھائی جاتی''۔ حاجی نے مسکراہٹ اُچھالی۔

حاجی کے بندوں نے بڑی پھرتی سے میز پر اخبار بچھا کر پلیٹیں سجا دیں اور گرم گرم کڑاہی سے اُٹھتی خوشبو کے بھبھو کے قیوم کاٹھے کا منہ پانی سے بھر رہے تھے۔

''بسم اللہ کرو جی''..... حاجی نے ڈونگے کا بڑا چمچہ اُس کی طرف بڑھایا۔

''نہیں حاجی صاحب پہلے آپ۔ آپ بڑے ہیں''..... قیوم کاٹھے نے بمشکل منہ میں بھرا پانی کنٹرول کیا۔

''او جی آپ آپ میں گاڑی نکل جائے گی''..... کہتے ہوئے حاجی نے خود ڈونگے میں چمچہ ڈال کر اُس کی پلیٹ بوٹیوں سے بھر دی، قیوم کاٹھا دنیا و مافیہا سے بے خبر کھانے پر ٹوٹ پڑا۔

O

اعظم خان کا غصہ آسمان کو چھو رہا تھا۔

آج طویل عرصے بعد حاجی وحید کی شکل میں اُسے اپوزیشن کا سامنا ہوا تھا ورنہ تو آج تک کسی نے اُس کے سامنے اُف تک کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور اُس کی ہر بات کو حکم کی طرح تسلیم کیا تھا۔ آج تک ایسا نہیں ہوا تھا کہ ''شیدے خرانٹ'' کی طرف سے تلاش کردہ شکار اُس کی چھری کے نیچے نہ آیا ہو، یہ تو یوں بھی کھلی بدمعاشی تھی..... نواب صاحب مرحوم تحریک پاکستان کے عظیم سپاہی جنہوں نے پاکستان کے لیے فقید المثال قربانیاں دی تھیں، اُن کی موت کے بعد اُن کی جائیداد پر قبضہ ہو جائے اور منہ دیکھتے رہ جائیں..... یہ کیسے ممکن تھا۔

اُس نے فوری طور پر اپنے شیطانی دماغ سے سٹوری تراشی اور کاغذ قلم سنبھال لیا۔ اعظم خان نے اپنی اس خصوصی سٹوری کا آغاز قیام پاکستان پر شہداء کی عظیم قربانیوں سے کیا تھا جس کے بعد اس نے قوم کی احسان فراموشی کو موضوع بنایا اور لکھا کہ کس طرح مرحوم نواب صاحب کی زمین پر ظالم جاگیرداروں نے قبضہ کر لیا ہے۔ اُن کی اولاد در بدر خاک بسر ہو رہی ہے۔ اس کے بعد اُس نے حاجی وحید کا ٹھیک ٹھاک سیاپا کیا اور لکھا کہ وہ اس شہر کے سب سے بڑے قبضہ گروپ کا سرغنہ ہے۔ جس نے اب نواب صاحب مرحوم کی جائیداد پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔

سٹوری مکمل کرنے کے بعد اس نے دوبارہ پڑھنا شروع کی تا کہ مزید مرچ مصالحے کی گنجائش نکلے تو وہ بھی ڈال دے۔ ابھی بمشکل اُس نے پہلا صفحہ پڑھا تھا جب اچانک اشرف لنگڑا اُس کی طرف آتا دکھائی دیا۔

''سر جی! صاحب نے یاد کیا ہے''..... اُس نے اعظم خان کو مخاطب کیا۔

''آیا''..... اعظم خان نے کاغذ سمیٹ کر اپنی دراز میں رکھے اور ''صاحب'' کے کمرے کی طرف چل دیا۔

کمرے میں داخل ہونے پر اُسے سب سے پہلے قیوم کاٹھا دکھائی دیا۔ جس پر اُس کا ماتھا ٹھنکا کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی کیونکہ وہ جب بھی آتا اُس کے لیے کوئی ''بیگار'' ہی لے کر آیا کرتا تھا۔

''پھر کوئی مصیبت آ گئی''..... اُس نے سوچا۔ اُسے علم تھا کہ قیوم کاٹھا اپنے ماموں کے منہ لگا ہوا ہے اور اپنے سارے ناجائز کام شریف کاٹھا کی مدد سے ''فریب نظر'' کے رپورٹروں ہی سے نکلوایا کرتا تھا۔

''السلام علیکم سر جی''..... اعظم خان نے نارمل ہوتے ہوئے دونوں کو سلام کیا۔

''بیٹھو خان صاحب'' قیوم کاٹھا نے قریبی کرسی کی طرف اشارہ کیا، اعظم خان نے بیٹھنے کے بعد استفہامیہ نظروں سے شریف کاٹھے کی طرف دیکھا۔

''بھئی آپ کیا کرتے پھر رہے ہیں۔ کیوں ادارے کو بدنام کر رہے ہیں''

شریف کاٹھے نے جس لہجے میں بات کی اُس سے اعظم خان کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی نے اُس کے خلاف کاٹھا صاحب کو ٹھیک ٹھاک ٹیکا لگا دیا ہے۔

''سر جی! میری کیا مجال ہے جی۔ ہم تو ادارے کے لیے جان دینے والے لوگ ہیں سر جی.....'' اعظم خان گھگیایا۔

اُس کا جی تو چاہا کہ شریف کاٹھے سے کہے کہ آج تک اُس نے کتنے ناجائز کام کروائے ہیں لیکن ایسا صرف وہ سوچ ہی سکتا تھا۔

''حاجی وحید صاحب کے دفتر تم کیا لینے گئے تھے؟'' شریف کاٹھے نے غصے سے اُس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ اعظم خان کوئی جواب دے، اگلی بات کہہ کر اُس کی زبان ہی بند کر دی۔

''اگر میں نے تم لوگوں کو ڈھیل دی ہوئی ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم شہر کے عزت دار لوگوں کی پگڑی اُچھالتے پھرو۔ خبردار آئندہ حاجی صاحب کے متعلق کوئی خبر فائل نہ ہو۔ اگر تمہاری حرکتیں جاری رہیں تو میں تمہارا تبادلہ کر دوں گا''.....

خدا جانے قیوم کاٹھے نے اپنے ماموں کے کیا کان بھرے تھے کہ وہ اپنے قریب ترین نمک خوار اعظم خان کی بات بھی سننے کے لیے تیار نہیں تھا۔ اس دوران قیوم کاٹھا دلچسپی سے اعظم خان کے چہرے کی بدلتی کیفیات کا جائزہ لیتا رہا۔ اُس کا چلایا تیر عین نشانے پر لگا تھا۔ اب وہ حاجی وحید کی نظروں میں مزید اہم مقام حاصل کر کے بڑا پراپرٹی ڈیلر بن جائے گا۔ اعظم خان معافی تلافی کر کے واپس تو آ گیا لیکن اُس کا دماغ ابھی تک سائیں سائیں کر رہا تھا اُسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کیا کرے؟ اتنی ذلت کا سامنا اُسے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ یہ تو وہ جانتا تھا کہ شریف کاٹھا وقت آنے پر آنکھیں ماتھے پر رکھنے میں شہرت رکھتا تھا لیکن اُس کے ساتھ؟ وہ تو اُس کا ''کار خاص'' تھا۔ شریف کاٹھا کے گھر کے باہر والی سڑک کی تزئین و آرائش تک اُس کے ذمے تھی۔ شہر کی کسی بھی سرکاری نرسری میں آنے والے تازہ پھول پورے گملوں سمیت شریف کاٹھا کے گھر کے اندر اور باہر سجانا اُس کی ذمہ داری تھی۔ دو سرکاری مالی اور ایک سرکاری چوکیدار مستقل شریف کاٹھا کے گھر پر متعین تھے، اس کے دوستوں کی بیگاریں اس کے علاوہ تھیں۔ اس ساری مشقت کا حاصل یہ تھا کہ آج شریف کاٹھے نے اچانک آنکھیں ماتھے پر رکھ لی تھیں۔ اعظم خان کو اچانک ہی اشرف لنگڑے کی وہ بات یاد آ گئی جو اُس نے تقریباً ڈیڑھ سال پہلے اُس سے کہی تھی۔ اُن دنوں اعظم خان شریف کاٹھے کا نیا نیا پوتا بنا تھا اور خود کو اخبار کا ایڈیٹر سمجھنے لگا تھا وہ اپنے کسی سینئر کو اس لئے خاطر میں نہیں لاتا تھا کہ ''صاحب'' کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اُسے کسی کو منہ لگانے کی ضرورت ہی نہیں۔ یہ بات اُسے اچھی طرح سمجھ آ گئی تھی کہ اس ادارے میں میرٹ نام کی بیماری دور دور تک نہیں پائی جاتی یہاں وہی بڑا سور ما ہے جسے شریف کاٹھا صاحب سند امتیاز جاری فرما دیں اور اُن کی طرف سے کسی کو نوازنے کے کیا معیار ہیں وہ سب اچھی طرح جانتے تھے۔

ایک روز جب کسی معاملے پر اعظم خان نے اشرف

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

لنگڑے کو نظر انداز کیا تو اُس نے اعظم خان کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ''صاحب'' کو نہیں جانتا جو اچانک بغیر کسی وجہ کے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیا کرتا ہے اُس کی اگاڑی اور پچھاڑی دونوں بہت خطرناک ہیں اور سیانا وہی ہے جو دونوں کی زد میں آنے سے بچے۔

اُن دنوں چونکہ اعظم خان ''صاحب'' کا خصوصی پوبنا ہوا تھا دن میں چار پانچ مرتبہ مختلف بہانوں سے ''صاحب'' کے دفتر میں آنا جانا اُس کا معمول تھا اس لیے اُس نے اشرف لنگڑے کی بات کی پرواہ نہیں کی لیکن آج اُسے اپنی اوقات کا اچھی طرح علم اور اندازہ ہو گیا تھا اور اُس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ وہ کبھی اشرف لنگڑے کی ہدایت نظر انداز نہیں کرے گا اور اُس کو خوش رکھنے کا ''خصوصی خیال'' رکھے گا۔

O

اشرف لنگڑے نے قیوم کاٹھے کی زبانی اندر کا احوال جان لیا تھا۔ قیوم کاٹھا جو ''صاحب'' کا بھانجا تھا وہ بھی اشرف لنگڑے کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھا اُسے علم تھا کہ اُس کے ماموں جان نے زندگی میں کبھی اشرف لنگڑے سے زیادہ طویل عرصے تک کسی کو برداشت نہیں کیا۔ تکبر اور فرعونیت کے ملغوبے شریف کاٹھے کے نزدیک کسی بھی عزت دار شخص کی اہمیت کبھی پاؤں کے جوتے کے برابر نہیں تھا۔ وہ اپنی صحافتی طاقت کے نشے میں مست ہاتھی کی طرح گنے کے کھیتوں کو اُجاڑتا پھر رہا تھا۔ اُسے اس بات کا اندازہ تھا کہ اس ملک کا اشرافیہ غایت تعداد میں اُس کی طرح دو نمبر ہی ہے۔ قیام پاکستان کے بعد جن لوگوں نے ہندوؤں، سکھوں کی جائیدادوں پر جھوٹے کلیموں کے ذریعے قبضے کیے تھے اُن میں سے بمشکل پندرہ بیس فی صد ہی جینوئن کیس تھے باقی سب اُس کی طرح ''مقامی مہاجرین'' تھے۔ اگر ملک تقسیم نہ ہوتا تو قیام پاکستان کے بعد سامنے آنے والے بیشتر امرا اور عمائدین سلطنت اب تک بنیئے کی غلامی کر رہے ہوتے۔

اُس نے ساری زندگی اس شہر میں گزاری تھی اور یہاں کے خاندانی رئیسوں کی اوقات اچھی طرح جانتا تھا یہی وجہ ہے کہ وہ جسے چاہتا آسانی سے بلیک میل کر لیتا۔ اُسے علم تھا ان دو نمبریوں کی قیمت ہی کیا ہے؟ اخبار میں ان کے نام سے ایک تین سطری خبر یا پھر ایک کالم کی تصویر، وہ بھی مفت شائع نہیں ہوتی تھیں۔ اُن لوگوں کو اس کی قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ شہر کے بیشتر عزت دار شریف کاٹھا کے شر سے بچنے کے لیے اُس کے دربار میں اکثر حاضری لگوایا کرتے تھے اُس پر داد و تحسین کے ڈونگرے برسایا کرتے تھے۔ چاپلوسی اور خوشامد شریف کاٹھے کا نشہ تھا۔ اُسے ہر روز اپنی اَنا کے غبارے میں ہوا بھروانے کے لیے کسی گدھے کی ضرورت رہتی تھی اور یہ گدھے وافر تعداد میں اس شہر میں موجود تھے۔ وہ شریف کاٹھے کی اس ''مجبوری'' کا بھرپور فائدہ اُٹھاتے۔ آئے روز ''فریب نظر'' میں اُس کی شان میں قصیدہ نوانی کروانے کے لیے انہوں نے باقاعدہ منشی بھرتی کیے ہوئے تھے۔ خود وہ ایک لفظ بھی ڈھنگ سے نہیں لکھ سکتے تھے لیکن اپنے منشیوں کے ذریعے قومی معاملات پر بڑے بڑے مضامین لکھواتے جن میں سے ہر مضمون کی تان ایک ہی بات پر ٹوٹتی تھی کہ شریف کاٹھا صاحب ہی اس ملک و قوم کی ''ڈوبتی کشتی'' کو کنارے لگا سکتے ہیں۔ اُن کے آباؤ اجداد سے ایسے ایسے کارنامے منسوب کیے جاتے کہ شیطان بھی شرمندہ ہوئے بغیر نہ رہتا لیکن ان گدھوں کو کبھی شرم نہ آئی۔ انہوں نے بے جا تعریف تحسین کے ڈھول بجا بجا کر شریف کاٹھے کا دماغ آسمان پر چڑھا دیا تھا اور وہ خود کو واقعی وہی کچھ سمجھنے لگا تھا جو کچھ اس کے متعلق یہ لوگ لکھایا لکھوایا کرتے تھے۔

اشرف لنگڑا اپنے مالک کی رگ رگ سے واقف

تھا۔ اب تک اس کے اس ادارے میں ٹکے رہنے کا راز بھی یہی تھا کہ وہ شریف کاٹھے کا نبض شناس ہونے کی وجہ سے اُس کی مرضی کے عین مطابق اپنے اعمال اور معاملات کا تعین کرتا تھا۔ جس شخص سے اُس کا مالک خوش ہوتا اُسے اشرف لنگڑا سر آنکھوں پر بٹھاتا جیسے ہی شریف کاٹھے کی نظریں بدلتیں اشرف لنگڑا اُس شخص کو پہچاننے سے انکار کر دیتا اُسے اپنے مالک کی اس کمزوری کا شدت سے علم اور احساس تھا کہ وہ اپنے دماغ سے کم اور کانوں سے زیادہ کام لیتا تھا۔ کانوں کے معاملے میں تو اُس کی حالت یہ تھی کہ اگر کوئی شخص اُسے کہتا کہ کتا تمہارا کان لے گیا ہے تو وہ بلا تامل کتے کا تعاقب شروع کر دیتا جبکہ کان اپنی جگہ قائم اور موجود ہوتا تھا۔

اللہ بے نیاز ہے، جسے دینے پر آئے چھپر پھاڑ کر دیتا ہے اللہ نے شریف کاٹھے کو بے پناہ دولت عطا فرمائی لیکن حیرت انگیز طور پر اُسے دیگر انسانی اوصاف کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ارب پتی ہونے کے باوجود اُس کی دولت کی ہوس بڑھتی چلی جاتی تھی۔ اُس کی شہرت سن کر اُس کے عقیدت مند جب اُسے ملتے تو حیران رہ جاتے کہ عقل نام کی کوئی شے اُسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی، سوائے تکبر اور رعونیت کے اُس کے پاس اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔ انسانی کمزوریوں کے مرقع شریف کاٹھے کی بہت سے خصلتوں سے اشرف لنگڑا بخوبی آگاہ تھا اور ان کا جائز ناجائز استعمال کرنے کے فن پر تو اُسے عبور حاصل تھا۔

اُس روز جب قیوم کاٹھے نے اشرف لنگڑے کو اعظم خان کی درگت بننے کی کہانی سنائی تو اشرف لنگڑے کے لیے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اعظم خان جس طرح ''صاحب'' کا قرب حاصل کر رہا تھا اس کے بعد سے اشرف لنگڑا اُسے اپنے لیے خطرے کی گھنٹی سمجھنے لگا تھا اور مناسب موقع کا منتظر جو اب اُس کے ہاتھ آیا تھا۔

آج جب چیف رپورٹر عابدی نے حسب معمول اُس کی مٹھی میں پانچ سو کا نوٹ دیا تو اشرف لنگڑے نے بے ساختہ دانت نکال دیے اور مسکراتے ہوئے اُس کا ہاتھ پکڑ کر ایک کونے کی طرف لے گیا۔

''عابدی صاحب آپ کے لیے ایسی خوش خبری لایا ہوں کہ حیران رہ جائیں گے۔''

اُس نے سرگوشی کے انداز میں عابدی سے کہا۔

''کیا؟ کیا؟''..... عابدی بے چین ہو رہا تھا۔

''عابدی صاحب سمجھ لیں آپ کے دشمن کا منہ کالا ہو گیا''..... لنگڑے نے اس کی طرف مخصوص انداز میں دیکھتے ہوئے کہا تو عابدی چونکا۔

''تیرے منہ میں گھی شکر..... یار کچھ بتائے گا بھی یا.....''

''میٹنگ روم میں آ جائیں دروازہ کھلا ہو گا اندر آ جانا۔ کسی کو علم نہیں ہونا چاہیے''..... لنگڑے نے اپنی دائیں آنکھ دبا کر مخصوص اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے تو چل میں ذرا حاضری لگا آؤں.....''

عابدی نے محتاط انداز سے دائیں بائیں دیکھا اور پورٹنگ سیکشن کی طرف چل دیا۔ اخبار کا چیف رپورٹر ہونے کے ناطے اُس کے لیے یوں بھی لازم تھا کہ وہ بروقت دفتر آیا کرے لیکن عابدی کے لیے صبح جلدی دفتر آنے کی عادت بڑی فائدہ مند ثابت ہوئی تھی۔ اس طرح اُسے صبح صبح ایک آدھ ''واردات'' ڈالنے کا موقع مل جاتا جس سے کچھ جیب خرچ نکل آتا تھا۔ جب سے اعظم خان کو ''صاحب'' نے اپنا کار خاص بنایا تھا بے چارے بیشتر رپورٹرز کے لیے تو فاقوں کی نوبت آ گئی تھی۔ بپھرے سانڈ کی طرح اعظم خان کسی کے بھی کھیت میں جا گھستا۔ بے چارہ رپورٹر روتا دھوتا عابدی کے پاس فریاد لے کر پہنچ جاتا لیکن عابدی اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

"خان صاحب یار دوسروں کی (BEAT) میں تو مداخلت نہ کیا کرو۔ ریلوے تمہاری بیٹ نہیں اُس کے جی ایم کا انٹرویو، میرا مطلب ہے"..... وہ ڈرتے ڈرتے کہتا۔

"عابدی صاحب مجھے کوئی شوق نہیں دوسروں کے چھابے میں ہاتھ مارنے کا۔ نہ میرے پاس اتنا فالتو وقت ہے کہ دائیں بائیں منہ مارتا پھروں۔ کرائم کوئی چھوٹی بیٹ نہیں۔ وہ تو کاٹھا صاحب کے دوست میاں صاحب کا حکم تھا۔ کیا کروں..... مجھے بھی نوکری کرنی ہے۔ میرا دماغ خراب نہیں کہ آپ کو ناراضگی کا موقعہ دوں آخر آپ میرے انچارج ہیں"..... اعظم خان ایسا جواب دیتا کہ عابدی کے لیے سوائے دانت پیسنے کے اور کوئی چارہ کار باقی نہ رہتا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے یار خیال رکھا کرو"..... وہ جان چھڑانے کے لیے کہہ دیتا۔

اعظم خان کچھ زیادہ ہی بے قابو ہو رہا تھا اور اب تو وہ عابدی کے لیے براہ راست چیلنج بن چکا تھا۔ اس لیے تو اس نے اشرف لنگڑے کی خدمات حاصل کی تھیں کہ وہ کوئی راستہ نکالے۔ گزشتہ بیس سال سے وہ اس ادارے سے منسلک تھا اور اشرف لنگڑے سے اُس کے تعلقات کبھی "ناخوشگوار" نہیں ہوئے تھے۔

اشرف لنگڑے کا اصول تھا "سنو سب کی کرو من کی"..... دفتر کا ہر اہم کارکن اُس کے "قیمتی مشوروں" کا محتاج رہتا اُسے اپنے مخالفین کی سرگرمیوں سے آگاہ رکھتا لیکن اشرف لنگڑے نے ہمیشہ سوچ سمجھ کر خطرہ مول لیا تھا۔ وہ اپنی مکمل قیمت وصول کرنے کے بعد بھی اپنے "شکار" پر تب ہاتھ ڈالتا جب وہ اُس کے لیے مسائل کھڑے کرتا، اعظم خان اب اُس کا "مسئلہ" بنتا جا رہا تھا اُس نے ایک تیر سے دو شکار کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ ایک طرف تو وہ عابدی پر احسان کرنے جا رہا تھا دوسری طرف وہ اعظم خان کا پتہ کٹوانے کی تیاری کر رہا تھا اگر اُس کا وار کارگر ہو جائے تو کم از کم اعظم خان کی رپورٹری ضرور داؤ پر لگ جاتی۔

تھوڑی دیر بعد وہ میٹنگ روم میں موجود تھا جہاں اشرف لنگڑا چائے کا کپ سامنے رکھے اُس کا منتظر تھا۔ میٹنگ روم کے نزدیک عام حالات میں دفتر کا کوئی کارکن پھٹک نہیں سکتا تھا لیکن اشرف لنگڑے کے لیے یہ ایک طرح ریٹائرنگ روم تھا۔

"ہاں جی اشرف صاحب"..... عابدی نے سامنے کرسی سنبھالی۔

"بات یہ ہے عابدی صاحب کہ ہم یاروں کے یار ہیں۔ آپ سے بیس سال پرانا ساتھ ہے۔ یہ کل کے لونڈے آپ کے منہ لگیں یہ میرے لیے بھی ناقابل برداشت ہے لیکن آپ جانتے ہیں میں کبھی کسی کے معاملے میں دخل نہیں دیتا"..... لنگڑے نے تمہید باندھی۔

"بس یار اشرف صورتحال تمہارے سامنے ہی ہے۔ مجھے اس شخص سے کوئی دشمنی تو نہیں لیکن اس نے کس کو ذلیل نہیں کروایا۔ صاحب نے بھی جانے کیوں اسے اتنا منہ لگایا ہوا ہے۔ اس کی اوقات ہی کیا ہے"..... عابدی نے بمشکل غصے پر قابو پایا۔

"بالکل صحیح کہا آپ نے لیکن اب وہ کسی قابل نہیں رہا"..... یہ کہہ کر اُس نے عابدی کو اعظم خان کے ذلیل ہونے کی ساری کہانی سنا دی۔

"قیوم صاحب معمولی بندے نہیں سر جی..... آپ جانتے ہیں کاٹھا صاحب کی اپنی اولاد تو ہے نہیں انہوں نے قیوم صاحب کو بیٹا بنایا ہوا ہے اور اب وہ اعظم خان کے خلاف ہو گئے ہیں"..... اُس نے اپنی بات مکمل کی۔

"واہ یار دل خوش کر دیا، اب یہ بتا اس کانٹا کیسے ختم کروں"؟

عابدی نے بے چینی سے پوچھا۔

اشرف لنگڑے نے مخصوص منافقانہ مسکراہٹ اپنے

ہونٹوں پر جمائی اور اس کو سرگوشی کے انداز میں "طریق واردات" سمجھانے لگا..... "بس آپ نے آج ہی یہ کام کرنا ہے۔ باقی مجھ پر چھوڑ دیں اگلے تین چار دنوں میں اعظم خان آپ کو اپنے سیکشن میں دکھائی نہیں دے گا"۔ اُس نے لفنگوں کی طرح اپنی دائیں آنکھ دبائی۔

"اشرف بھائی سمجھ لے آج یہ کام ہو گیا۔ میں تو ایسے ایسے ثبوت ساتھ لگاؤں گا کہ "صاحب" حیران رہ جائے۔ مجھے رپورٹروں نے اس کے خلاف دستاویزی ثبوت دیے ہوئے ہیں۔..... "عابدی نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔

"بس! باقی باتیں چھوڑ دیں۔ جیسا میں نے کہا ہے ویسے کریں پھر ہمارا کام دیکھیں لیکن عابدی صاحب ایسا نہ ہو کہ آپ بھی ہمیں پھر بھول جائیں"..... لنگڑے نے مستقبل کی ضمانت بھی طلب کر لی۔

"یار اشرف تیرا میرا بیس سال کا ساتھ ہے ناں بتا اللہ کو حاضر ناظر جان کر کبھی تجھے شکایت کا موقعہ ملا؟"..... .

"عابدی صاحب۔ یہی تو کہہ رہا ہوں کہ بعد میں ہمیں بھول نہ جانا"..... لنگڑے نے مکاری سے پھر آنکھ دبائی۔

"ایسا کیسے ممکن ہے یار ..... ہم بھی یاروں کے یار ہیں۔ مل کر کھانے والے ہیں بھائی۔ میں نے تو کبھی چائے اکیلے نہیں پی....."

عابدی کی اس بات پر دونوں نے مل کر قہقہہ لگایا۔ اشرف لنگڑے نے اسے فاتحانہ انداز میں دیکھا۔

"صاحب کے آنے کا وقت ہو گیا اب میں نکلوں"..... لنگڑا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"او۔ کے، میں بھی چلتا ہوں"..... عابدی کمرے سے نکل گیا۔

معمول کے مطابق اُس نے میٹنگ لی۔ رپورٹروں کی ڈیوٹیاں لگائیں، آج اعظم خان میں اُسے پہلے والا کرنٹ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ عابدی کو اندازہ ہو گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ میٹنگ ختم کرتے ہی وہ اپنے دوست وکیل کے دفتر پہنچ گیا جہاں ایک کمرہ اس کے لیے مستقل مختص تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد وکیل کا منشی اُس کے لیے ایک خط ٹائپ کر رہا تھا یہ خط شریف کاٹھا کے نام لکھا گیا تھا جس میں اعظم خان کی کئی بددیانتیوں کا کچا چٹھا بیان کرنے کے بعد کہا گیا تھا کہ اعظم خان ہر واردات اُس کے نام پر ڈالتا ہے اور سارے شہر کو کہتا پھرتا ہے کہ کاٹھا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا کیونکہ وہ اس سے "کانا" ہو چکا ہے۔ ایسے ہی کچھ اور اشتعال انگیز فقرے لکھنے کے بعد اُس نے خط پر باقاعدہ ایک ایڈریس اور فون نمبر بھی لکھ دیا اور اگلے دس منٹ بعد یہ خط ٹی سی ایس کے ذریعے شریف کاٹھے کو "پرسنل" ڈاک میں روانہ کر دیا گیا۔

اگلے روز خط صاحب کے سیکرٹری کی میز پر دھرا تھا۔ اشرف لنگڑے نے حسب معمول "صاحب کی پرسنل ڈاک" قابو کر لی تھی جو وہ معمول کے مطابق صبح ایڈیٹوریل میٹنگ کے فوراً بعد "صاحب" کے سامنے رکھ دیا کرتا تھا۔ آج بھی اس نے ایسا ہی کیا صاحب کے اگلے حکم کا منتظر ہو کر اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔

فائل اندر جانے کے قریباً بیس منٹ بعد "صاحب" نے گھنٹی بجا کر اُسے اندر بلایا "اعظم کو بلاؤ"..... شریف کاٹھے کے لہجے میں غصہ تھا۔

"جی سر"..... کہہ کر اشرف لنگڑا باہر آ گیا۔

قریباً دو منٹ بعد وہ دوبارہ اندر داخل ہوا۔

"سر جی وہ سیٹ پر موجود نہیں"۔ اُس نے مؤدب لہجے میں کہا۔

"کیا؟ کہاں چلا گیا..... پتہ کرو؟۔ غصے سے کاٹھا صاحب نے دوبارہ حکم دیا۔

"جی سر"..... کہہ کر وہ دوبارہ باہر آ گیا اور قریباً تین

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

منٹ کے بعد پھر صاحب کے سامنے کھڑا تھا۔

''سر! اُن کی ڈیوٹی بھی کہیں نہیں لگی عابدی صاحب تو یہی کہہ رہے ہیں۔ میں نے سارے دفتر میں دیکھ لیا ہے''..... بڑی عاجزی اور مکاری سے اُس نے کہا کاٹھے نے غصے میں انگریزی کا ایک فقرہ کہا اور اُس سے مخاطب ہوا ''جیسے ہی وہ آئے فوراً میرے پاس لاؤ''.....

''جی سر!''..... کہہ کر لنگڑا باہر آ گیا۔

اعظم خان کہیں نہیں گیا تھا۔ وہ سیٹ پر ہی موجود تھا لیکن لنگڑے نے اندر کچھ اور رپورٹ کی تھی یہ اُس کا ایسا شاندار داؤ تھا جس سے کوئی دشمن آج تک نہیں بچ پایا۔ شریف کاٹھا کو کسی نے اپنے دفتر سے باہر کبھی نہیں دیکھا تھا وہ اخبار کے عام کارکن کی شکل سے بھی نفرت کرتا تھا۔ اُس کے نزدیک یہ سب دو نمبریے اور گھٹیا لوگ تھے جنہیں اُس کے اخبار میں بھرتی کے بعد سرخاب کے پر لگ گئے تھے اور وہ دن رات اُسے لوٹ کر کھا رہے تھے۔ یہ تھی وہ سوچ جس نے اُس کے اور عام کارکن کے درمیان تفاوت بہت بڑھا دیا تھا۔ جب سے صحافیوں نے ویج بورڈ کا مطالبہ شروع کیا تھا وہ انہیں اپنے ذاتی دشمن سمجھنے لگا تھا۔ اُس کا تکبر اور غصہ روز بروز بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ معمولی باتوں پر جرمانے، تبادلے اور نوکریوں سے برخاستگی اُس کا معمول بن چکا تھا اور اخبار کے خصوصاً ڈھلتی عمر کے ملازمین اُس کے شر سے پناہ مانگا کرتے تھے۔ یہ اُس کا خصوصی شکار تھے۔

ایک برخاست شدہ سرکاری آفیسر اُس کا ایڈمن انچارج تھا۔ جس کا کام صرف یہ تھا کہ وہ اپنے آفس میں موجود اخبار کے ''مستقل ملازمین'' کی فائلیں دیکھتا رہے اور ایسے کیسز تلاش کرے جنہیں کسی بھی معمولی بنیاد پر نوکری سے برخاست کیا جا سکے۔ اُس کی خواہش تھی کہ اخبار میں کوئی بھی ''مستقل ملازم'' نہ رہے، بلکہ تمام ''کچے ملازمین'' بن جائیں۔ اس طرح وہ ہر ماہ لاکھوں روپے کے فنڈز جو ''پکے ملازمین'' کے لیے سرکاری طور پر مختص تھے اپنے قابو میں کر لے۔ ہر مہینے تین چار پرانے ملازمین کو زائد العمری یا کسی اور بہانے سے نوکریوں سے برخاست کیا جاتا جس کے بعد اُن کے مستقل منت سماجت کرنے، گھگھیانے، رونے دھونے پر ''ترس'' کھا کر کاٹھا صاحب انہیں دوبارہ نئے سرے سے ملازمت کا لیٹر جاری کر دیتا جس سے اُن بے چاروں کی تنخواہ بھی آدھی رہ جاتی اور وہ تھوڑی بہت مراعات جو انہیں حاصل تھیں اُن سے بھی محروم ہو جاتے۔

O

دوپہر تک اشرف لنگڑا اُسے چار مرتبہ اعظم خان کی سیٹ پر ''غیر موجودگی'' کی اطلاع دے چکا تھا۔ جس نے کاٹھا صاحب کا دماغ خراب کر دیا۔ اس نے غصے سے چیف رپورٹر عابدی کو طلب کر لیا جو صبح سے ''پیشی'' کا منتظر بیٹھا تھا۔ لنگڑا اُس کی طرف آیا اور اپنے مخصوص انداز میں ''صاحب نے یاد کیا ہے'' کا حکم سنا کر لوٹ گیا۔ اعظم خان کمرے میں موجود تھا نجانے کیوں اس کی چھٹی حس نے خطرے کی گھنٹی بجائی۔ اس کا منہ لٹک گیا۔

عابدی تھوڑی دیر بعد ''صاحب'' کے سامنے کرسی پر بیٹھا تھا۔

''کیا مذاق بنا رکھا ہے تم لوگوں نے۔ کیا ڈسپلن ہے تمہارا''..... غصے سے کاٹھا نے اُسے مخاطب کیا عابدی تیار تھا۔

''میں سمجھا نہیں سر'' عابدی نے انکساری سے کہا۔

''کہاں غائب ہے صبح سے اعظم خان؟'' صاحب نے غصے سے دوبارہ پوچھا۔

''سر! میں بہت معافی سے عرض کروں گا کہ صرف اعظم خان صاحب میرے ڈسپلن سے باہر ہیں۔ اُن کو جب بھی وارننگ دیں وہ فرماتے ہیں کہ آپ کو جوابدہ ہیں''..... عابدی نے پہلے سے ممکنہ سوالوں کے جوابات

تیار کر رکھے تھے۔

''کیا مطلب ہے آپ کا؟ آپ کیا کرتے رہتے ہیں''..... اُس نے عابدی کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''سر! آپ رجسٹر چیک کر لیں۔ میرے کسی رپورٹر کی جرأت نہیں کہ ڈسپلن کی خلاف ورزی کر سکے۔ قاضی صاحب سے پوچھ لیں سر! ہماری کبھی کوئی ''مسنگ'' (Missing) نہیں ہوتی۔ اعظم صاحب.....''

''ٹھیک ہے آپ جائیں''..... کاٹھا نے غصے سے اُس کی بات کاٹ دی۔

اُس نے اعظم خان کی فائل کھولی اور اُسے ''فارغ'' کرنے کے احکامات لکھنے چاہے لیکن اچانک ایک دوسرے خیال نے اُسے روک دیا۔ اُس نے اعظم خان کا تبادلہ ملتان آفس کرنے کا حکم لکھا اور گھنٹی بجا کر فائل لنگڑے کے حوالے کر دی۔

''شیخ صاحب سے کہو۔ آج ہی تعمیل کروائیں''۔

''جی سر''..... کہہ کر لنگڑا کمرے سے باہر آ کر اپنے کیبن میں چلا گیا جہاں پی۔ اے صاحب اپنے کام میں مصروف تھا۔

''یہ دیکھیں ذرا۔ فائل کدھر جاتی ہے''..... اُس نے اپنے مخصوص انداز میں پی۔ اے کی طرف فائل بڑھائی جو اُس سے اکثر خوفزدہ رہتا اور اُس کی چیچہ گیری میں لگا رہتا تھا۔

''اشرف صاحب ایڈمن صاحب کے لیے ہے.....'' اُس نے پڑھ کر کہا وہ جانتا تھا کہ لنگڑے کو علم ہے اور وہ جان بوجھ کر اُس سے کیوں پوچھ رہا ہے یہ اُس کا پرانا طریقہ تھا وہ خود تو ان پڑھ تھا لیکن صاحب کی طرف سے کسی بھی فائل پر لکھے حکم کو جاننا اپنا فرض عین سمجھتا تھا۔

''کیا لکھا ہے؟''..... صاحب نے اعظم خان کا ملتان آصف میں ''ڈیسک'' پر تبادلہ کر دیا ہے''..... پی۔ اے نے تابعداری سے بتایا۔

''اوہو..... یہ کیا ہوا۔ خان صاحب تو بڑے اچھے آدمی تھے''..... کہتے ہوئے اُس نے فائل پکڑی اور ایڈمن آفس کی طرف جاتے ہوئے عابدی کو میٹنگ روم میں آنے کا اشارہ کر گیا۔

''شیخ صاحب ''سر'' نے کہا ہے آج ہی اس حکم کی تعمیل ہونی چاہیے''..... یہ کہتے ہوئے اُس نے فائل ایڈمن انچارج کے آگے رکھ دی۔

''ابھی ہو گی اشرف صاحب''..... ایڈمن انچارج بھی بڑا پہنچا ہوا بندہ تھا۔

اشرف لنگڑا بغیر کچھ کہے سنے باہر آ گیا وہ عموماً سنجیدگی ہی اختیار کیا کرتا تھا۔ کمیٹی روم میں عابدی بے چینی سے اُس کا منتظر تھا۔

''خان صاحب کو پیروں فقیروں سے بہت عقیدت لگتی ہے''..... اس نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔ عابدی نے استفہامیہ نظروں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''سر جی! خان صاحب کا تبادلہ پیروں فقیروں کے شہر ملتان میں ہو گیا ہے''۔

''واہ اشرف یار واہ۔ مان گئے تجھے''..... خوشی سے بے قابو عابدی نے اپنے بٹوے سے ہزار ہزار کے دو نوٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھائے۔

''یہ کیا..... اس کی کیا ضرورت ہے سر! اللہ کا دیا بہت کچھ ہے میرے پاس'' اُس نے اپنا معمول کا فقرہ کہا۔ عابدی نے زبردستی نوٹ اُس کی جیب میں ڈال دیے۔

''ہم تمہاری خدمت کرتے رہیں گے اشرف یار۔ اب ذرا اچھی طرح کام چلے گا۔ اعظم خان نے تو مصیبت ڈال رکھی تھی''..... اس نے اشرف لنگڑے کے کندھے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے عابدی صاحب۔ میں چلوں۔'' کہہ کر

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

وہ باہر نکل آیا۔

عابدی یہاں سے اپنی سیٹ پر جانے کے بجائے سیدھا ٹائپسٹ امجد کے کمرے میں پہنچا تھا یہاں وہ اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔

''اسلام وعلیکم سر جی''..... امجد نے اُس کی شکل پر نظر پڑتے ہی نعرہ لگایا۔

''کیا حال ہے شہزادے..... یار زرا ایک کپ چائے تو منگوا۔ اپنے سیکشن میں تو ایک کپ چائے پینے کے لیے ایک سیٹ منگوانا پڑتا ہے''..... عابدی نے کہا۔

امجد اُسے دیکھ کر یوں ہی خوش ہو جاتا تھا کہ چیف رپورٹر صاحب اُس کے کمرے میں آئے ہیں۔

''ابھی لیں سر''..... کہتے ہوئے اُس نے انٹرنل فون پر کینٹین والے کو ہاف سیٹ لانے کا آڈر دیا اور اپنے کام میں لگ گیا۔ اس دوران عابدی اُس سے ہلکے پھلکے موڈ میں باتیں کرتا رہا۔ چائے کے ساتھ ہی ایڈمن کا چپراسی مشتاق ایک فائل لے آیا۔

''صاحب نے کہا ہے اسے فوراً ٹائپ کر کے لائیں''۔ اُس نے امجد کو شیخ صاحب ایڈمن افسر کا پیغام سنایا۔

''اچھا یار کرتا ہوں''..... امجد نے معمول کے مطابق بددلی سے فائل پکڑ کر کہا مشتاق باہر چلا گیا۔

''کیا ایمرجنسی آگئی بھئی''..... عابدی نے بظاہر انجان بن کر امجد سے فائل کے متعلق پوچھا۔

''کچھ نہیں سر جی کیا بتائیں۔ شیخ صاحب تو ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہیں''۔ کہتے ہوئے امجد نے فائل کھولی اور نظریں دوڑانے کے بعد چونکنے کے انداز میں اُس سے مخاطب ہوا۔

''سر جی! یہ تو آپ کے ڈیپارٹمنٹ سے متعلق ہے''.....

''کیا ہے یار! کہیں میرے متعلق تو کوئی حکم نہیں آگیا''..... اُس نے بظاہر انجان بنتے ہوئے چائے کی چسکی لی۔

''سر جی یہ تو اعظم خان صاحب کے تبادلے کا حکم ہے''..... امجد نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

''ارے..... یہ کیا کہہ رہے ہو۔ یار وہ تو اچھا بھلا بندہ ہے''..... اُسی لہجے میں دوبارہ عابدی نے کہا۔

''بس سر جی۔ جانے دیں، آج کل صاحب کا موڈ بڑا سخت ہو رہا ہے۔ آئے روز ایسے آرڈر ہی مل رہے ہیں''..... اس نے عابدی کو بڑی رازداری سے بتایا۔

''اللہ خیر کرے۔'' کہتے ہوئے عابدی نے گرم گرم چائے کا گھونٹ حلق میں اُتارا۔ ''اچھا یار میں چلوں۔ ایک اسائنمنٹ پر جانا ہے''..... کہتے ہوئے اس نے جیب سے دس روپے کے دو نوٹ نکال کر چائے کی ٹرے میں رکھ دیے۔

''سر جی! یہ تو زیادتی ہے۔ دیکھیں ناں آپ نے.....'' امجد نے کہنا چاہا۔

''ارے بھائی ہوا اپنے یار..... کس چکر میں پڑ گئے''..... کہتے ہوئے عابدی خاموشی سے باہر آگیا۔

وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کے بجائے دوسرے راستے سے باہر نکل گیا اور اب اپنے وکیل دوست کی طرف کھانا کھانے جا رہا تھا۔

''بابا ڈینجر'' جب حکم کی تعمیل کروانے اعظم خان کے پاس پہنچا تو وہ اپنے سیکشن میں موجود دو تین دیگر رپورٹروں کے ساتھ کسی جنسی لطیفے پر قہقہے لگا رہا تھا جب بابا ڈینجر نے آفس آرڈر کی کاپی اُسے دے کر دوسری کاپی ''وصولی'' کے دستخط لینے کے لیے آگے بڑھا دی چونکہ اعظم خان کو جو آڈر ملا تھا وہ لفافے میں بند تھا اس لیے اس نے آفس کاپی پر سائن بغیر پڑھے ہی کیے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے لفافہ کھول کر پڑھنا شروع کیا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

اُردو صحافت اور سیاست کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی

اس کہانی کے کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں، اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الزمہ ہے

(قسط نمبر 5)

جیسے جیسے وہ آرڈر پڑھ رہا تھا اس کی رنگت تبدیل ہو رہی تھی۔ پانچ سطروں کے اس آرڈر میں اُسے بتایا گیا تھا کہ ادارے کی ضروریات کے تحت اُس کا تبادلہ ملتان آفس کے نیوز سیکشن میں بطور سب ایڈیٹر کر دیا گیا ہے۔ اُسے تاکید کی گئی تھی کہ 48 گھنٹوں کے اندر وہ ملتان آفس میں نیوز ایڈیٹر کو رپورٹ کرے۔ آرڈر پڑھ کر اُس نے بے بسی اور غصے سے سامنے نظر ڈالی جہاں اُس کے ساتھی رپورٹرز اُس کے چہرے پر نظریں جمائے اُس کے چہرے کے تاثرات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ انہیں اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ اعظم خان ''کڑکی'' میں پھنس گیا ہے گزشتہ روز سے وہ محسوس کر رہے تھے کہ کوئی بڑا دھماکہ ہونے والا ہے۔

''خیر تو ہے ناں خان جی''..... بالآخر سپورٹس رپورٹر پاشا نے ہمت کر کے پوچھ لیا۔ اعظم خان نے اُسی بے بسی اور غصے کے انداز میں اُس کی طرف دیکھا اور تین چار گالیاں نامعلوم دشمنوں اور حاسدوں کو دے کر خود پر ٹوٹنے والی قیامت سے باخبر کیا۔

تمام رپورٹرز اچانک ملنے والی اس ''خوشخبری'' سے چونکے۔ اُن کے لیے یہ خبر اندھے کے ہاتھ بٹیر لگنے کے مترادف تھی کیوں کہ اعظم خان نے اُن میں سے بیشتر کو صرف تنخواہ تک محدود کر دیا تھا جب جی چاہتا وہ کسی کی بھی BEAT بیٹ میں ہاتھ مار لیتا۔

''اچھا نہیں ہوا''

''مالک کی مرضی جی۔''

''بس جی یہاں کیا پتہ لگتا ہے''

''کوئی بات نہیں خان جی دو چار روز کے بعد صاحب کا غصہ ختم ہو جائے گا۔''

مختلف نوعیت کے منافقانہ تبصرے ہو رہے تھے اور اعظم خان جس کو اس اچانک صدمے سے اپنے ہارٹ فیل ہونے کا احساس ہونے لگا تھا اپنے غصے کو کنٹرول کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''خان صاحب آپ ایک مرتبہ صاحب سے مل تو لیں۔ ممکن ہے انہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہو''..... شمسہ خاتون نے جو اس سیکشن میں اُس کی واحد ہمدرد سمجھی جاتی تھی اور اعظم خان جس کے اکثر کام بڑی خوش دلی سے کر دیا کرتا تھا، کہا۔

باقی رپورٹر خاموش رہے البتہ وہ کن انکھیوں سے شمسہ کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے اُسے آنکھوں ہی آنکھوں میں کھا جائیں گے۔

اعظم خان نے ایک لمحہ کے لیے کچھ سوچا اور فوراً

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اُٹھ کر ''صاحب'' کے کمرے کی طرف چل دیا۔

''ماشاء اللہ بڑا صائب مشورہ دیا ہے''..... پاشا کا غصہ بے قابو ہو رہا تھا۔

''میڈم کے مشورے تو پھر بے مثال ہوتے ہیں ناں جی''..... بھٹی نے پھلجھڑی چھوڑی۔

''آہو جی! خان صاحب سے چالان بھی تو...'' چوہدری نامکمل فقرہ کہہ کر زہریلی مسکراہٹ سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔

''چوہدری صاحب اللہ کا خوف کریں۔ آپ کے تین بھانجوں کے لائسنس اُس نے بنوا کر دیے ہیں۔ میں نے تو ایک آدھ چالان کسی غریب کا معاف کروایا ہوگا۔ میرا تو کبھی ہوا نہیں۔'' شمسہ خاتون نے برملا جواب دیا تو چوہدری نے بے شرمی سے دانت نکال دیے۔

''آپ تو خوامخواہ برا منا جاتی ہیں ہر بات کا۔ بھئی ہم کولیگ ہیں ایک دوسرے سے بات تو کریں گے ناں''.. بھٹی نے لقمہ دیا۔

''آپ تو نہ ہی بولا کریں بھٹی صاحب..... کبھی کسی کے لیے کلمہ خیر تو آپ کے منہ سے نکلا نہیں''..... شمسہ کہاں چپ رہنے والی تھی۔

اچانک ہی چیف رپورٹر کی انٹری ہوئی اور سب ادھر متوجہ ہو گئے۔

''کیا بات ہے بھئی خیریت تو ہے۔ ماحول بڑا گرم لگ رہا ہے''.. اُس نے مکمل اجنبی بنتے ہوئے دریافت کیا۔

''سر جی یہاں کچھ لوگوں نے حلف لیا ہوا ہے کہ روزانہ کوئی بدمزگی ضرور پیدا کرنی ہے۔'' شمسہ نے جو چیف رپورٹر کے دائیں ہاتھ بیٹھا کرتی تھی قدرے تلخی سے کہا۔

''یہ آپ زیادتی کر رہی ہیں میڈم''..... چوہدری نے گرمی دکھائی۔

''اوئے یار کچھ مجھے بھی بتاؤ گے یا روٹین کی فلم چلانی ہے''۔ عابدی نے مداخلت کی۔

''اوہ سر جی! خبر تو بڑی دھماکے والی ہے۔ اعظم خان صاحب کا تبادلہ ملتان آفس میں ہو گیا ہے''..... پاشا نے چاہا کہ ماحول ٹھنڈا رہے۔

''اوہ! لیکن یار اس میں لڑنے والی کیا بات ہے۔ بھئی یہ ''روٹین میٹر'' ہے۔ پنڈی اور کراچی آفس کی یاترا تو میں بھی کر چکا ہوں۔ مالکوں کی مرضی ہے جہاں بہتر سمجھیں ہم سے کام لیں''..... عابدی نے اپنی چیف رپورٹری دکھائی۔

''اور کیا جی! نجانے چوہدری صاحب نے اسے کیوں اپنا ذاتی مسئلہ بنا لیا ہے۔ بھئی ہمکولیگ ہیں کسی سے اظہار ہمدردی کرنا کوئی بری بات تو نہیں''..... شمسہ نے اپنی باری لی۔

''ناں کیا مطلب ہے آپ کا؟ میری کوئی دشمنی ہے اُس سے۔ آپ تو خوامخواہ بات کا بتنگڑ بنا دیتی ہیں''۔ چوہدری کا غصہ بڑھ رہا تھا۔

''اور آپ؟''..... شمسہ نے طنزیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔

''پلیز میڈم! آپ میری بات میں ٹانگ نہ اڑایا کریں''..... چوہدری کا غصہ برقرار تھا۔

''مجھے ایسا کوئی شوق نہیں۔ پہل ہمیشہ آپ کرتے ہیں۔ سر آپ پوچھ لیں باقی دوستوں سے۔ کس کی غلطی ہے''..... شمسہ نے بات مکمل کر کے عابدی کی طرف دیکھا۔

''یار مٹی پاؤ۔ تبادلہ کس کا ہوا، لڑائی ہم نے شروع کر دی۔ چائے منگاؤ جی..... چائے..... بسکٹوں کے ساتھ۔'' پاشا نے معمول کی کارروائی ڈالی۔

''بوتلیں! بوتلیں۔'' بھٹی نے ترمیم کی۔

اس سے پہلے کہ چوہدری یا شمسہ کچھ کہیں، عابدی نے گھنٹی بجا کر چپراسی کو اندر بلا لیا۔

''ہاں جی! بتائیں اسے''۔ عابدی نے باری باری شمسہ اور چوہدری کی طرف دیکھا۔

''جا یار چھ بوتلیں لے آ پیپسی کی۔'' چوہدری نے دکھی دل سے چپراسی کی طرف دیکھا۔

''میرے لیے فنٹا''۔ بھٹی نے آواز لگائی۔

''میرے لیے نہ منگوائیں پلیز''..... شمسہ کا نخرہ برقرار رہا۔

''ارے میڈم جانے بھی دیں''۔ ''آپ کس چکر میں پڑ گئیں''..... جوئیہ نے جو ابھی تک خاموشی سے اپنے موبائل پر میسج پڑھ کر جواب دے رہا تھا اپنا حصہ ڈال دیا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ سیز فائر۔ سیز فائر''..... پاشا نے ٹریفک کے سپاہیوں کی طرح کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشاروں سے کہا۔

''ٹھیک ہے بل میں دوں گی۔ مجھے کسی کا احسان لینے کا شوق نہیں''..... شمسہ خاتون اتنی جلدی ہار ماننے والی کہاں تھی۔

''میں لعنت بھیجتا ہوں۔ کسی عورت کے پیسوں پر میں عیاشی نہیں کر سکتا''..... چوہدری اچانک پھٹ پڑا۔

اس سے پہلے کہ ماحول زیادہ گرم ہو۔ عابدی اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے ساتھ ہی باقی رپورٹر بھی اس تماشے کا باقاعدہ حصہ بن گئے اور تھوڑی دیر بعد چوہدری اور شمسہ دونوں سے دو دو سو روپے بطور ہرجانہ جمع ہو گئے، پروگرام یہ بنا کہ دوپہر کو باقی پیسوں سے کڑاہی گوشت منگوا لیا جائے گا۔

○

''اسلام وعلیکم سر جی''..... اشرف لنگڑے نے اپنی طرف آتے اعظم خان کو دیکھ کر کہا۔

''یار زرا صاحب سے ملا دو''..... اعظم خان نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''میٹنگ چل رہی ہے سر جی''..... لنگڑے کا جواب پہلے سے تیار تھا۔

''ٹھیک ہے میں ادھر بیٹھا ہوں جب صاحب فارغ ہوں ملا دینا''..... اعظم نے بظاہر ہتھیار ڈال دیے۔

''سر جی! معافی چاہتا ہوں۔ آج ممکن نہیں۔ صاحب نے میٹنگ کے فوراً بعد خواجہ صاحب کو اندر بلایا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ہے اس کے بعد انہوں نے چیف منسٹر ہاؤس جانا ہے وہاں بڑی اہم میٹنگ ہے..... کل انشاء اللہ صبح ہی ملاقات کروادوں گا''.....

اُس کے جواب سے اعظم نے اندازہ لگالیا کہ اشرف لنگڑے کو پتہ لگ گیا ہے اور اب وہ اُس کی اوقات کے مطابق اُس سے ڈیل کرے گا۔

''ٹھیک ہے، جیسے تمہاری مرضی''..... وہ بڑبڑاتا سیڑھیوں سے نیچے اُترنے لگا تھا۔ اچانک ہی اُسے خیال آیا تھا کہ اس مرحلے پر ''نقشبندی صاحب'' کی خدمات حاصل کی جائیں جنہوں نے روزنامہ ''فریب نظر'' میں نئی نئی انٹری ڈالی تھی لیکن نجانے اُس کے پاس کون سی گیدڑ سنگھی تھی کہ وہ جب بھی آفس آتا کاٹھا صاحب سے اس کی ملاقات آسانی سے ہوجاتی۔ اعظم خان کے ساتھ کیوں کہ نقشبندی کا نیا نیا معاشقہ شروع ہوا تھا اُس نے نقشبندی کے ذریعے ہی ''صاحب'' سے معافی تلافی کا ڈول ڈالنے کا فیصلہ کرلیا تھا جس کے بعد وہ کاٹھا صاحب کے اُن دوستوں تک رسائی حاصل کرتا جن کے درجنوں ناجائز کام وہ کرواچکا تھا۔

اُس نے فوراً نقشبندی کا نمبر ملایا اور اُسے فائیو سٹار ہوٹل پہنچنے کی درخواست کی۔ نقشبندی کو ابھی تک اس ''جادوئے'' کی اطلاع نہیں ملی تھی اُس کی تو باچھیں کھل گئیں، اعظم خان کے اثر و رسوخ سے وہ اچھی طرح آگاہ تھا اور اُس سے قریبی تعلقات کا شدت سے متمنی۔ وہ تو اعظم خان تھا جس نے اُسے ابھی تک کوئی خاص لفٹ نہیں کروائی تھی ورنہ تو وہ اپنی طرف سے اعظم خان کو متعدد پیشکشیں کرچکا تھا۔

''ابھی آیا خان صاحب..... ابھی حاضر ہوا''..... اُس نے بے چینی سے کہا اور قریباً دس منٹ بعد دونوں ایک دوسرے کے سامنے موجود تھے۔

نقشبندی اُسے زبردستی ''لابی'' سے اُٹھا کر ڈائننگ ہال میں لے گیا تھا جہاں اُس نے شاندار کھانا دونوں کے لیے اعظم خان کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود آڈر کردیا تھا۔ یہاں کے ویٹر اعظم خان سے بخوبی آشنا تھے انہوں نے بڑی پھرتی سے آرڈر کی تعمیل کی تھی۔ ابھی تک نقشبندی کے لیے اعظم خان کاٹھا صاحب کا مقرب کرائم رپورٹر ہی تھا اور وہ اُسے یہی پروٹوکول دے رہا تھا۔

''نقشبندی صاحب آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی'' جیسے ہی ویٹر نے اُن کی میز سجائی اعظم خان نے جوصلہ کیا۔

''او جی خان صاحب ہوتی رہیں گی باتیں۔ یہ فش لیں ناں، بڑی خاص ہوتی ہے ان کی فش..... بھئی مجھے تو بہت پسند ہے''..... یہ کہتے ہوئے اُس نے زبردستی اعظم خان کی پلیٹ میں مچھلی کے دو بڑے بڑے ٹکڑے ڈال دیے۔

''نقشبندی صاحب! میں نے تو آپ سے بڑی پکی دوستی لگانے کا فیصلہ کرلیا تھا لیکن ایک قیامت آن پڑی''..... اعظم خان نے تمہید باندھی۔

''کیا بات کررہے ہیں سرکار۔ حکم کریں ابھی قیامت دور کردیں گے۔ ہم تو دوستوں سے محبت کرنے والے ہیں خان صاحب!''..... نقشبندی نے اُسے فحش سا اشارہ کیا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اُس کی دو نمبر خواہشات بھی پوری کرسکتا ہے..... ''اپنا آنا جانا بڑے بڑے گھرانوں میں لگا رہتا ہے سرکار..... آپ تو جانتے ہیں مولا نے خصوصی کرم کرتے ہوئے دست شناسی کا فن عطا کیا ہے۔ میں صرف خاص لوگوں کے ہاتھ دیکھتا ہوں..... آپ اور آپ کے دوستوں کے لیے البتہ ہر وقت حاضر ہوں۔''

ندیم

اعظم خان جانتا تھا کہ نقشبندی اپنی نام نہاد دست شناسی اور پیش گوئیوں کے حوالے سے ''فریب نظر'' اور دوسرے اخبارات میں جھوٹی خبریں لگواتا رہتا تھا ممکن ہے اُس کے کوئی تیر تکے صحیح ثابت ہوتے ہوں لیکن شکل سے تو وہ پرلے درجے کا گدھا معلوم ہوتا تھا۔ اب اُسے اندازہ ہوگیا کہ آخر ''کاٹھا صاحب'' اُس کے طلسم میں کیوں پھنسے ہیں ظاہر ہے وہ انہیں اُن کی مرضی کے مطابق ''پیش گوئیاں'' سناتا ہوگا۔ چرب زبانی میں تو نقشبندی کا مقابلہ ہی نہیں تھا۔ ''نقشبندی صاحب مجھے یقین ہوگیا ہے کہ میں صحیح بندے تک پہنچ گیا ہوں۔''

یہ کہہ کر اُس نے نقشبندی کو اپنے تبادلے کے المیہ سے آگاہ کردیا اور بتایا کہ اُس کے حاسدوں نے چھپ کر حملہ کیا ہے اور اگر نقشبندی کاٹھا صاحب سے بات کرے تو یہ بلائل سکتی ہے جس کے بعد اعظم خان اُس کا بندہ بے دام بن جائے گا۔

نقشبندی کو یوں محسوس ہوا جیسے اچانک کسی نے کھانے کا ذائقہ بدل دیا ہو۔ اُس کے اُستاد نے اُسے ایک ہی تو گر سکھایا تھا کہ بیٹا کبھی زندگی میں ایک لمحہ بھی لنگڑے گھوڑے پر ضائع نہ کرنا۔ اپنے ایک ایک لمحے سے فائدہ اُٹھاؤ اور وہاں سرمایہ کاری کرو جہاں سو لگا کر ہزار فوراً واپس ملیں۔

''گزارش یہ ہے خان صاحب کہ ہم ہیں سیدھے بندے، لگی لپٹی رکھتے نہیں۔ میں نے شریف کاٹھا صاحب کا ہاتھ دیکھا ہے۔ ایسے لوگ اپنی دھن کے پکے اور بڑے ضدی ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ جو بات اُن کے منہ سے نکل جائے اُس پر اڑے رہتے ہیں۔ اگر میں نے آپ کی سفارش کردی تو آپ کے لیے مزید مشکلات کھڑی ہوجائیں گی۔ ویسے ہم دوستوں کے لیے جان دینے والے ہیں''.....

ابھی اُس کی بات مکمل ہی ہوئی تھی کہ اچانک اُس کا موبائل بجنے لگا۔

''بھئی یہ کون آگیا''..... نقشبندی نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور فون پر آئے نمبر کا جائزہ لینے لگا..... ''ہائیں! یہ تو گھر کا نمبر ہے..... ہیلو''.....

اُس نے فون کان سے لگایا اور دوسری طرف سے کوئی بات سن کر اُٹھ کھڑا ہوا، ''معاف کیجیے بڑی ایمرجنسی آن پڑی ہے.....'' اس نے فون پر ہاتھ رکھ کر اعظم خان سے کہا اور اُس کی طرف دیکھے بغیر فون کان سے لگائے باتیں کرتا کرتا لابی کی طرف نکل گیا جہاں سے کان سے موبائل لگائے ہوئے ہال سے بھی باہر نکل گیا۔ جس کا مطلب تھا کہ اب اُس نے واپس نہیں آنا۔

عام حالات میں ایسا ہوتا تو اعظم خان اُس کے کان پکڑوا کر جوتے مارتا لیکن یہ ''خاص حالات'' تھے اس کا خون کھولا لیکن اُس نے فی الوقت خون کے گھونٹ پینے ہی میں مصلحت جانی۔ نقشبندی کو جیسے ہی احساس ہوا کہ اُس کا تبادلہ ہوچکا ہے تو اس کی کایا کلپ ہوگئی۔ اتنی بے رحمی سے اعظم خان نے کسی کو زندگی میں آنکھیں ماتھے پر رکھتے نہیں دیکھا تھا اُس کا جی چاہا کہ کمبخت سے اتنا تو کہے کہ یہ تین ہزار کا بل اُس کا باپ ادا کرے گا، لیکن کچھ نہ کہہ سکا۔ اُس کی خوش قسمتی کہ سامنے سے مقامی ڈی ایس پی اُسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا جس کا مطلب تھا کہ اب اُس کے بل کا مسئلہ حل ہوگیا کم از کم اس ڈی ایس پی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ اعظم خان کے ساتھ کیا قیامت گزر گئی ہے۔

نقشبندی مین ہال سے نکلا اور قریباً بھاگتا ہوا پارکنگ تک گیا تھا جہاں اُس کی گاڑی کھڑی تھی۔ پھرتی سے اُس نے گاڑی نکالی اور اپنا راستہ ناپا۔ اب اُسے نئے کرائم رپورٹر پر سرمایہ کاری کرنی تھی۔ اُس کو اگر عشق

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

تھا تو سیٹ اور عہدے سے تھا۔ خواہ اُس سیٹ پر کسی انسان کے بجائے کوئی گدھا ہی کیوں نہ براجمان ہو۔

اعظم خان کا اگلا پڑاؤ جسٹس (ر) حبیب اللہ کا آستانہ تھا اُس نے جسٹس صاحب کی کاٹھا صاحب سے کچھ کم خدمت نہیں کی تھی کیوں کہ وہی کاٹھا صاحب کے سب سے قریبی دوست تھے۔ جسٹس صاحب نے اُس کی ساری گفتگو حیرانگی اور توجہ کے ساتھ سنی۔ انہیں سب سے زیادہ تکلیف اس بات سے ہوئی کہ اگر اعظم خان ملتان چلا گیا تو اُن کے کام کون کیا کرے گا اُن کے تینوں بیٹے تو امریکہ میں موجیں منا رہے تھے یہاں وہ اور بیگم صاحبہ اور دو کنال کی کوٹھی.....!

اعظم خان اُن کی کمزوری سمجھتا تھا اُس نے اپنی دانست میں بڑا پتہ پھینکا تھا۔

''سر جی! میں نے آپ کی اپنے والد صاحب کی طرح عزت کی ہے آپ کا ہر حکم مانا ہے۔ ہرر پورٹر ایسا نہیں ہوتا سر جی! نہ آپ ہر کسی سے اس طرح بات کر سکتے ہیں۔ میں تو آپ کے گھر کا بندہ ہوں''.....

جسٹس صاحب اور کاٹھا صاحب کی دوستی تیس سالوں پر محیط تھی، اُنہیں اپنے دوست کی خوبیوں اور خامیوں کا بھی بھرپور ادراک تھا۔ لیکن وہ بہر صورت اعظم خان کی لاہور میں موجودگی چاہتے تھے۔

''برخوردار! میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں واپس لاہور لے آؤں گا لیکن میری بات بہت دھیان سے سن لو۔''

انہوں نے بالآخر ایک فیصلہ پر پہنچنے کے بعد کہا۔

''جی سر! جی سر!''..... اعظم خان ہمہ تن گوش تھا۔

''کاٹھا صاحب کی عادت ہے وہ اپنی کسی بات پر'' ناں'' پسند نہیں کرتا خواہ غلط ہو یا صحیح۔ تم ایک مرتبہ اس کے احکامات مان لو اور ملتان چلے جاؤ۔ میں اگلے دس پندرہ دن کے اندر اندر اُسے تمہاری واپسی کے لیے منا لوں گا۔ یہ ہمارا وعدہ رہا۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آرڈرز کو منسوخ کروادوں ایسا تو ناممکن ہے اور اس کا تصور بھی نہ کرنا تمہیں ابھی شریف کاٹھا کا صحیح علم نہیں ہے''۔ انہوں نے حتمی بات کہہ دی۔

اعظم خان ٹھنڈی کر کے کھانے کا عادی تھا۔ اُس نے فوراً ہاں کہہ دی اور دفتر واپس آ کر ایک لفظ بھی اُس نے کاٹھا صاحب یا کسی اور کے خلاف نہیں کہا، بلکہ ادارے سے اپنی وفاداری کی تکرار کرتا رہا۔ اگلے روز اُس نے بوریا بستر باندھا اور عازم ملتان ہو گیا۔ دل میں اُس نے عہد کیا تھا کہ اس سازش کے تمام کرداروں سے گن گن کر بدلے لے گا۔

○

کھٹانہ کے لیے یہ کوئی بڑی خبر نہیں تھی کہ شریف کاٹھے نے بیس کنال زمین جو حکومت سے ہتھیائی ہے اُس کے پس منظر میں نمایاں ترین شخصیت نادرہ بیگم ہے۔ وہ اس کے بڑے بھائی سے بھی اچھی طرح آگاہ تھا اور جانتا تھا کہ دونوں بھائی بڑے دل پھینک قسم کے واقع ہوئے ہیں۔ بڑے بھائی صاحب تو دارو سے باقاعدہ شادی پر تیار ہو رہے تھے جب اُن کو اوپر سے بلاوا آ گیا۔ یہ بات بھی اُس کے علم میں تھی کہ نادرہ بیگم جو آج کل تحریک پاکستان کی بڑی لیڈر بنی ہوئی ہے اصل میں کون ہے؟ اور شہر کے کس کس کونے میں اس نے پلاٹ حاصل کیے ہوئے ہیں۔ اس پر تو گویا شہر کی امیر ترین عورت بننے کا بھوت سوار تھا۔

کھٹانہ نے شریف کاٹھے کی اس زیادتی اور بدتمیزی کو ہضم نہیں کیا تھا اور وہ اپنی ذلت کا بدلہ لینے کے لیے باؤلا ہوا جاتا تھا۔ اس کے آباؤ اجداد نے اسے یہی تعلیم دی تھی کہ اپنے دشمن کو کبھی معاف نہ کرو خواہ اپنا کچھ بھی باقی نہ بچے اُس کے گاؤں کے اردگرد درجنوں دیہاتوں کے بزرگ اور بچے اُس کے بڑوں کے کارناموں سے بخوبی آگاہ تھے اور ہر اہم پولیس افسر کو اس حقیقت کا بخوبی ادراک تھا کہ کھٹانہ اور اُس کے بڑے بوڑھے کس بے رحمی سے اپنے دشمنوں کا خاتمہ کرتے ہیں۔

اُس کے لیے کسی کو بھی قتل کروا دینا بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اُس کے ڈیرے پر ہر وقت پیشہ ور قاتل اور مفرور اشتہاری جمع رہتے تھے۔ اس علاقے میں اُن کا ڈیرہ ان اشتہاریوں کی سب سے محفوظ جائے پناہ تھی جہاں پولیس کی مداخلت کا کوئی امکان ہی نہیں تھا لیکن شریف کاٹھے کا وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا تھا البتہ اسے اُسی کے ہتھیار سے مارا جا سکتا تھا۔

نادرہ بیگم کو جب اُس کا فون ملا تو اُسے حیرانگی بالکل نہیں ہوئی اُسے حیرانگی تب ہوتی، اگر کھٹیانہ اُس سے رابطہ نہ کرتا کیوں کہ یہ بات وہ بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ شہر بھر کی بیگمات میں اُس کا بہرحال نمبر ون ہے اور خصوصاً اُس کی بیٹی بلقیس نے تو سارے شہر کی گھنٹی بجا دی ہے۔ اُس سے شہر کی سیاسی اور سماجی شخصیات کا رابطہ ہی اپنے کام سے ہوتا تھا بصورت دیگر کسی شریف آدمی کو اُس کی کیا ضرورت ہو سکتی تھی۔

دونوں کی ملاقات کھٹانہ کے گھر پر ہوئی تھی لیکن مکمل رازداری کے ساتھ..... کیوں کہ دونوں ہی اس حقیقت سے بخوبی آگاہ تھے کہ اگر یہ خبر آؤٹ ہو گئی تو دونوں کے لیے مسائل کھڑے کر سکتی ہے۔ نادرہ بیگم اپنے رازدار ڈرائیور کے ساتھ آئی تھی جو بیک وقت اس کا ڈرائیور، گارڈ اور کارخاص تھا اور دراصل اسی کے ذریعے کھٹانہ نے اُس سے اندر کی معلومات حاصل کی تھیں۔

''شریف کاٹھا صاحب میرے پاس تشریف لائے تھے پلاٹ کے سلسلے میں''۔

اُس نے ادھر اُدھر کی دو چار ہانکنے کے بعد اصل موضوع کی طرف آتے ہوئے نادرہ بیگم کو چونکا دیا اور وہ جان گئی کہ کھٹانہ کو اندر کی بات کا علم ہے کیوں کہ ابھی تک یہ نادرہ بیگم اور شریف کاٹھا کے درمیان ایک راز تھا۔ کھٹانہ نے بات جان بوجھ کر اُدھوری چھوڑی تھی تاکہ اُس کا ردعمل جان سکے لیکن نادرہ بیگم بھی ساری دنیا کھا کما کر بیٹھی تھی کیا مجال جو اُس نے ذرہ برابر بے چینی کا مظاہرہ کیا ہو۔

''ہاں۔ کاٹھا صاحب ہمارے دوست ہیں۔ وہ کافی عرصہ سے کہہ رہے تھے کہ خواتین کے حوالے سے بھی کچھ کام ہونا چاہیے..... دیکھئے ناں کھٹانہ صاحب پاکستان صرف مردوں نے تو نہیں بنایا ناں''۔ اُس

Scanned & Uploaded By Muhammad Nadeem

نے کھٹانہ کو اچانک ایسی بات کہہ دی جس پر وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔

''بات تو آپ کی بالکل صحیح ہے''..... کھٹانہ سمجھ گیا کہ عورت چالاک ہے اور اُسے اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ کھٹانہ کو اندر کی کہانی معلوم ہے۔

''میں تو سچی بات ہے زیادہ آتی جاتی نہیں کہیں..... ڈھول بجا کر خیرات کرنے کی عادت مجھے نہیں ہے۔ ویلفیئر کے کام تو آپ جانتے ہیں ہم شروع سے کر رہے ہیں۔ میری بیٹی تو باقاعدہ این جی او چلا رہی ہے.....'' اس نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد کھٹانہ کی طرف دیکھا۔

''یہی تو میں چاہتا ہوں محترمہ..... آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی۔ دیکھئے ناں ہوں تو میں بھی سیاستدان لیکن کہنے سے میں کبھی نہیں ڈرتا۔ اس لیے تو میری پارٹی کے اکثر لوگ بھی مجھ سے ناراض رہتے ہیں.....'' اُس نے تحسین طلب نظروں سے دارو کی طرف دیکھا۔

''ہاں جی! ہاں جی! آپ جیسے صاف گو لوگ اب کہاں رہ گئے ہیں''..... دارو نے اُس پٹوڈالنے کے لیے بات آگے بڑھائی۔

''میں آپ کے کام سے آگاہ ہوں۔ ماشاء اللہ آپ بیواؤں کے لیے بہت اچھا کام کر رہی ہیں لیکن المیہ یہ ہے محترمہ کے آپ جیسے اچھے لوگوں کے کام کا کریڈٹ کوئی اور لے جاتا ہے..... یہ بات مجھے پسند نہیں''..... اُس نے دارو کی دُکھتی رگ پر ہاتھ رکھا۔

''بس کھٹانہ صاحب آپ کی مہربانی آپ ایسا سوچتے ہیں۔ اللہ جانتا ہے مجھے تو ویسے بھی نام ونمود کی کوئی خواہش نہیں۔ اگر کسی کا بھلا ہو رہا ہے اچھی بات ہے جیسے بھی ہو''۔

کھٹانہ نے اُس کے جواب سے اندازہ لگا لیا کہ مرغی نے دانہ چگ لیا ہے۔

''دیکھئے محترمہ گزشتہ پندرہ سال سے میرا بھی کسی نہ کسی منسٹری سے تعلق رہا ہے اور اس شہر میں رہتا ہوں لیکن میں نے آپ سے آج تک رابطہ نہیں کیا نہ مجھے خوامخواہ کسی کے پھڈے میں ٹانگ اڑانے کی عادت ہے لیکن معاملات کچھ ایسے تھے کہ مجھے آپ کو زحمت دینا ہی پڑی''..... اُس نے ترپ چال کا پہلا پتہ دارو کی طرف پھینکا۔

''میں سمجھی نہیں کھٹانہ صاحب.....؟ اُس نے سوالیہ انداز میں کھٹانہ کی طرف دیکھا۔

''دیکھئے محترمہ ہم سیاستدان ہیں خصوصاً سرکار دربار سے پرانا تعلق ہے اور بہت سی ایسی اندر کی باتیں جانتے ہیں جن کا عام آدمی کو اندازہ بھی نہیں ہوتا۔ صورت حال یہ ہے کہ شریف کاٹھیا صاحب نے بیس کنال کا ایک پلاٹ حکومت سے مانگا ہے اور اپنی ڈیمانڈ کی بنیاد آپ کو بنایا ہے کہ آپ چونکہ تحریک پاکستان سے متعلقہ خواتین کی خدمت کرنا چاہتی ہیں اور آپ ہی اس کی اصل میں درخواست گزار ہیں۔ میرا عرض کرنے کا مطلب ہے انہوں نے خود کو صرف آپ کا سفارشی بنا کر پیش کیا ہے تاکہ کل کوئی بھی پھڈا ہو تو اُن کا دامن آلودہ نہ ہو اور سارا الزام آپ پر آئے.....'' آپ میری بات سمجھ رہی ہیں ناں۔''

اُس نے عجیب سی نظروں سے دارو کی طرف دیکھا جو اُس کی بات واقعی سمجھ گئی تھی اور جسے بخوبی اندازہ ہو گیا تھا کہ عاشقی معشوقی تو اپنی جگہ اصل میں کاٹھیا بڑی چالاکی سے اُسے مہرہ بنا کر اپنا اُلو سیدھا کر رہا ہے، پلاٹ وہ اس کے نام پر لے گا اور ملکیت شریف کاٹھیا کی ہو گی..... لیکن وہ بڑی زمانہ ساز عورت تھی۔ ایک طوائف سے شہر کی عزت دار خصوصاً تحریک آزادی کی مجاہد خواتین میں اپنا شمار برقرار رکھنے کے لیے بہرحال اُسے شریف کاٹھیا جیسے لوگوں کا کندھا درکار تھا اور وہ حنیف کھٹانہ کو بھی ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔

''دیکھیں ناں کھٹانہ صاحب اگر اتنے بڑے بڑے لوگ بھی ایسے کرنے لگیں تو پھر اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔ کاٹھیا صاحب کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ تو ہے۔ کیا کمی ہے اُن کو۔ کس بات کی۔ اُن کی مہربانی اگر وہ مجھے کسی قابل جانتے ہیں، ہم نے تو کھٹانہ صاحب کام ہی کرنا ہے۔ کریڈٹ نہ ملے کوئی بات نہیں لیکن کام ہونا چاہیے''.....

اُس کے جواب سے کھٹانہ سمجھ گیا کہ چالاک عورت ہے کھل کر کبھی سامنے نہیں آئے گی بہرحال یہ اُس کی کامیابی تھی کہ اُس نے میدے کی اس بوری میں پہلا سوراخ کر دیا تھا اب وہ حنیف کاٹھیا کے معاملات پر سنبھل کر چلے گی۔

''بجا فرمایا آپ نے۔ دیکھیں ناں جی مجھے بھی کسی سے کیا لینا دینا۔ اس شہر میں روزانہ ایسی درجنوں دارواتیں ہوتی ہیں ہمیں کیا..... وہ تو آپ کی عزت کرتے ہیں۔ آپ کے کام اور اخلاص کو سمجھتے ہیں اس لیے آپ سے بات کر لی۔ میری تو شدید خواہش ہے کہ آپ پارٹی کے لیے کام کریں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پہلے ہی الیکشن میں آپ اسمبلی میں ہوں گی.....'' کھٹانہ نے ترپ چال بھی چل دی۔

نادرہ بیگم ایک لمحے کے لیے لڑکھڑائی پھر سنبھل گئی۔ مقابلہ برابر کا تھا۔ اگر وہ اسمبلی میں پہنچ جاتی تو وزارت حاصل کرنا کھٹانہ جیسے ''دوستوں'' کی موجودگی میں اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اس نے کھٹانہ کی اس پیشکش کو سنجیدگی سے لیا لیکن حالات کا تقاضہ یہی تھا کہ ابھی وہ اس معاملے کو پینڈنگ (PAINDING) رکھے اور اُس نے ایسا ہی کیا۔

''شکریہ کھٹانہ صاحب آپ سے انشاء اللہ رابطہ رہے گا۔ اب مجھے اجازت دیں''..... وہ اُٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

''آپ جیسے مخلص دوستوں کی خدمت کر کے مجھے ہمیشہ خوشی ہوتی ہے نادرہ بیگم صاحبہ میرے دروازے آپ کے لیے ہمیشہ کھلے ہیں''..... کھٹانہ مسکرایا۔

وہ نادرہ بیگم کو خصوصی عزت دینے کے لیے پارکنگ میں کھڑی اُس کی گاڑی تک اُس کے ساتھ آیا تھا اور اُس کے لیے دروازہ بھی خود ہی کھولا تھا۔

○

مشتاق سرگانہ کے متعلق جنوبی پنجاب کا ہر باخبر شہری جانتا تھا کہ اُس کی اصلیت کیا ہے؟ کیسے محکمہ انہار کے ایک کلرک سے ترقی کر کے وہ ''فریب نظر'' ملتان کا ریذیڈنٹ ایڈیٹر بنا ہے لیکن یہ ماضی کی باتیں تھیں۔ اب تو صورت حال یہ تھی کہ عام حالات میں جنوبی پنجاب کے بڑے زمیندار جو اُسے اپنا مزارعہ رکھنا بھی پسند نہ کرتے اب اُس کی نگاہ کرم کے محتاج رہتے تھے۔ ٹیچرز سے تھانیدار اور پٹواری سے ڈی سی تک کا تبادلہ کروانے کے لیے انہیں مشتاق سرگانہ کی خدمات حاصل کرنا پڑتیں تھیں جو شریف کاٹھیا کی ناک کا بال بنا ہوا تھا۔

اس کی کامیابی کا راز نہ اُس کی قابلیت تھی اور نہ اُس کی سابقہ سرکاری ملازمت۔ سیدھی سی بات تھی۔ یہ تھا بزنس.....!

جی ہاں! جب ملتان سے ''فریب نظر'' کی اشاعت کا آغاز ہوا تو یہاں پہلے سے ایک بڑے اخبار نے اجارہ داری قائم کر رکھی تھی اور یہ ایسا علاقہ نہیں تھا جہاں لوگ ایک وقت میں دو اخبارات کا مطالعہ کرتے۔ اخبار کو زندہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

رکھنے کے لیے بزنس درکار تھا اور مشتاق سرگانہ کی ''انٹری'' بزنس کے ساتھ ہوئی تھی۔ اُس نے اخبار میں پارٹ ٹائم ''سپیمنٹ انچارج'' کی نوکری کی تھی۔

چرب زبان اور انتہائی چالاک، زمانہ ساز مشتاق سرگانہ نے اس شہر میں ہر قابل ذکر بندے سے کوئی نہ کوئی گانٹھ باندھ رکھی تھی وہ ان لوگوں کو میڈیا کی پاور سے آگاہ کرتا انہیں قائل کر کے اُن کے نام کا اشتہار بناتا اُن کی شان میں مختصر سا قصیدہ لکھتا اور اُن سے رقم کھری کر کے آدھے اخبار کو آدھے اپنی جیب میں ڈال لیتا۔ مہینے میں ایک مرتبہ لاہور کا چکر لگا کر شریف کاٹھا سے ملاقات کرنا، انہیں اخبار کی مکمل خفیہ رپورٹ دینا، اپنے کارناموں سے آگاہ کرنا اور لاشعوری طور پر انہیں قائل کرنا کہ اُس کے دم قدم سے ہی اخبار میں اشتہاروں کی رونق ہے ورنہ ملتان آفس کے کسی ایڈیٹر، سب ایڈیٹر کو تو کوئی پیسے لینے کے بعد بھی چیت رسید نہ کرے۔

شریف کاٹھا کو دولت کمانے کا نشہ تھا۔ ڈاکٹروں نے اُس کی بیماریوں کے پیش نظر اُس پر قریباً ہر قابل ذکر کھانے کی پابندی لگا رکھی تھی، اس کی جسمانی کمزوری ہر عضو پر غالب تھی لیکن ہوس روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ سارے شہر کو مرغی کے بچوں کی طرح اپنی بانہوں میں سمیٹنے پر تلا تھا۔ اللہ جانے اپنی کن محرومیوں کا بدلہ وہ اس ملک سے لینا چاہتا تھا۔

اُس کے نزدیک کسی بھی اخبار نویس کا علم، تجربہ، پیشہ وارانہ اہلیت کچھ اہمیت نہیں رکھتی تھی البتہ اُس کی ''پی۔آر'' اور بزنس حاصل کرنے کی صلاحیت ہی اُس کی ترقی اور تنزلی کا معیار بنتا تھا۔ مشتاق سرگانہ اُس کے دماغی چوکھٹے میں ٹھک سے فٹ ہو گیا۔ ایڈورٹائزمنٹ منیجر سے جنرل منیجر اور ایک روز جب اخبار سے ہر قابل ذکر بندے کو اُس نے ایک ایک کر کے رخصت کروا دیا تو کاٹھا صاحب نے اُس کے نازک کندھوں پر ایڈیٹری کا بوجھ ڈال دیا۔

مشتاق سرگانہ کے ایڈیٹر بنتے ہی ''فریب نظر'' تو چیتھڑے میں تبدیل ہو گیا لیکن اُس کا بزنس سابقہ ریکارڈ توڑنے لگا۔ سارا شہر اُس سے ناراض لیکن شریف کاٹھا کانوں تک راضی تھا۔ اُسے ہر ماہ اکاؤنٹس برانچ سے رپورٹ ملتی تھی کہ ملتان کا پرچہ بزنس کے حساب سے ''اے ون'' جا رہا ہے۔ مہینے میں کم از کم ایک مرتبہ کسی نہ کسی موسمی پھل کا ٹوکرا مشتاق سرگانہ کی طرف سے ''صاحب'' کے دولت خانے پر الگ سے پہنچ جایا کرتا تھا۔ جس پر اُس کی کبھی ایک چونی بھی نہیں خرچ ہوئی تھی۔ یہ بوجھ اُس کے ''صحافتی مریدین'' اُٹھایا کرتے تھے جو مکھیوں کی طرح اُس کی ذہنی گندگی پر بھنبھناتے تھے۔

یوں تو یہ علاقہ صرف آم کی فصل کے لیے شہرت رکھتا تھا۔ وہ تو سیزن کے آغاز سے اختتام تک مہینے میں دو تین مرتبہ ''صاحب'' کے دولت خانے پر پہنچ جاتے تھے لیکن مشتاق سرگانہ ماں کا چکر باز تھا۔ اُس نے ہر موسمی پھل ملتان سے دریافت کر لیا تھا۔ سوہن حلوے سے کنو تک کے تحائف وہ سرائیکی بیلٹ کے کسی نہ کسی علاقے سے منسوب کر کے بطور سوغات ''صاحب بہادر'' کے دربار میں پہنچ دیا کرتا تھا۔

ہیڈ آفس میں اشرف لنگڑا اس کا ''کارخاص'' تھا جس کے گھر الگ سے تحائف اور سرگانہ صاحب کی آمد پر نقد خدمت الگ سے کی جاتی تھی۔ اشرف لنگڑے سے سرگانہ روزانہ رات کو فون پر بات کر کے دن بھر کی ''کارروائی'' کی مکمل رپورٹ لیا کرتا تھا۔ ''صاحب'' کے روز بروز بدلتے خیالات، پسند ناپسند، دفتر میں اُس کے نمبر زیادہ اُس کے کم ہو رہے ہیں، اکاؤنٹس برانچ سے سرکولیشن اور پریس تک کون کیا جھک مار رہا ہے۔ کون ما

''سٹیشن'' اس کی برابری کر رہا ہے۔ ''صاحب'' کو کتنے خط اس کے خلاف آئے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ایک ایک تفصیل وہ سرگانہ تک پہنچاتا اور اپنا ''بخرہ'' وصول کرتا تھا۔

اس روز بھی وہ معمول کی رپورٹ لے رہا تھا جب اچانک اُس کے کان کھڑے ہو گئے ''سر جی! صاحب نے اعظم خان کا تبادلہ ملتان کر دیا ہے ذرا بچ کے رہنا۔ آپ تو جانتے ہی ہیں ناں''... اشرف لنگڑے نے رازدارانہ لہجے میں بتایا تھا۔

''بے فکر رہو یار! ادھر ہم کسی کو بدمعاشی نہیں کرنے دیتے تو اُدھر کی فکر رکھنا، اور ہاں کوئی خط ''صاحب'' کی میز تک نہ پہنچے۔'' سرگانہ نے اپنا لہجہ نارمل رکھتے ہوئے اس سے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ اعظم خان کو اچھی طرح جانتا تھا۔ لاہور آفس میں وہ تب سے جا رہا تھا جب اعظم خان یہاں پر پروف ریڈر بھرتی ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا ''صاحب'' اور اُس کے دوستوں کو اعظم خان نے اپنے جال میں پھانسا ہوا ہے لیکن اُسے اس بات کی اُمید نہیں تھی کہ ''صاحب'' اس طرح اچانک اُسے ''نشو پیپ'' کی طرح استعمال کے بعد ''ڈسٹ بن'' میں پھینک دے گا۔ اُس کے نزدیک ملتان آفس ''فریب نظر'' کا ڈسٹ بن ہی تھا۔

اعظم خان کی صاحب سلامت اس سے تھی۔ اخبار کے ہر قابل ذکر بندے سے اُس کی دعا سلام ضرور رہتی تھی۔ وہ ہر ایسے بندے سے خصوصی تعلقات لکھتا تھا جو شریف کاٹھا کے نزدیک سمجھا جائے۔ سیزن میں جن لوگوں کے گھروں پر اُس کی طرف سے آموں کے ٹوکرے جاتے تھے اُن میں اعظم خان بھی شامل تھا لیکن وقت آنے پر آنکھیں ماتھے پر رکھنا ہی مشتاق سرگانہ کا وہ ہتھیار تھا جس نے آج تک اُسے ہر میدان میں سرخرو رکھا تھا اُس نے تو ''فریب نظر'' میں انٹری ڈالنے کے فوراً بعد اپنے غریب رشتہ داروں پر اپنے گھر اور دفتر کے دروازے بند کر دیے تھے عام لوگوں کی تو بات ہی کچھ اور تھی ....

اعظم خان بھی کوئی معمولی جوتھ نہیں تھی۔ وقت آنے پر گدھے کو ابا جان بنانے پر اُسے مہارت تامہ حاصل تھی۔ وہ ملتان صرف وقت گزارنے اور ''صاحب'' کو یہ احساس دلانے آیا تھا کہ وہ اس کا تابعدار ملازم ہے۔ اُسے تو واپس لاہور آنا اور اپنا چھینا گیا ''اعزاز'' واپس لینا تھا۔ ملتان تو اُس کے ایجنڈے میں شامل ہی نہیں تھا۔ اُس نے اگلے ہی روز مشتاق سرگانہ کے آفس میں حاضری ڈال دی جس نے اس کا استقبال بے پناہ منافقانہ مسکراہٹ اور کھلے دل سے کیا۔

''سائیں! ہم تو دیہاتی بندے ہیں۔ پیروں، فقیروں کی نگری کے رہنے والے صوفی لوگ ہیں۔ ہمیں زیادہ چالاکیاں ہوشیاریاں نہیں آتیں۔ بس اپنے کام سے کام رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو پسند کرتے ہیں جو اپنے کام سے کام رکھیں''... بالآخر اس نے بین السطور میں اعظم خان کو اپنا میسج دے دیا جس کے لیے وہ ذہنی طور پر پہلے ہی سے تیار تھا اُسے علم تھا کہ وہ کوئی ''صوفی'' شاہ اللہ نہیں جس کے لیے وہاں سرخ قالین بچھائے جائیں گے ظاہر ہے مشتاق سرگانہ اس سے محتاط رہے گا خواہ اُس کے ارادے اچھے ہوں یا برے۔

''سرگانہ صاحب میرے ایک دو مہینے کٹوا دیں۔ انشاء اللہ اسی دوران میں ''صاحب'' کو راضی کر لوں گا نہ کر سکا تو پھر اپنے گاؤں واپس چلا جاؤں گا۔ میرے بڑے بوڑھے کوئی صحافت تو کرتے نہیں آئے۔ ہر بھی کھیتی باڑی کرنے والے لوگ ہیں۔ گھر کا دانا پھکا موجود ہے۔ اللہ اللہ خیر صلا''... اُس نے اُٹھتے ہوئے کہا اور

Scanned By Muhammad Nadeem

سلام کر کے کمرے سے باہر آ گیا۔

سرگانہ کو اُس نے بظاہر تو یقین دلا دیا تھا کہ وہ یہاں صرف مسافر بن کر آیا ہے اور اپنا وقت گزار کر چلا جائے گا لیکن مشتاق سرگانہ جو ایک کلرک سے قومی اخبار کا ریذیڈنٹ ایڈیٹر بنا تھا کے اُستاد نے اُسے پہلا گر یہی بتایا تھا کہ کبھی کسی پر مکمل اعتبار نہیں کرنا بس ایک حد تک ہی جانا ہے اس لیے اُس نے پہلے سے اپنے نیوز ایڈیٹر کو اُس کے متعلق بھرپور بریفنگ دے دی تھی اور اُس کے لیے ''کام'' بھی نکال لیا تھا۔ جو اُسے تحریری اور زبانی دونوں صورتوں میں بتا اور پہنچا دیا گیا۔

''خان صاحب آپ سینئر بندے ہیں ہماری کیا مجال ہے آپ کو آپ کی جاب بتائیں''..... نا ئے قد اور ڈھلتی عمر کے گنجے سر والے نیوز ایڈیٹر نے اُس سے کہا.....

''وہ تو ٹھیک ہے وٹو صاحب اگر آپ ایسا سمجھتے ہیں تو آپ کا شکریہ لیکن نوکری تو پھر نوکری ہی ہے ناں''..... اعظم خان نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا۔

''سر! آپ اخبارات کی مانیٹرنگ سنبھال لیں۔ یہاں لوگ بڑے نکھٹو ہو رہے ہیں۔ آپ نے ''میسنگ'' MISSING پر نشان لگانے ہیں تا کہ ہم ان کے کان کھینچنے والے ہو جائیں۔ دیکھیں ناں خان صاحب آپ تو ہیڈ آفس سے آئے ہیں۔ آپ جانتے ہیں اس شہر میں اخبار کا معیار برقرار رکھنا کتنا مشکل کام ہے۔ سرگانہ صاحب دن رات کام کرتے ہیں لیکن کبھی کبھی ایک آدھ ''میسنگ'' سے ہم شرمندہ ہو جاتے ہیں..... آپ نے ذرا توجہ سے کام کیا تو انشاء اللہ ہمارا یہ سلسلہ بھی ٹھیک ہو جائے گا''..... نیوز ایڈیٹر وٹو نے بڑی مکاری سے اپنے سگرٹوں سے دانتوں کی نمائش کی۔

اعظم خان کا دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس کے منہ پر پوری قوت سے تھپڑ رسید کرے جس نے اس کے سینئر ہونے کا مذاق اُڑاتے ہوئے اُسے کلریکل جاب پر لگا دیا تھا، لیکن وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اُس نے زبردستی اپنے چہرے پر مسکراہٹ برقرار رکھی۔ لیٹر پکڑا اور اپنی سیٹ پر آ گیا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ سرگانہ اُس سے خوفزدہ ہے اور اُسے کوئی ایسی پیشکش نہیں دینا چاہتا جس سے اعظم خان کو اس شہر میں ''پی۔آر'' کرنے کا موقع ملے.....

رپورٹنگ اور ڈیسک دونوں پر یہ چانسز موجود تھے اور مشتاق سرگانہ کو یہ خطرہ تھا کہ کہیں اعظم خان کو نقب لگانے کا کوئی موقعہ نہ مل جائے۔ مانیٹرنگ میں اس کو کسی کے ''منہ ملاحظے'' کا موقعہ ہی نہیں مل سکتا تھا۔

وہ ساری زندگی صبح دس گیارہ بجے سے پہلے سو کر کبھی نہیں اُٹھا تھا۔ یہاں اُسے سب سے پہلے قریباً آٹھ ساڑھے آٹھ بجے آ کر دس بارہ اخبارات کی ایک ایک خبر پڑھ کر اپنے اخبار سے اُن کا مقابلہ کرنا تھا کہ کوئی خبر ''فریب نظر'' میں شائع ہونے سے تو نہیں رہ گئی جو کسی دوسرے اخبار میں شائع ہو چکی ہے۔

اُس نے یہاں اپنے ایک دور کے رشتہ دار کے گھر قیام کیا تھا۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ اس کا یہ ماموں سرکاری ملازم تھا جس کے اوقات کار صبح آٹھ بجے شروع ہوتے تھے۔ اعظم خان زندگی میں پہلی مرتبہ الارم لگا کر سویا۔ اُسے رات دیر گئے تک ہونگنے کی عادت تھی نیند کہاں سے آتی۔ ابھی آنکھ بمشکل لگی ہی تھی جب الارم بجنے لگا۔ مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق وہ بمشکل ہمت کر کے اُٹھا زبردستی غسل کیا اور اپنے دور پار کے ماموں کی موٹر سائیکل کے پیچھے بیٹھ کر اپنی جان کو روتا ہوا دفتر پہنچ گیا۔

دفتر کیا تھا پندرہ بیس مرلے کی ایک پرانی ہندو پراپرٹی تھی جس پر کاٹھا صاحب نے قبضہ جما رکھا تھا۔ اعظم خان دفتر پہنچا تو دو سکیورٹی گارڈ مین گیٹ کے پاس

بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ وہ اُسے دیکھ کر حیران رہ گئے۔ جب اعظم خان نے اپنا تعارف کروایا تو انہیں بمشکل یقین آیا۔

''سر جی ہمیں تو کسی نے نہیں بتایا''..... ایک سکیورٹی گارڈ نے لمبی جمائی لیتے ہوئے کہا۔

اعظم خان نے بمشکل اپنے غصے پر کنٹرول کیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کس عذاب میں گرفتار ہو گیا ہے۔

''ٹھیک ہے میں اوپر جا رہا ہوں۔ اخبار وہاں پہنچا دینا''..... اس نے بمشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے کہا۔

پہلی منزل پر وہ ہال کمرے میں پہنچا تو سارا ہال ''بھائیں بھائیں'' کر رہا تھا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے یہاں کوئی جن پھر گیا ہو۔ آخری شفٹ والے اچھا خاصا گند ڈال کر گئے تھے۔ میزیں اخبارات سے اور فرش سگرٹوں کے ٹوٹوں سے بھرے پڑے تھے۔ ہال میں دو بلیاں ٹریش کی ٹوکریاں بھنبھوڑتی پھر رہی تھیں جہاں رات کی شفٹ والوں نے کھانے کے بعد ہڈیاں پھینکی ہوئی تھیں اُس کی اچانک اور بے وقت آمد پر بلیوں نے باری باری عجیب سی نظروں سے اُسے گھور کر دیکھا اور دوبارہ اپنے کام میں جت گئیں۔ ابھی تک کوئی چپراسی بھی دفتر نہیں پہنچا تھا۔

اعظم خان دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر اپنی میز کے سامنے دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔ اُس نے اپنے تھکے ہارے بدن کو ذرا آرام دینے کے لیے ابھی بمشکل کروٹ بدلی تھی کہ کرسی سمیت زمین پر آن پڑا۔ کیوں کہ کرسی کی کمر پہلے سے ٹوٹی ہوئی تھی جسے بمشکل ایک پیچ سے کس کر سہارا دیا گیا تھا جو اُس کے بوجھ کو برداشت نہ کر سکا۔

غصے سے اعظم خان کے منہ سے گالیوں کا فوارہ پھوٹا اور بمشکل وہ اپنے کپڑے جھاڑتا دوسری کرسی چیک کرنے کے بعد اُس پر بیٹھ گیا۔ اُس کی قمیص اور پتلون دونوں خراب ہو رہی تھی۔ ابھی اپنی جھاڑ پونچھ مکمل کی تھی جب اُسے نذر حسین چپراسی اپنی طرف آتا دکھائی دیا جس کے ہاتھ میں اخباروں کے بنڈل تھے۔ پہلی نظر میں نذر حسین اُسے کوئی مانگنے والا فقیر دکھائی دیا جو غلطی سے آفس میں گھس آیا تھا۔ اُس کے سر پر بالوں کی جگہ جٹائیں بندھی تھیں جن سے تیل ٹپک رہا تھا اور چہرے پر مہندی رنگ کی داڑھی۔ سبز رنگ کی چولا نما قمیص اُس نے پہن رکھی تھی۔

''یا علیؓ مدد جی''..... اُس نے اعظم خان کو اونچی آواز سے سلام کیا۔

''کون ہو تم؟ بے ساختہ اعظم خان کے منہ سے نکلا۔

''نوکر ہیں سرکار آپ کے۔ نذر حسین نام ہے فقیر کا۔ آپ کا چپراسی ہوں جی''

اُس نے ایسے مخصوص انداز سے یہ فقرے کہے جنہوں نے فوراً نذر حسین کی پہچان کروا دی۔ اعظم خان حیران تھا کہ اُسے کسی مزار پر گانے بجانے کا دھندہ کرنے کے بجائے آخر یہاں نوکری کرنے کی کیا سوجھی۔ یہ تو اُسے بعد میں علم ہوا کہ نذر حسین یہاں کا اشرف لنگڑا ہے۔

''یہاں صفائی نہیں ہوتی''..... اعظم خان نے قدرے غصے سے کہا۔

''ہوتی ہے سرکار۔ دس بجے بوٹی خاں آئے گا سرکار..... ابھی تو ساڑھے آٹھ بجے ہیں جی''..... نذر حسین نے اپنے مخصوص لہجے میں جواب دیا۔

''تم کیا کرتے ہو یہاں۔ مم میرا مطلب ہے تمہیں میرے متعلق بتایا ہے'' صاحب نے''

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اُس نے اگلا سوال داغا

''جی سرکار..... جی سرکار..... مولا خیر کرے آپ افسر ہیں جی ہمارے۔

حکم ملا تھا آپ کو صبح فائل پہنچانے کا... میں سیدھا دربار پاک سے ادھر آ گیا ہوں سرکار..... اخبار حاضر ہیں اور کوئی حکم مالکو؟''۔ اس نے اپنے مخصوص انداز میں قریب میز پر دھرے بنڈلوں میں سے ایک بنڈل اُس کی طرف بڑھایا۔

''یہ میز ذرا صاف کر دو..... اور ٹائم سے آ جایا کرو..... مجھے تو انہوں نے آٹھ بجے آنے کا کہا ہے.....'' اعظم خان نے اس سے کہا۔

''مالک ہیں جی۔ جو دل چاہے کہہ دیں۔ اخبار کے دفتر میں کون آٹھ بجے آتا ہے سرکار۔ آپ بھی آرام سے نو بجے کے بعد آیا کریں جی''۔ نذر حسین نے اُس سے کہا۔

اعظم خان نے اندازہ کر لیا کہ بندہ کام کا ہے اور اس کی مدد سے دو چار دن نکالے جا سکتے ہیں۔ اُس نے اپنی جیب سے سو کا نوٹ نکال کر اُس کی طرف بڑھا دیا۔

''نذر حسین یار میرے لیے ایک کڑک چائے لے آنا۔ ایک بند مکھن اگر مل جائے تو..... ابھی تو ناشتہ بھی نہیں کیا۔ اپنے لیے بھی کچھ لے لینا''.....

''مولا خیر کرے سرکار''..... نذر حسین نے قریباً جھپٹتے ہوئے نوٹ پکڑا اور ہال سے نکل گیا۔

اُس کی واپسی قریباً پندرہ منٹ بعد ہوئی وہ اعظم خان کے لیے ایک ٹوٹی ہوئی چینک میں چائے اور مکھن بند لے کر آیا تھا۔ ان حالات میں یہ بھی غنیمت تھا وہ یہاں ایک قیدی کی زندگی جینے پر مجبور تھا اس کے علاوہ کچھ اُس کے اختیار میں نہیں تھا۔ ابھی چائے کا پہلا گھونٹ ہی بھرا تھا جب اچانک ایک طوفان بدتمیزی اندر در آیا۔

یہ بوٹی خاں تھا۔ اس آفس کا واحد سویپر، بوٹی خاں اونچی آواز میں فلمی گانا گاتا ہال میں داخل ہوا۔ اُس کے منہ میں سگریٹ اور ہاتھ میں جھاڑو پکڑا ہوا تھا۔ اندر وہ نذر حسین کے ساتھ ایک اور شخص کو دیکھ کر چونکا۔ یہ اُس کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔ اس دفتر میں تو گیارہ بجے سے پہلے کوئی چپراسی نہیں آتا تھا یہ نو بجے کون آ گیا؟

''ٹھہر جا اوئے''..... نذر حسین نے بوٹی خاں کو للکارا اور اُسے بتایا کہ یہ اعظم خان صاحب اُن کے افسر ہیں لاہور سے آئے ہیں اور اب وہ صبح صبح دفتر آیا کریں گے۔

''او۔ کے سر جی'' یہ کہہ کر بوٹی خان نے ایک نگاہ غلط انداز اُس پر ڈالی اور ہال کے دوسرے کونے میں چلا گیا۔ اُس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ نذر حسین نیچے چلا گیا تھا اور اب اپنی قسمت کو روتا اعظم خان اخبارات کا مطالعہ کر رہا تھا اُس نے لاہور میں کبھی فائل کا منہ نہیں دیکھا تھا صرف اپنی خبر کی تصدیق کے لیے اپنا اخبار دیکھا کرتا تھا اب بیٹھے بٹھائے یہ مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔

''کوئی بات نہیں خان صاحب۔ کبھی دادے کی اور کبھی باپے کی۔ انشاء اللہ جلدی واپسی ہو گی بھرپور واپسی''۔ اُس نے خود سے کہا اور اپنے موبائل پر جج صاحب کا نمبر ملانے لگا۔

''سر جی! آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے میں ملتان آ گیا ہوں جی۔ خیال رکھنا سر جی۔ صاحب سے ذرا جلدی معاملہ ہو جائے تو بہت شکر گزار ہوں گا سر...

اُس نے جج صاحب کے آگے اپنا ڈکھڑا رویا اور فون بند کر دیا کیوں کہ بوٹی خاں اب صفائی کے لیے اُس کے میز سے اُٹھنے کا منتظر تھا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

اُردو صحافت اور سیاست کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی

اس کہانی کے کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں، اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الزمہ ہے

نقشبندی یوں ہی منہ اُٹھا کر نادرہ بیگم کے گھر نہیں آیا تھا۔ یہ اُس کا اصول تھا کہ وہ اپنے کسی بھی ٹارگٹ تک پہنچنے سے پہلے اُس سے متعلق مکمل معلومات سے خود کو لیس کر کے ہی اس پر حملہ آور ہوتا تھا۔ دارو کوئی پہلی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ایسی عورت نہیں تھی جو اُس کا ''اگلا شکار'' بننے والی تھی۔ پرانا کھلاڑی تھا اُس کی زندگی میں ایسی درجنوں عورتیں پہلے بھی آچکی تھیں اور اُس نے اُن تمام کا حسب توفیق بہترین استعمال کیا تھا جب اُن سے اچھی طرح رس نکال لیا تو پھوک کوڑے پر پھینک کر اگلے گھر کی طرف چل دیا۔ اُس کی اب تک کی کامیابی کا راز ریاکاری، منافقت، معلومات اور چرب زبانی تھا۔ چاروں ہتھیار بڑے کارگر تھے اور نقشبندی جانتا تھا کس کو کہاں اور کیسے استعمال کرنا ہے۔

''اگلے دو تین ماہ میں آپ کے ساتھ دو بہت اہم واقعات پیش آئیں گے۔'' اُس نے اپنے سامنے دھرے سفید کاغذ پر اُلٹے سیدھے الفاظ لکھے، لکیریں کھینچنے کے بعد اپنی واسکٹ کی جیب سے ایک چھوٹی سی لیکن خاصی قیمتی اور خوبصورت تسبیح نکال کر اس پر رکھی۔ آنکھیں بند کر کے بظاہر استغراق کا تاثر دیا اور تسبیح اُٹھا کر چومی آنکھوں سے لگائی اور آنکھیں کھول کر اس طرح نادرہ بیگم سے کہا، جیسے اُسے ابھی ابھی بشارت ہوئی ہو۔

نادرہ بیگم نے حیرت اور تجسس سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔ ''میں سمجھی نہیں نقشبندی صاحب''!

''دیکھئے محترمہ! ہم اپنی مرضی سے تو کچھ کہتے سنتے نہیں۔ یہ تو مرشد کا اَمر ہوتا ہے۔ ہم تو اپنے مرشد کے دربار میں سائل کا کیس پیش کرتے ہیں۔ ناں میں کوئی خاندانی نجومی ہوں نہ ہی میرے خاندان میں دور دور تک کوئی عامل دکھائی دے گا۔ میں تو اچھی بھلی سرکاری نوکری کر رہا تھا۔ بابا جی سرکار سے ملاقات کیا ہوئی بس اُنہی کا ہو کر رہ گیا۔ جب تک آپ زندہ رہے اُن کی خدمت میں بیٹھا رہا دنیا سے پردہ فرمانے سے پہلے حکم دے گئے کہ اپنی پرانی زندگی میں واپس چلے جاؤں میں تو ساری زندگی اُن کی قبر پر بسر کرنا چاہتا تھا.....''

اُس نے مخصوص مواقع کے لیے مخصوص بیانات رٹے ہوئے تھے، نقشبندی کی زمانہ ساز آنکھوں نے نادرہ بیگم کے چہرے کی بدلتی کیفیت سے اندازہ لگا لیا تھا کہ اُس کا پہلا حملہ ہی بڑا کامیاب رہا ہے۔

''ماشاء اللہ نقشبندی صاحب وہ تو دکھائی دے رہا ہے۔ آپ اللہ والے ہیں کاٹھا صاحب نے بھی یہی فرمایا تھا اور وہ کوئی عام آدمی تو ہیں نہیں'' نادرہ بیگم خاصی متاثر ہو رہی تھی۔

''بس جی کرم فرمائی ہے اُن کی۔ آپ تو جانتی ہیں بڑے بڑے لوگ اُن سے ملاقات کے لیے قطاروں میں کھڑے ہوتے ہیں۔ اس فقیر کو خود یاد کرتے ہیں۔ میں تو مرشد کے امر سے کبھی کبھی کالم دینے آتا ہوں۔ کاٹھا صاحب نے ہدایت کر رکھی ہے کہ جب دفتر میں دکھائی دوں فوراً مجھے پیش کیا جائے۔ میں تو کوشش کرتا ہوں نظر بچا کر نکل جاؤں بڑے آدمی ہیں۔ مصروف بندے ہیں لیکن کیا کریں جی اشرف جان کو آجاتا ہے.....'' اُس نے اگلا حملہ کیا۔

''ماشاء اللہ! ماشاء اللہ! آپ نے جو فرمایا ہے۔ اس کا تعلق کسی مم میرا مطلب ہے کس بات سے ہے''..... وہ کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن ڈھنگ کے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''سیاست سے..... آپ کی ناموری سے۔ عزت، منصب سے۔ بیگم صاحبہ میرا مولا جسے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔ انسانوں کے بس میں کیا ہے سوائے باتیں کرنے کے۔'' اُس نے پھر گول مول سبھات کہہ دی۔

نقشبندی کو اس فن میں کمال حاصل تھا۔ ایسی گھما پھرا کر بات کرتا تھا کہ سننے والا چکرا کر رہ جائے۔ اُسے کچھ سمجھ نہ آئے اور وہ سمجھنے کا دعویٰ بھی کرتا پھرے۔

''سبحان اللہ نقشبندی صاحب۔ سبحان اللہ۔'' نادرہ بیگم واقعی قابو آگئی تھی اُس نے نقشبندی کے سامنے ہمہ اقسام کی نعمتیں سجا دی تھیں۔ نقشبندی کھانے کا کتا تھا۔ وہ کھانے کے لیے زندہ رہنے والوں میں شمار ہوتا تھا لیکن اُس کی اداکاری کا تقاضا تھا کہ یہاں وہ بے نیازی کا مظاہرہ کرے۔ گو کہ اُس کی رال ٹپک رہی تھی لیکن اُسے فی الوقت خود پر جبر کرنا تھا تاکہ ایک دو انڈوں کے بجائے سونے کے انڈے دینے والی مرغی پر ہی آسانی سے قبضہ جما سکے۔

''اللہ آپ کے رزق، مال، جان میں اضافہ فرمائے۔ میرے مرشد پاک کی دعا سے آپ کے لیے خیر ہی خیر ہوگی لیکن فقیر معافی مانگتا ہے ہم یہ کچھ کھا نہیں سکتے.....'' اُس نے نادرہ بیگم کو بتایا کہ اُس کے مرشد نے مرنے سے پہلے حلف لیا تھا کہ وہ کبھی کسی سے نہ کوئی پیسہ دھیلا لے گا نہ ہی اپنی اوقات سے بڑھ کر کھانا کھائے گا۔ پندرہ بیس منٹ کی لچھے دار گفتگو سے اُس نے نادرہ بیگم کو اس طرح شیشے میں اُتار لیا تھا کہ وہ اُس کے ''مرشد کی قبر'' پر جانے کے لیے بے قرار ہونے لگی تھی جس کا ریڈی میڈ جواب اس نے پہلے سے تیار کر لیا تھا۔

''عورتوں کو اجازت نہیں..... نوچندی کی جمعرات کو میں مرشد کے مزار پر ''کشف قبور'' کرتا ہوں۔ آپ کی خواہش مرشد پاک کے دربار میں عرض کر دوں گا جو حکم ملا اُس کی تعمیل ہو جائے گی''.....

نقشبندی نے اُسے پوری طرح قابو کر لیا تھا۔ اب اُسے فیصلہ کرنا تھا کہ نادرہ بیگم کا کیسے کم سے کم لیکن بہترین نتائج کا حامل استعمال کرے اور وہ اس کے لیے اپنے شیطانی ذہن میں منصوبہ بندی کر رہا تھا نادرہ بیگم کے بضد ہونے پر وہ زبردستی قریباً دو گھنٹے اُس کے پاس بیٹھا رہا پھر نادرہ بیگم کے ''ناں ناں'' کرنے کے باوجود معذرت کر کے باہر آگیا۔

عین اُن لمحات میں جب وہ اپنی گاڑی میں سوار ہو رہا تھا۔ کھٹانہ کی گاڑی نادرہ بیگم کی کوٹھی کے پورچ میں داخل ہو رہی تھی اس نے ایک پگھلتی نظر نقشبندی پر ضرور ڈالی اور حیران بھی ہوا کہ اس حلئے کا بندہ کرولا کار میں سوار ہو رہا ہے لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے یہ خیال اپنے دماغ سے جھٹک دیا۔ اُسے اس سے کیا لینا دینا کہ یہ کون ہے؟ اور نادرہ بیگم کے ہاں کیا کر رہا ہے؟

نادرہ بیگم اُس کی اچانک آمد سے چونکی اور پھر سنبھل گئی۔ آج پہلی مرتبہ کھٹانہ بغیر اطلاع دیے، اُس کے گھر آیا تھا۔ یہ خبر اُسے چوکیدار نے دی تھی جو نقشبندی کے باہر نکلتے ہی گیٹ بند کر کے اُس سے پوچھنے آیا تھا کہ کھٹانہ صاحب کے متعلق کیا حکم ہے؟

''اندر بھیج دو''..... اُس نے کندھے اُچکاتے ہوئے لاپرواہی سے کہا اور پھر اس سوچ میں اُلجھ گئی کہ کھٹانہ اُسے اطلاع دیے بغیر کیسے آگیا۔

''السلام وعلیکم جی''..... کھٹانہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہی قدرے بے تکلفی سے کہا۔

''جی کھٹانہ صاحب..... کیا حال ہیں، آپ کے۔ آپ نے بڑا سرپرائز دیا۔ میرا مطلب ہے اس طرح اچانک۔ وہ تو اچھا ہوا ورنہ میں تو تھوڑی دیر بعد شاپنگ کے لیے نکلنے والی تھی'' وہ دل کی بات زبان پر لے ہی آئی۔

''او جی! بس کیا عرض کروں۔ آپ کی شخصیت ہی ایسی ہے کہ جو ایک دفعہ مل لے دوبارہ ضرور ملنے کی خواہش کرتا ہے، میں ادھر وڑائچ صاحب کی والدہ کی تعزیت کرنے آیا تھا۔ آپ کے نزدیک ہی رہتے ہیں..... آپ سے اگلے بلاک میں بنگلہ ہے اُن کا..... واپس جا رہا تھا سوچا یہاں تک آ ہی گیا ہوں تو آپ سے بھی صاحب سلام ہو جائے۔ ہے تو زیادتی اطلاع نہیں

Scanned By Muhammad Nadeem

دے سکا۔ وہ بات یہ ہے میڈم کہ ہم ٹھہرے دیہاتی لوگ زیادہ ادب آداب، رکھ رکھاؤ ہمیں کہاں آتا ہے۔ آپ نے برا تو نہیں منایا.....'' کھٹانہ بھی بڑا کاریگر بندہ تھا بات گھما پھرا کر اپنا اُلو سیدھا کرنے کے فن میں تو ماسٹر تھا وہ.....

''اوہ تو تو! میرا مطلب یہ نہیں تھا کھٹانہ صاحب۔ آپ کا گھر ہے، جب جی چاہے تشریف لائیں۔ تھوڑی دیر پہلے آتے تو آپ کو ایک دلچسپ شخصیت سے ملاتی۔ بڑے اللہ والے ہیں نقشبندی صاحب''..... کھٹانہ اچانک ہی چونکا جیسے کھاتا کھاتے منہ میں اچانک کنکر آگیا ہو۔

''اچھا جی! کون ہیں یہ ذات شریف''.....؟ اُس نے تجسس ظاہر کیا۔

''میری بھی دو چار روز پہلے ہی اُن سے اچانک کاٹھا صاحب کے دفتر میں ملاقات ہوئی تھی.....'' وہ بولتی جارہی تھی لیکن کھٹانہ کے دماغ نے خطرے کی گھنٹی بجادی تھی۔ وہ سوچ رہا تھا یہ ضرور کوئی بڑا وار دیتا ہے جو ایک ہی ملاقات کے بعد اُس کے گھر تک پہنچ گیا۔ کیا گیدڑ شکھی دکھادی ہے اُس نے نادرہ بیگم کو۔ ...

کھٹانہ کا مخصوص مائنڈ سیٹ تھا۔ اُس نے زندگی میں کبھی کسی چیز کو مثبت انداز سے لیا ہی نہیں تھا۔ بدی اُس کی سرشت میں دور اندر تک گھسی ہوئی تھی۔ وہ جرائم پیشہ پس منظر رکھنے کی وجہ سے زندگی کو ہمیشہ منفی انداز سے دیکھنے کا قائل تھا اُس کے دماغی سانچے میں کوئی بات مثبت انداز میں کم ہی فٹ بیٹھتی تھی کوٹھی کے دالان میں داخل ہوتے ہوئے وہ نقشبندی پر ایک نظر پڑنے سے بھی چونکا تھا۔

''کہاں کھو گئے آپ کھٹانہ صاحب''.....شاید نادرہ بیگم کو احساس ہوگیا تھا کہ کھٹانہ اُس کی طرف متوجہ نہیں۔

''کہیں نہیں جی۔ آپ کی بات سن رہا تھا، دیکھئے ناں میڈم ہم گناہگار لوگ ہیں۔ ایسے اللہ والوں کا ذکر سنیں تو ملنے کو تو دل چاہتا ہی ہے ناں''..... اُس نے اچانک ہی پینترا بدلا۔

''لو جی..... یہ کون سی مشکل بات ہے۔ میں ابھی انہیں فون لگاتی ہوں۔ بڑے ہی سیدھے بندے ہیں، کھٹانہ صاحب، کوئی ناز نخرے والی بات ہی نہیں۔ میں کہہ دوں گی خود ہی آپ سے مل لیں گے'' نادرہ بیگم نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''ضرور۔ ضرور۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ دیکھیں ناں جی، میں تو کہتا ہوں کہ نیک بندوں کے ساتھ جتنا وقت گزرے وہ عبادت ہی میں گزرتا ہے۔ اللہ بخشے قبلہ والا صاحب فرمایا کرتے تھے اب مجھے پورا تو یاد نہیں رہا وہ کیا تھا کہ ''یک زمانہ صحبت با اولیا''۔ یعنی نیک بندوں کی صحبت میں کچھ وقت گزارنا ساری زندگی کی ریاضت سے اچھا ہوتا ہے۔ شاید یہی مطلب تھا اس کا.....'' اُس نے داد طلب نظروں سے نادرہ کی طرف دیکھا۔

''واہ کھٹانہ صاحب، آپ نے تو میرے دل کی بات کہہ دی، لگتا ہے آپ کے والد بھی آپ کی طرح اللہ والوں کی صحبت بہت پسند کرتے تھے''..... اللہ جانے اُس نے طنز کی تھی یا تعریف لیکن کھٹانہ کچھ دیر کے لیے خوش ضرور ہوگیا کہ اُس نے نادرہ بیگم کو متاثر کر ہی لیا۔

نادرہ بیگم کی خادمہ خاص اشیائے خورد و نوش کی ٹرالی گھسیٹتی اندر لے آئی تھی۔ جس کے بعد وہ اُلٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔ نادرہ بیگم نے خود پلیٹ میں اُسے کیک کا ٹکڑا ڈال کر دیا تھا۔

''میں میٹھا زیادہ کم کھاتا ہوں لیکن آج موقع کی مناسبت سے کھانا ہی پڑے گا۔ جلدی مٹھائی خود لے کر حاضر ہوں گا''..... کھٹانہ نے اگلی بات کہنے کی تیاری مکمل

کرتے ہوئے کہا۔

نادرہ بیگم نے استفسار بھری نظریں اُس کی طرف اُٹھائیں۔

''میڈم جی! میں نے کل چیف منسٹر صاحب کو اعتماد میں لے لیا ہے۔ وہ بلقیس صاحبہ کے ٹکٹ کے لیے راضی ہوگئے ہیں لیکن فی الوقت ہم یہ بات باہر نہیں نکالنا چاہتے۔ آپ تو جانتی ہیں سیاست جیسا بے اعتبار کھیل اور کوئی نہیں ہوتا۔ سو جن سو دشمن۔'' اُس نے بڑی راز داری سے نادرہ کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

نادرہ بیگم ایک لمحے کے لیے تو سناٹے میں آگئی۔ اُس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ کھٹانہ اتنی تیزی دکھائے گا۔ وہ تو خود منسٹری کے خواب دیکھ رہی تھی۔ یہاں تو گنگا ہی اُلٹی بہنے لگی تھی اُس نے سوچا تھا کہ مناسب موقع دیکھ کر حنیف کاٹھے کو اعتماد میں لے کر اپنے لیے خواتین کی مخصوص نشستوں میں سے ایک سیٹ نکلوالے گی جو کاٹھا کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا اور جب اُس کا نام پہلے ہی سے اناؤنس ہوجائے گا تو کھٹانہ کو اُس کی بیٹی کے مسئلے میں پسپائی اختیار کرنا پڑے گی لیکن یہ تو اُس سے بھی بڑا شاطر نکلا۔ ابھی الیکشن میں چھ سات ماہ باقی تھے اور اُس نے دانہ پھینک دیا تھا۔ اس مرحلے پر اگر نادرہ بیگم کوئی چال چلتی تو سیدھی سیدھی اپنی بیٹی بلقیس سے دشمنی لینے والی بات تھی۔ جس نے خلاف توقع اپنی اوقات سے بہت بڑے خواب دیکھنے شروع کردیے تھے اُس نے اپنی والدہ کو کھٹانہ سے ملاقات کے بعد صاف صاف کہہ دیا تھا کہ اب وہ بھول کر بھی اپنے پرانے دھندے سے کوئی رشتہ نہیں جوڑے گی اور خصوصاً ہیرا منڈی کی جائیداد فروخت کرنے کے لیے فوری قدم اُٹھانے کو بھی کہہ دیا تھا۔ وہ ماضی سے کوئی رشتہ برقرار نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

''شکریہ کھٹانہ صاحب، میں آپ کی ہمیشہ احسان مند رہوں گی۔'' اُس نے خود پر جبر کرتے ہوئے کھٹانہ سے کہا۔

کھٹانہ نے ایک لمحے ہی کے لیے سہی اُس کے چہرے کی بدلتی کیفیت کا نوٹس لے لیا تھا اور اُس کے اس شک کی تصدیق ہوگئی تھی کہ نادرہ بیگم اس مرحلے پر اپنی بیٹی کو سامنے لانے کے بجائے خود سامنے آنا چاہتی تھی۔

''اب مزہ آئے گا کھیل کا''.....کھٹانہ نے دل ہی دل میں کہا۔

دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ نادرہ بیگم نے بڑی مشکل سے خود کو نارمل رکھا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کھٹانہ صاحب رخصت ہوگئے نادرہ بیگم کو اُس کے حال پر چھوڑ کر.....''

Scanned By Muhammad Nadeem

○

تیسری مرتبہ اُس کے گھر واپڈا والے آئے تھے یہ الگ بات کہ چوکیدار نے انہیں ''جج صاحب گھر پر نہیں ہیں'' کہہ کر بمشکل رخصت کیا تھا۔ کیونکہ آنے والے جج صاحب کا میٹر چیک کرنے پر بضد تھے۔ شام کو جب جج صاحب لان میں چہل قدمی کرنے کے بعد چائے پی رہے تھے تو وہ دبے پاؤں اُن کے پاس گیا اور انہیں بتایا کہ آج پھر واپڈا والے آئے تھے۔

''ڈیم اٹ''..... جج صاحب کو غصہ آگیا لیکن اچانک انہیں خیال آیا کہ انہیں تو ریٹائر ہوئے آج آٹھ سال ہو جائیں گے۔ اس لیے وہ کسی کے خلاف ''سوموٹو'' تو لینے سے رہے۔

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اعظم خان نے گزشتہ پانچ سال سے اُن کی موجیں لگا رکھی تھیں کیا مجال جو کبھی اُن کا بل دو ہزار روپے کی نفسیاتی حد'' عبور کر پایا ہو۔ کبھی بارہ سو کبھی پندرہ سو اور اُن کے دولت خانے پر ایک وقت میں کم از کم تین ایئر کنڈیشنر تو بہرصورت حرکت پذیر رہتے تھے۔ جب تک اعظم خان ''فریب نظر'' کے لاہور آفس میں رہا کسی کی مجال نہیں تھی کہ اس گھر کے نزدیک بھٹک جاتا۔ اب یہ عجیب بپتا آن پڑی تھی۔

گرمیوں کا آغاز بڑا بھرپور تھا اور قرائن بتا رہے تھے کہ اس مرتبہ کمر توڑ اور اعصاب شکن گرمی پڑے گی۔ حکومت نے آج کل یوں بھی بجلی چوروں کے خلاف زبردست مہم چلائی ہوئی تھی اگر جج صاحب کا میٹر چیک ہو جاتا تو لاکھوں جرمانے کے علاوہ جگ ہنسائی الگ سے ہوتی۔ جج صاحب اُن کی بیگم صاحبہ اور بڑے صاحبزادے تینوں بلڈ پریشر اور شوگر کے مریض تھے جن کے لیے اے۔ سی کے بغیر زندگی بسر کرنے کا تصور ہی محال تھا۔ اگر کبھی اُن کا صرف جینوئن بل ہی آگیا تو جس بے رحمی سے وہ اے۔ سی استعمال کرتے تھے بل پچیس تیس ہزار روپے ماہانہ سے کم ہرگز نہ آتا جبکہ جج صاحب پورے سال میں بھی اتنا بل ادا نہیں کرتے تھے انہوں نے چوکیدار کو سابقہ حکم کے ساتھ باہر بھیج دیا اور خود چائے کو تیزاب کی طرح حلق میں انڈیلنے لگے ابھی دو تین گھونٹ ہی اندر گئے تھے جب میز پر دھرے اُن کے موبائل نے رینگنا شروع کر دیا۔ جج صاحب نے جھک کر دیکھا نمبر میاں صاحب کا تھا جو اُن کے خصوصی دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ انہوں نے فوراً فون اُٹھا لیا۔

''ہاں جی میاں صاحب''..... جج صاحب نے ہمیشہ کی طرح بے تکلفی سے کہا۔

''یار! یہ کیا مصیبت آگئی ہے۔ تین دن سے میرے گھر میں واپڈا والے چکر لگا رہے ہیں۔ وہ کہاں گیا تمہارا وہ لڑکا..... کیا نام تھا اُس کا۔ وہ ''فریب نظر'' اخبار والا''..... میاں خاصا گھبرایا ہوا تھا۔

جج سمجھ گیا کہ اُس کی طرح اُس کے باقی بجلی چور دوستوں کی بھی کمبختی آگئی ہے اور اس عذاب سے انہیں سوائے اعظم خان کے اور کوئی نہیں چھڑا سکتا تھا۔ اعظم خان کو اُس کے دشمنوں نے بالآخر ملتان دھکیل دیا تھا۔

''میاں یار ادھر ہی آجا..... معاملہ خاصا خراب ہے۔ مل کر کچھ کرتے ہیں۔'' انہوں نے میاں صاحب کو مختصر جواب دیا۔

''کیا مطلب ہے تیرا..... ناں کیا کہہ رہا ہے یار تو.....'' میاں ہارٹ کا مریض تھا جس کی سانس باتیں کرنے سے بھی پھولنے لگی تھی۔

''یار سمجھا کر..... فون پر بات نہیں ہو سکتی..... گھر آجا..... میں باہر ہی بیٹھا ہوں لان میں..... پانچ منٹ کا فاصلہ ہے۔ باقی باتیں یہیں کریں گے۔'' جج صاحب نے فون بند کر دیا۔

میاں صاحب نے فوراً جیب سے شیشی نکال کر زبان کے نیچے ایک گولی رکھی خود کو نارمل کیا اور ڈرائیور کے ساتھ جج کے گھر کی طرف عازم سفر ہوئے۔ میاں صاحب جب جج صاحب کے گھر پہنچے تو وہ بے چینی سے پہلے سے اُن کے منتظر تھے۔

''اوئے کوئی نیا پھڈا تو نہیں پڑ گیا''..... میاں ابھی تک گھبرایا ہوا تھا۔''

''تجھے اس لیے کسی دوائی سے آرام نہیں آتا کہ تیری بیماری جسمانی سے زیادہ ذہنی ہے۔ یار کتنی مرتبہ تجھے کہا ہے حوصلہ رکھا کر..... ہر بات میں شک نہ کیا کر''..... جج صاحب اور میاں صاحب میں خاصی بے تکلفی تھی۔

جج نے اُسے آرام سے سمجھایا کہ اُس کے گھر بھی واپڈا والے چکر لگا رہے ہیں اور یہی حال ملک کے گھر کا بھی ہے لیکن جس رپورٹر نے اُن کی موجیں کروائی ہوئی تھیں اس کا تبادلہ کاٹھا صاحب نے ملتان کر دیا ہے۔

''اوئے دماغ تو خراب نہیں ہو گیا اُس کا۔ اُس کے تو گٹر ہی بند ہو جائیں گے سارے..... وہ تو بہت کام کا لڑکا تھا۔'' میاں نے بے چینی سے پہلو بدل کر کہا۔

''یار تو جانتا ہے ناں کاٹھا صاحب کو۔ جب اُس کا دماغ خراب ہونے پر آئے تو بغیر وجہ کے ہو جاتا ہے''..... جج نے تبصرہ کیا۔

میاں کاغذ کا ڈیلر اور ''فریب نظر'' کو نہ صرف کاغذ سپلائی کرتا تھا بلکہ اُن کے کوٹے کا نیوز پیپر بلیک میں فروخت کرنے کی خدمات بھی انجام دیا کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے اُس کی عزت کاٹھا صاحب کی نظروں میں دوسروں سے بہرحال کچھ زیادہ ہی تھی۔

''میں تو کہتا ہوں ملک کو بھی بلا لو اور ابھی چلتے ہیں کاٹھا صاحب کے گھر۔ اس وقت وہ چائے پی رہا ہوگا۔ دفتر میں بات نہیں بنے گی''..... جج نے بالآخر اُسے اعتماد میں لیتے ہوئے کہا۔

''بات تو تیری بالکل ٹھیک ہے یار!''..... میاں صاحب نے ہامی بھری اور دوسرے ہی لمحے وہ موبائل پر کاٹھا صاحب سے رابطہ کر رہا تھا۔

''جناب عالی! کیسے مزاج ہیں آپ کے..... ہاں جی! ہاں جی! کوئی بات ہی نہیں کاٹھا صاحب..... آپ سمجھ لیں پوری لاٹ میں نے خرید لی..... اوجی مسئلہ ای کوئی نئیں..... آپ کی طرف آنہ جائیں۔ جج صاحب کے گھر بیٹھا ہوں''..... اُس نے فوراً بات آگے بڑھائی اور فون بند کر دیا۔

''چلو جی! ملک کو کہہ دو۔ وہیں پہنچ جائے۔ کاٹھا گھر پر اکیلا ہی ہے۔ کوئی اور مصیبت نہ آجائے''..... میاں نے فون بند کرتے ہی کہا۔

دونوں میاں صاحب کی گاڑی میں ہی کاٹھا صاحب کی کوٹھی کی طرف چل دیے۔ جہاں ملک پہلے ہی سے اُن کا منتظر تھا اُس کا گھر کاٹھا صاحب کے قریب ہی تھا اور واک کرتا وہاں پہنچ گیا تھا۔ اُن کی خوش قسمتی تھی کہ وہ بڑے شاندار موقع پر یہاں آئے تھے۔ حنیف کاٹھا نے حال ہی میں دھونس دھاندلی اور بلیک میلنگ کے ذریعے حکومت سے نیوز پرنٹ کا بڑا لمبا چوڑا کوٹہ لیا تھا اس کا مال پاکستان پہنچنے والا تھا جہاں اُس کے لاکھوں کروڑوں میں تبدیل ہوتا تھے۔ اس سارے نیوز کی بلیک مارکیٹ میاں صاحب کے ذریعے ہونی تھی جو اُس کے اعتماد کا خاص بندہ اور اُن کا پرانا دلال تھا۔ گو کہ میاں بھی ایسے سودے میں اپنا منہ ٹھیک ٹھاک کالا کیا کرتا تھا پھر بھی وہ مارکیٹ میں سب سے زیادہ منافع دینے والا بندہ تھا۔ کاٹھا صاحب نے دو تین مرتبہ اپنے دلال تبدیل کر کے دیکھ لیے تھے میاں جیسا مزہ اُسے اور کسی کے ساتھ نہیں

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

آتا تھا گزشتہ دس بارہ سال سے وہ مستقل اُس کے ساتھ کام کر رہا تھا۔

میاں کاٹھا ازلی کمینہ تھا جس کا تینوں کو اچھی طرح علم تھا۔ اس لیے جب اُس نے انہیں اپنے لان میں بچھی لوہے کی کرسیوں پر بٹھا کر اگلے ہی روز ایک دیسی ادویات بنانے والی کمپنی کی طرف سے معمول کے مطابق ''تحفے'' میں آئی شربت کی بوتلوں میں سے ایک بوتل سے شربت بنوا کر انہیں پلایا جس میں شربت برائے نام اور پانی بے پناہ تھا تو تینوں نے زہر کے گھونٹ سمجھ کر اپنے حلقوم میں صبر شکر سے اُتار لیا۔ ملک اور جج صاحب میاں کو اشارے کر رہے تھے کہ وہ مطلب کی بات کر دے۔

''اور تو سب خیریت ہے ناں میاں صاحب''؟ کاٹھا نے اُس سے پوچھا۔

''اوہ کاٹھا صاحب خیریت کیا خاک ہونی ہے۔ تین دن سے گٹر کا عذاب پڑا ہوا ہے آپ جانتے ہیں ہمارے علاقے کی سیوریج لائنیں ٹھیک نہیں۔ اُدھر واپڈا والے جان کو آ گئے ہیں'' میاں نے تمہید باندھی۔

''کاٹھا صاحب کیا عرض کریں۔ میرے گھر کے فون کی لائنیں ہی کٹ گئی ہیں کوئی کھدائی ہو رہی تھی اور غلطی سے وہاں بھی کلہاڑا چل ملک بولا۔

''ہمارا تو جی اللہ کے فضل سے ٹرانسفارمر ہی اکثر خراب رہتا ہے'' جج صاحب نے بھی اپنا حصہ ڈال دیا۔

''بھئی آپ میرے چیف رپورٹر سے بات کریں ناں''..... کاٹھا نے گردن پھلائی۔''

''اوہ جی کیا عرض کریں کاٹھا صاحب۔ اللہ بھلا کرے وہ کیا نام ہے اُس لڑکے کا..... اعظم خان۔ وہ یہاں ہوتا تھا تو ہمیں کچھ کہنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی۔ اشارے سے کام ہو جاتا تھا..... کاٹھا صاحب مہربانی کریں جناب اگر اُس نے کوئی غلطی کی ہے تو معاف کر دیں۔''

''کاٹھا صاحب مہربانی کریں جی''..... ملک نے بھی زبان کھولی۔

''ہاں جی۔ اچھا لڑکا ہے بے چارہ۔ غلطی تو ہو ہی جاتی ہے بچوں سے''..... جج صاحب نے آخری حملہ کیا۔

حنیف کاٹھا بڑا زمانہ ساز بندہ تھا وہ جان گیا کہ کہ اصل میں یہ سب دو نمبریے اعظم خان نے قابو کیے ہوئے ہیں لیکن اس مرحلے پر جب کہ اُس کا مال کراچی پہنچنے والا تھا اور میاں نے اُس کے لاکھوں کو کروڑوں میں تبدیل کرنا تھا اس کے لیے دریا دل ہونا لازم تھا۔

''ٹھیک ہے بھئی اگر آپ تینوں دوست سفارش کر رہے ہیں تو میں انکار کرنے والا کون ہوں..... بلا لیتے ہیں اُسے واپس''..... اُس نے فراخدلی کا مظاہرہ کیا اور کچھ دیر بعد تینوں وہاں سے رخصت ہو گئے۔

گھر پہنچنے پر جج صاحب نے سب سے پہلے اعظم خان کا نمبر ملایا۔ اعظم خان کے لیے اپنے فون پر جج صاحب کی کال بڑی خوشگوار حیرت کا باعث تھی کیونکہ اب وہ اُس کے کسی کام تو آ نہیں سکتا تھا۔ یہاں اُس کی زندگی صحیح معنوں میں جہنم بنی ہوئی تھی۔ اُس نے کسی خوش گمانی کی اُمید پر ہی کال اٹینڈ کی تھی کیونکہ گزشتہ تین روز سے وہ ملتان کے ہر قابل ذکر دربار شریف، درگاہ عالیہ پر اپنی لاہور واپسی کی دعائیں مانگ رہا تھا۔

''السلام وعلیکم سر جی''..... اُس نے بڑے ادب اور اُمید بھرے لہجے میں سلام کیا۔

''لو جی خان صاحب ہم نے آپ کا کام کروا دیا ہے.....'' جج نے حسب توقع اُس کے سلام کا جواب دینے کی زحمت کیے بغیر ہی جواب دے دیا۔

''اچھا سر''..... اعظم خان کو اچانک اپنے دل کی

دھڑکنیں بے قابو ہونے کا احساس ہوا۔

''سر جی! میں آپ کا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھلا سکتا۔ ساری زندگی آپ کا تابعدار رہوں گا سر جی!''..... اُس نے قریباً اُندھے ہوئے گلے سے کہا۔

''ارے یار اس میں جذباتی ہونے والی کیا بات ہے۔ تم تیاری کرو۔ کل آرڈر آ جائے گا واپسی کا''.....

اعظم خان نے نجانے کتنی مرتبہ اُس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فون آف کیا تھا۔ خوشی کے مارے وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔ اس کے لیے ملتان، کراچی، لاہور، پشاور کوئی اہمیت نہیں رکھتے تھے۔ اُسے نوٹ چھاپنے کا فن آتا تھا اور وہ کسی بھی جگہ آسانی سے اپنا کام کر سکتا تھا لیکن لاہور اُس کی پرسٹیج کا سوال بن گیا تھا۔ وہاں اُس نے خاصا اثر و رسوخ بنا لیا تھا اور ایک طرح سے وہ ''فریب نظر'' کا بے تاج بادشاہ بن گیا تھا۔ اُس کا تبادلہ اُس کے حاسدوں اور دشمنوں کی فتح تھی لیکن اُس کی چند ہی دنوں میں واپسی اور سابق سیٹ پر بحالی سے اُس کے دشمنوں پر جو بجلی گرنے والی تھی اُس کے تصور ہی نے اعظم خان پر سرشاری طاری کر دی۔ اب اُسے اگلے روز کا انتظار تھا کیونکہ ''صاحب'' کے آفس آنے کے بعد ہی روزانہ کے احکامات جاری ہوتے تھے۔

وہ رات اعظم خان نے ایک فاتح کی حیثیت سے گزاری تھی۔ اُس نے فون آنے کے بعد سے اب تک کسی کام کو ہاتھ نہیں لگایا تھا جیسے ہی سرگانہ صاحب دفتر آئے تھوڑی دیر بعد وہ چپڑاسی کو نچوڑ دیکر اس کے کمرے میں جا گھسا۔ سرگانہ یہاں کا نوجدار تھا اُسے اعظم خان کی یہ حرکت پسند نہیں آئی لیکن اُس کی سنیارٹی کی وجہ سے خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اگر کسی مقامی ملازم نے یہ حرکت کی ہوتی تو اب تک اُس کی چھٹی ہو جاتی۔

''خیریت خان صاحب..... اُس نے غصے پر قابو پاتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''خیریت ہی ہے سرگانہ صاحب'' اعظم خان نے اُس کے سامنے کرسی پر اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا..... ''دراصل آپ ہمارے دوست ہیں میں نے سوچا اب یہ ڈرامہ ختم ہی کر دوں..... میرا مطلب ہے اس کا ڈراپ سین ہو جائے''؟ سرگانہ چونکا۔ اعظم خان نے بڑا نفسیاتی حملہ کیا تھا۔

''میں سمجھا نہیں خان صاحب'' اُس نے چونک کر پوچھا۔

''دیکھئے سرگانہ صاحب آپ بھی پرانے بندے ہیں جانتے ہوں گے کہ مالک بالآخر مالک ہی ہوتا ہے خواہ وہ ملازم کا رشتہ دار ہی کیوں نہ بن جائے۔ میرا تبادلہ وغیرہ سب فراڈ تھا میں کل واپس جا رہا ہوں۔ یہاں مجھے ایک ''خاص مشن'' پر بھیجا گیا تھا''..... اس نے الفاظ چباتے ہوئے ایک مرتبہ تو سرگانہ کے پاؤں تلے زمین نکال دی۔

''میں سمجھا نہیں۔ میرا مطلب ہے۔ خاص مشن؟''

.....

سرگانہ کو گفتگو کے لیے مناسب الفاظ بھی نہیں مل رہے تھے۔

''سرگانہ صاحب اس بات میں کوئی شک نہیں کہ آپ کا آفس ادارے کو سب سے زیادہ بزنس دے رہا ہے لیکن سب سے زیادہ حاسد بھی آپ کے ہی ہیں وجہ صاف ظاہر جو بندہ کام کرے گا اُس کے لیے ایسی پرابلم تو ہوں گی''..... اس نے کلہاڑا سرگانہ کے دماغ پر چلایا۔

''اعظم صاحب۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں مجھ کچھ سمجھ نہیں آ رہا''۔ سرگانہ زچ ہو گیا تھا۔

''سیدھی سی بات ہے سرگانہ صاحب! مجھے کوئی سزا دے کر یہاں نہیں بھیجا گیا تھا۔ بلکہ آپ کے خلاف کاٹھا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

صاحب کے پاس جو مسلسل شکایتیں آرہی تھیں اُن کا جائزہ لینے کے لیے یہاں آیا ہوں اور کل میں واپس جارہا ہوں''.....اس نے سرگانہ سے بڑے ہی رازدارانہ لہجے میں بات کی۔

سرگانہ نے چونک کر اُس کی طرف حیرت سے دیکھا۔

''بے فکر رہیں سرگانہ صاحب۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں اچھا ہوگیا۔ میں جو رپورٹ دوں گا اس کے بعد آپ کے خلاف لکھے جانے والے خطوط کی کوئی اہمیت ہی نہیں رہ جائے گی.....'' اعظم خان نے اگلا پنچ لگایا اور سرگانہ چاروں شانے چت ہوگیا۔

''خان صاحب آپ نے تو سب کچھ خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ اس شہر میں اخبار چلانا بچوں کا کھیل تو ہے نہیں۔ اگر ہم پارٹیوں کو خوش نہ رکھیں وہ اشتہار نہیں دیتے اور دوسری طرف مالکان ریٹ بھی کم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ یہاں بھی کراچی اور لاہور والے نیرف چلا رہے ہیں۔ یار ہمارا ہی کام ہے جو یہاں بیٹھ کر بزنس دے رہے ہیں۔ مجھے باقی سٹیشنوں کا بھی علم ہے۔ لاہور تو ہیڈ کوارٹر ہے۔ وہاں کی تو بات اور ہے ناں''.....سرگانہ نے واقعی اُس کی بات پر یقین کرلیا تھا اور یہی اعظم خان چاہتا تھا۔

اُس نے اپنی چالاکی اور ذہانت سے اس سزا کو بھی اپنے حق میں جزا میں تبدیل کرلیا تھا۔ سرگانہ کوئی معمولی مرغی نہیں تھی۔ ایسے بندوں سے بنا کر رکھنا اُس کے لیے مستقبل میں کئی اور دروازے کھول سکتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سرگانہ بہرحال کاٹھا صاحب کی ''گڈ بکس'' میں موجود ہے کیونکہ وہ انہیں بہترین بزنس دے رہا تھا اور کاٹھا صاحب کو بہرصورت بزنس چاہیے تھا خواہ اُس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑتی۔

O

چشتی کے فون کی گھنٹی بجی تو وہ نام پڑھ کر چونکا۔ اُس کے لیے آج بھی اعظم خان بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ وہ ادارے سے گزشتہ تیس سال سے منسلک تھا اور جس سیٹ پر بھرتی ہوا اُس پر قائم دائم، چشتی کے متعلق یہ بات عام طور پر کہی جاتی تھی کہ وہ ایسا مزار ہے جہاں سے کسی کو دعا یا بددعا کچھ نہیں ملتا۔ وہ مرنجان مرنج قسم کا انتہائی تابعدار بندہ تھا جس کے مطابق دنیا کا ہر آدمی جس سے اُسے کوئی بھی فائدہ پہنچ سکتا ہے اُس کے نزدیک دیوتا کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ اُسے واقعی دیوتاؤں کی طرح پوجنے لگتا تھا۔

اعظم خان کے اُس پر بڑے احسانات تھے اُس نے تین چار مرتبہ اُن کے چالان معاف کروائے تھے اور ایک مرتبہ چشتی صاحب کے بیٹے کو تھانے سے رہائی بھی دلوائی تھی جو اپنے دوستوں کے ساتھ کسی لڑائی کے چکر میں پکڑا گیا تھا۔ وہ اعظم خان کو بہت بڑا ''پاوا'' سمجھتا تھا اور اُس کی خواہش ہوتی تھی کہ اعظم خان اُسے کوئی حکم دے جس کی چشتی تعمیل کرے۔ یہ الگ بات کہ اعظم خان نے کبھی اس کی ضرورت محسوس نہ کی لیکن چشتی نے اپنا چلن نہ بدلا وہ کسی نہ کسی چکر میں دن میں ایک آدھ مرتبہ اعظم خان کو۔ ''السلام وعلیکم خان صاحب۔ میرے لائق کوئی خدمت سر'' کی تکرار ضرور کردیا کرتا تھا۔

آج اچانک اعظم خان کا فون رات کو آیا تو اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔

''السلام وعلیکم سرجی! السلام وعلیکم سرجی! کیا حکم ہے سرجی''۔ اُس نے فون پر ہی نیازمندی شروع کردی۔

''چشتی صاحب کیا حال ہے آپ کا؟'' اعظم خان نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔

''مولا کا کرم ہے سرجی۔ حکم سرجی''.....اس نے پھر عاجزی دکھائی۔

''چشتی صاحب آپ نے ایک کام کرنا ہے لیکن پلیز اس کی خبر کسی کو نہ ہو۔ یہ بات میرے اور آپ کے درمیان رہنی چاہیے''..... اعظم خان نے اُسے مزید خدمت کا موقعہ دیا۔

''حکم سرجی! حکم سرجی''..... چشتی نے ٹیپ چلادی۔''

''کل آپ کو صاحب کی طرف سے ایک لیٹر میرے متعلق ٹائپ ہونے کے لیے ملے گا۔ آپ نے مجھے صرف بیل مارنی ہے، فون میں خود کر کے آپ سے پوچھ لوں گا۔ لیکن کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو''..... اعظم خان نے اُسے اعتماد میں لیا۔

''تابعدار سرجی! تابعدار سرجی! تعمیل ہوگی خان صاحب''.....چشتی کے تو جیسے بھاگ جاگ گئے۔ اتنا بڑا آدمی اُسے رازداری سے کام کے لیے کہہ رہا تھا۔

''انشاءاللہ آپ کے لیے کچھ اچھا ہی ہوگا۔ اور ہاں چشتی صاحب آپ تو جانتے ہیں سو جن سو دشمن۔ برائے مہربانی کسی سے اس بات کا تذکرہ ہرگز نہ کریں کہ میں نے آپ کو فون کیا تھا کوئی اپنے طور پر پوچھے تو ضرور بتائیں پلیز''.....اُس نے دوبارہ ہدایت کی۔

''سرجی! حکم کی تعمیل لفظ بلفظ ہوگی''..... چشتی آداب درباری سے بخوبی آگاہ تھا۔

اگلے روز گیارہ بجے اُس کے موبائل کی گھنٹی بجی چشتی کا نمبر آرہا تھا۔ دھڑکتے دل سے اُس نے کال کاٹ کر دوبارہ نمبر ملایا لیکن دو تین دفعہ ملانے پر بھی نمبر نہ ملا تو سمجھ گیا کہ چشتی خود کال کرنا چاہتا ہے۔ اُس کی انگلیاں رُک گئیں اور پہلی گھنٹی پر فون کان سے لگ گیا۔

''مبارک ہو سرجی! مبارک ہو''۔ چشتی کی بے چین آواز سنائی دی۔

''کیا لکھا ہے چشتی صاحب؟'' اُس نے بے چینی سے پوچھا اور چشتی نے اُسے لفظ بلفظ سارا ''آرڈر'' پڑھ کر سنا دیا۔ کاٹھا صاحب نے اعظم خان کو حکم دیا تھا کہ اُس کا تبادلہ ملتان نیوز ڈیسک سے لاہور آفس میں رپورٹنگ میں کردیا گیا ہے اُسے 48 گھنٹے میں لاہور آفس میں چیف رپورٹر کو رپورٹ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی جس پر اعظم خان کی واپسی کی خبر اعصابی بم کی طرح پھٹی تھی۔

آرڈر کی کاپی حسب معمول تمام متعلقین کو دی جارہی تھی جن میں چیف رپورٹر بھی ایک فریق تھا۔ اُس نے آرڈر حسب معمول بڑی لاپرواہی اور بددلی سے وصول کیا تھا وہ جانتا تھا کہ یہ اُس کے ڈیپارٹمنٹ کے کسی رپورٹر کو وارننگ یا جرمانے کا خط ہوگا۔ بغیر پڑھے اُس نے لیٹر سامنے رکھ دیا اور فون پر دوبارہ اپنی کسی پارٹی سے باتیں کرنے لگا۔

''سرجی! دیکھ تو لیں کس کی کمبختی آئی ہے''.....شمسہ نے اپنے بیگ کے اوپر سے خط پر نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

''اوہ یار ہوگا روٹین کا لیٹر۔ جب سے یہ موٹا خانہ خراب اس سیٹ پر بیٹھا ہے کوئی دن خالی نہیں جانے دیتا''..... اس نے بات مکمل ہونے پر فون رکھ کر لیٹر اُٹھایا اور ابھی اُس کی پہلی ہی سطر پڑھی تھی کہ اُس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

شمسہ نے دلچسپی سے یہ تبدیلی نوٹ کی اُسے چشتی صاحب نے بطور خاص اعتماد میں لے کر خبر پہنچا کر اپنے نمبر بنا لیے تھے۔ وہ ایسی ''وارداتیں'' کرتے رہتے تھے کیونکہ انہیں بہرحال شمسہ سے کوئی نہ کوئی کام پڑا ہی رہتا تھا۔ ابھی دو ماہ پہلے ہی انہوں نے ''گیمز'' کے چکر میں اپنی بیٹی کو شمسہ کے ذریعے ایک اچھے خواتین کالج میں داخلہ دلوا دیا تھا جہاں شاید اگلے پندرہ سال مسلسل امتحان دینے پر بھی وہ میرٹ پر نہ آئی۔

خط اپنی دراز میں رکھ کر چیف رپورٹر نے لمبی سانس خارج کی۔

''خیریت تو ہے ناں سر جی''..... شمسہ نے چونک کر پوچھا۔

''او جی خاک خیریت۔ ایک تو مجھے اپنے مالکان کی سمجھ نہیں آتی۔ اچھا بھلا سسٹم چل رہا ہوتا ہے کوئی نہ کوئی نیا پنگا ڈال دیتے ہیں۔ بھئی ہم نے کب کہا تھا خان صاحب کے تبادلے کو..... پہلے تبادلہ کر دیا۔ یہاں'' BEATS بیٹوں'' کا رپھڑ ڈال دیا اور اب خان صاحب واپس لاہور آ رہے ہیں۔ اب میں پھر تم لوگوں کے سامنے برا بنوں گا''۔

''سر جی! مجھ پر تو مہربانی ہی کرنا۔ خدا خدا کر کے دو تین کنکٹ بنائے ہیں..... کرائم کوئی بچوں کی بیٹ BEAT نہیں ہے''..... بھٹی نے جیسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا جھٹ سے کہا۔ اُسے چیف رپورٹر نے بڑے اعتماد میں لے کر حلف لینے کے بعد کہ وہ اُس کا حصہ ایمانداری سے ادا کرتا رہے گا، اعظم خان والی بیٹ الاٹ کی تھی۔ ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے تھے کہ یہ قیامت ٹوٹ پڑی۔

''او جی مالکوں کی مرضی۔ سیاہی کریں، سفیدی کریں، ہم تو حکم کے پابند ہیں''..... پاشا نے دل کے پھپھولے پھوڑے کیونکہ کرائم کی بیٹ کا وہ سب سے زیادہ خود کو حق دار سمجھتا تھا۔

''وہ تو ٹھیک ہے پاشا صاحب لیکن اللہ معاف کرے انسان کو اتنی جلدی اپنا دماغ بھی خراب نہیں کرنا چاہیے۔ ایک دو پریس کانفرنسیں پولیس والوں کی تو ہم بھی اٹینڈ کر ہی لیتے ہیں''..... شمسہ نے اپنے دیرینہ رقیب بھٹی کے کلیجے میں بھرپور خنجر اُتارا۔ اپنا بڑا سا بیگ کندھے سے لٹکایا۔ کالے شیشوں والی عینک آنکھوں پر جمائی اور اس کا جواب سنے بغیر باہر نکل گئی۔

بھٹی کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ اُس کا جی چاہا کہ اُٹھ کر اس حرافہ کا گلا دبوچ لے لیکن ایسا وہ صرف سوچ سکتا تھا۔

''سر جی! بدتمیزی کی کوئی انتہا ہونی چاہیے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ جو اس کے منہ میں آئے کہہ کر چلی جائے۔ ہمارے منہ میں بھی زبان ہے''۔ اُس نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا۔

''عورت ہونے کا جتنا ناجائز فائدہ یہ خاتون اُٹھاتی ہے میں نے کسی اور لڑکی کو اُٹھاتے نہیں دیکھا''..... پاشا نے جلتی پر تیل ڈالا۔

''مجھے ایسی عورتوں کا علاج آتا ہے۔ یہ کسی غلط فہمی میں ہوگی۔ عزت سب کی سانجھی ہوتی ہے۔ سارا لاہور جانتا ہے اس کے کرتوت..... دو دو سو روپے نہیں چھوڑتی اور باتیں ہمیں کرتی ہے''..... بھٹی بے قابو ہو رہا تھا۔

''یار بھٹی اللہ کے لیے چپ کر جاؤ۔ کچھ میرا لحاظ ہی

کر لیا کرو۔ تم لوگ تو ایک دوسرے سے سوکنوں کی طرح لڑنے لگتے ہو''..... چیف رپورٹر منہ سے کوئی ایسی بات نہیں نکالنا چاہتا تھا جو کئی گنا زیادہ خطرناک ہو کر اعظم خان تک پہنچ جائے۔

''سر جی! آپ خود ہی نیا ''بیٹ چارٹ'' بنا کر'' صاحب'' کو بھیج دیں۔ انہیں کیا پتہ۔ کس کے پاس کون سی بیٹ ہے''..... پاشا نے قدرے رازداری سے کہا تو بھٹی کو قدرے طمانیت کا احساس ہوا۔

''اور کیا سر جی! ٹھیک ہے وہ واپس آ گیا ہے لیکن اُس نے کرائم بیٹ پر کوئی مہر تو نہیں لگا رکھی ناں''..... بھٹی کے لہجے کی تلخی برقرار تھی۔

''دیکھو یار مجھے کسی سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ میری طرف سے سب کچھ جائے جہنم میں..... مجھے کیا؟ میں کاٹھا صاحب کو ''بیٹ پوزیشن'' دے دیتا ہوں فیصلہ وہ خود ہی کر لیں..... میرے لیے یہ روز روز کا کھیل تماشا ممکن نہیں رہا''۔

اُس نے بظاہر بے بسی اور بے نیازی کا تاثر دیا کیونکہ پاشا پر اُسے ضرور شک تھا کہ وہ اعظم خان کے آگے نمبر بنانے کی کوشش کرے گا۔

''پاشا یار کیا ہو گیا ہے تم لوگوں کو..... ساڑھے بارہ بج رہے ہیں۔ ''صاحب'' نے خاص طور پر ہدایت کی تھی۔ کچھ تو خیال کیا کرو یار''..... اُس نے اچانک ہی پینترا بدلا۔

''سر جی! میں نے فوٹو گرافر کو پہلے روانہ کر دیا ہے''..... پاشا نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''پاشا یار کیسی باتیں کر رہے ہو۔ وہ ''صاحب'' کے دوست ہیں''.....

اُس نے پاشا کو وہاں سے کھسکانا چاہا۔

اور پاشا تیزی سے باہر نکل گیا اب میدان صاف تھا کمرے میں صرف وہ اور بھٹی باقی بچے تھے۔

''لینے دو اُسے کرائم بیٹ..... اسی میں ہمارا بھلا ہے''..... اُس نے اچانک بھٹی کی طرف جھک کر رازداری سے کہا۔

''سر جی! لیکن..... ہم میرا مطلب ہے''..... بھٹی اُلجھ گیا، ابھی کل ہی اُس نے چیف رپورٹر کو دس ہزار کی بھینٹ چڑھائی تھی جو اُس نے اپنے مکان کی تعمیر نو کے سلسلے میں بطور ''اُدھار'' طلب کیے تھے۔

''بھٹی صاحب تین مہینے بعد الیکشن آ رہا ہے۔ اگلی پچھلی کسریں نکل جائیں گی۔ بے فکر ہو جاؤ۔ اس مرتبہ ساری ڈیلیں DEALS اکٹھی ہی کریں گے۔ میرا مطلب ہے ہر پارٹی سے الگ الگ ٹھیکہ مکا لیں گے۔

اللہ اللہ خیر ملا''..... اُس نے بھٹی کو دو تین منٹ میں ایسے چکر دیے کہ بھٹی مطمئن ہو گیا۔ اب اُسے اس بات کی بالکل فکر نہیں تھی کہ اُس کے پاس کرائم کی بیٹ رہے یا واپس جائے۔

○

تھوڑی دیر بعد اشرف لنگڑا اور چیف رپورٹر سر جوڑے میٹنگ روم میں بیٹھے تھے۔ موچھے سے انہوں نے کہہ دیا تھا کہ کوئی چڑیا بھی ادھر نہ پھڑکے۔ کاٹھا صاحب کسی میٹنگ کے لیے دفتر سے نکل چکے تھے۔

''سر جی! بڑا چالاک بندہ ہے۔ اللہ جانے کیا چکر چلایا ہے اس نے''، لنگڑے نے رازداری سے کہا۔

''یار معاملات پر نظر رکھا کرو۔ دفتر سے نکلنے والا ہر آرڈر پہلے ہمارے علم میں آنا چاہیے''۔ اس نے کہا۔

''سر جی! آپ جانتے ہیں، میں تو ایسی باتوں کا بہت خیال رکھتا ہوں لیکن یہ آرڈر صاحب نے پی اے صاحب کو بھیجنے کے بجائے براہ راست ایڈمن میں بھیج دیا تھا۔ جو اس طرح کے خاص کام ہوتے ہیں وہ خود براہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

راست کرواتے ہیں'' اشرف لنگڑے نے بتایا۔

'' پتہ نہیں اب آ کر کیا قیامت ڈھائے گا وہ..... اشرف یار اُس بندے کا پتہ لگانا ضروری ہے جس کے ذریعے اس نے کارروائی ڈالی ہے۔ صاحب اپنے دوستوں کی بات نہیں ٹالتا..... تجھے بھی پتہ ہے''..... اس نے اشرف لنگڑے کو جھنجھوڑا۔

'' سر جی! بے فکر ہو جائیں سر جی۔ مجھ سے کوئی بچ کر نہیں جا سکتا۔ میں ساری خبریں ایک دو دن میں نکال لوں گا۔''

'' دیکھ لو یار اشرف یہ بندہ ہے بڑا رپھڑی ہمارے لیے مسائل ہی پیدا کرے گا'' اُس نے بددلی سے کہا۔

'' او سر جی! کدی وادے دیاں تے کدی بابے دیاں۔ آپ دیکھتے جائیں میں نے کبھی دھوپ میں بال سفید نہیں کیے''..... لنگڑے نے اُسے تسلی دی اور چیف رپورٹر واپس آ گیا۔

○

اللہ جانے اعظم خان نے اُسے کیا گیڈر سنگھی سونگھا دی تھی کہ سرگانہ جیسا زمانہ ساز بندہ بھی اُس کا بندہ بے دام بن گیا تھا۔ اُس نے اپنے خصوصی اثر ورسوخ سے ملتان سے لاہور کے لیے سیٹ حاصل کی تھی عام حالات میں کئی کئی روز پہلے بکنگ کروانی پڑتی تھی کیونکہ دن میں بمشکل دو یا تین فلائٹیں یہاں سے لاہور جاتی تھیں۔ اُس وقت تو خود اعظم خان بھی حیران رہ گیا جب سرگانہ نے سختی سے اُسے ٹکٹ کے پیسے دینے سے روک دیا۔

'' خان صاحب ہم تو یاروں کے یار ہیں۔ آپ ہیڈ آفس میں ہمارے حقوق کا تحفظ کریں یہاں کی کوئی خدمت ہوگی تو بندہ حاضر ہے۔ یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے''..... اُس نے اعظم خان سے کہا۔

اعظم خان کے لیے اُس نے سوہن حلوے کے دس ڈبے بیک کروا کر اس کے سامان کے ساتھ ہی '' چیک ان'' کروا دیے تھے۔ اعظم خان دل ہی دل میں اپنی فتح پر سرشار ہو رہا تھا۔ اُس کی دانست میں کبڑے کو لات راس آ گئی تھی۔ حاسدوں اور دشمنوں نے اُس کا تبادلہ جانے کس بنا پر کروایا تھا لیکن وہ ملتان فتح کر کے واپس جا رہا تھا۔ سرگانہ جیسے ریذیڈنٹ ایڈیٹر کا ساتھ اس بات کی ضمانت تھا۔'' فریب نظر'' گروپ میں اب اُس کا ہی ڈنکا بجے گا وہ چاہتا تو اپنی مار کا علاقہ لاہور سے ملتان تک وسیع کر سکتا تھا۔

ائیر پورٹ سے وہ سیدھا گھر گیا اور بمشکل ایک گھنٹہ فون پر اپنے حلقہ احباب کو اپنی فاتحانہ واپسی کی خبریں سنانے کے بعد چار پانچ ڈبے حلوے کے اپنی گاڑی میں رکھے اور دفتر کی طرف چل دیا جہاں اُس کی واپسی ہی آج کی سب سے بڑی خبر بن چکی تھی وجہ کچھ بھی رہی ہو اعظم خان کی اس طرح واپسی نے اُس کے رعب داب میں مزید اضافہ کر دیا جو لوگ پہلے ہی اُس سے خوفزدہ رہتے تھے مزید خوفزدہ ہو گئے اور اخبار کے دیگر ملازمین کو یقین ہو گیا کہ اعظم خان کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔

اشرف لنگڑے سے زیادہ حرامکار یہاں اور کون تھا۔ اُس نے زندگی میں سب سے قیمتی راز یہی پایا تھا کہ ہمیشہ چڑھتے سورج کو سلام کرو اور ڈوبتے سورج کی طرف پیٹھ موڑ لو۔ اعظم خان کی واپسی سے اُس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اعظم خان نے '' صاحب'' کے اردگرد موجود لوگوں میں سے کچھ بڑے مگرمچھ قابو کیے ہوئے ہیں ورنہ اُس کی واپسی اس طرح ممکن نہ ہوتی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ اعظم خان '' چڑھدا سورج'' ہے جس کی پوجا پاٹھ اُس پر لازم ہے اُس نے سکیورٹی والوں کو کہہ رکھا تھا کہ جیسے ہی اعظم خان کی گاڑی پارکنگ میں آئے اُسے فوراً اطلاع کر دی جائے اور جیسے ہی اُسے خبر

ملی کہ اعظم خان صاحب آ گئے ہیں اور نیچے موجود سکیورٹی والوں سے باری باری بغلگیر ہو رہے ہیں جو اُن کی واپسی کے لیے دعائیں کر رہے تھے تو وہ فوراً لفٹ کی طرف لپکا اور اعظم خان کے وہاں تک پہنچنے سے پہلے ہی نیچے پہنچ گیا۔

'' السلام وعلیکم سر جی'' اُس نے اعظم خان سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

'' کیسے ہو اشرف۔ ٹھیک تو ہو ناں''..... اعظم خان نے پہلی ہی نظر میں جان لیا کہ لنگڑے نے شطرنج کی نئی بازی سجالی ہے۔

'' بس سر جی! کل سے خوش ہیں جب آپ کی آمد کی اطلاع ملی۔ اللہ جانتا ہے میں تو بہت اُداس ہو رہا تھا۔ آپ پرانے بندے ہیں آپ سے تو کوئی دل کی بات بھی کی جا سکتی ہے باقی لوگوں کو آپ خود اچھی طرح جانتے ہیں''..... اُس نے چاپلوسی سے اپنی آنکھیں اعظم خان کے ہاتھ میں پکڑے اس شاپر پر جماتے ہوئے کہا جس میں سوہن حلوے کے ڈبے موجود تھے۔

اشرف نے لفٹ رُکوائی ہوئی تھی دونوں لفٹ میں سوار ہو کر سیدھے کانفرنس روم میں پہنچ گئے جہاں اشرف لنگڑے نے اُسے زبردستی چائے کا کپ پلایا تھا جس کے ساتھ ڈسکٹ الگ سے رکھے تھے جن کی طرف اعظم خان نے دیکھنے کی زحمت بھی نہیں کی تھی۔

'' لو بھئی اشرف ہم تو اپنے دوستوں کو اچھے برے وقت میں یاد رکھتے ہیں'' اشرف نے سرگانہ کی طرف سے ملے حلوے کے ڈبوں میں سے ایک اُس کی طرف بڑھایا۔

'' او سر جی کیوں شرمندہ کرتے ہیں۔ ہم تو ویسے ہی آپ کے خادم ہیں اس کی کیا ضرورت تھی''..... اُس نے حسب عادت انتہائی کمینگی سے دانت نکالتے ہوئے ڈبے پر ایسے گرفت کی تھی جیسے کوئی نائکہ اپنی صاحبزادی کو ملنے والے تماش بینوں کے نوٹ قابو کرتی ہے۔

'' کوئی بات نہیں یار اشرف ہم تو تیری خدمت کرتے ہی رہتے ہیں'' اعظم خان مسکرایا۔

'' سر جی! میں بھی تابعدار ہوں آپ کا سرکار''..... اُس نے مکاری سے دانت نکالے

'' اچھا میں اب اپنے دوستوں سے بھی مل لوں''..... اُس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

'' بس سر جی زرا بچ بچا کے..... میرا مطلب ہے زیادہ تماش بین ہی ہوتے ہیں''۔ اشرف نے مخصوص انداز سے آنکھ دبائی۔

'' یار اشرف ہمیں کیا لینا دینا کسی سے۔ ہمارا تو اصول ہے اگر کسی کے ساتھ نیکی نہ کر سکو تو اُس کے ساتھ کم از کم برائی نہ کرو۔ یار تبادلے ہوتے رہتے ہیں۔ مالکان کی مرضی وہ جہاں ملازم سے بہتر کام لے سکتے ہیں وہاں بھیج دیتے ہیں۔ مجھے تو اس کی کبھی پرواہ نہیں رہی۔ دیکھو جی۔ نوکری کیا اور نخرہ کیا؟''

'' بہرحال سر جی ہم آپ کے تابعدار ہیں جب جی چاہے آزما کر دیکھ لیں''..... اشرف لنگڑے نے آخری پتہ بھی پھینک دیا۔

'' شکریہ یار''..... کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

پانچ بجے کے بعد وہ جان بوجھ کر اس وقت آفس آیا تھا جب کاٹھا صاحب گھر چلا جاتا تھا۔ ہال کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس پر سلامتی کی بارش ہونے لگی ہر شخص اسی طرح آگے بڑھ بڑھ کر مصافحہ کر رہا تھا جیسے وہ سزا بھگت کر نہیں عمرہ کر کے واپس آیا ہو۔

رپورٹنگ روم میں اُس کا بھرپور استقبال کرنے والوں میں بھٹی پیش پیش تھا اُس نے اندازہ کر لیا تھا کہ اُسے قربانی کا بکرا بنایا گیا ہے وہ دو سانڈوں کی جنگ کا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ایندھن کیوں بنے!

اعظم خان بڑی فراخدلی سے سب سے باری باری گلے ملا اُس نے قطعاً کوئی ایسا تاثر نہیں دیا تھا جو اُس کی دلی کیفیات کا مظہر ہوتا۔ یہ منافقت اور ریاکاری کا بازار تھا یہاں جھوٹ کا دھندہ ہی چلتا تھا۔

''دوستوں کے لیے ملتان کی سوغات کہتے ہوئے اُس نے دو ڈبے کھول کر چیف کے سامنے رکھ دیے.....'' سر جی بسم اللہ کریں جی.....اوئے خان یار ذرا دو سیٹ چائے تو کہنا کنٹین میں.....'' اُس نے چپراسی کو آواز دے کر کہا۔

''ناں خان صاحب ناں''..... چائے میری طرف سے ہوگی''.....بھٹی بضد ہوا اور اپنی بات منوا کر رہا۔ اُس نے دو سیٹ دودھ پتی کا آرڈر دے کر سب کو حیران کر دیا۔

''خان صاحب آپ ہی کا کام ہے کرائم سے نمٹنا۔ اللہ جانتا ہے جی میری تو پانچ چھ دنوں میں چیخیں نکل گئیں..... یار بڑا عذاب ہے بھئی۔ موقعہ واردات پر جاؤ۔ افسروں سے ملو، پی آر کرو۔ ناں بابا ناں۔ ہمارا کام ٹھیک ہے۔ ایک آدھ خبر فون پر لکھو ایک دو پریس ریلیزیں مل جاتی ہیں اللہ اللہ خیر ملا..... یہاں تو سال لگتا ہے تھانوں اور ایس پی کے نام یاد کرنے میں۔'' اُس نے اتنے خلوص کی ایکٹنگ کی تھی کہ چند لمحوں کے لیے تو اعظم خان بھی متاثر ہو گیا۔

''چلو اچھا ہو گیا یار..... جو دوست سمجھتے تھے کہ میں نے لوٹ مچا رکھی ہے اب انہیں اندازہ ہو گیا ہوگا''..... اُس نے کن اکھیوں سے چیف کو دیکھا جو خاموشی سے بیٹھا فون کے گھونٹ پی رہا تھا۔

شمسہ حیران ہو رہی تھی کہ بھٹی نے کیسے پلٹا کھا لیا؟ پھر اُسے سمجھ آ گئی کہ وہ گہرے پانی میں اُترنے کے بجائے کنارے پر ہی اپنی ناؤ چلانا چاہتا ہے کیونکہ یہاں یہی بہترین پالیسی تھی۔ دوسرے رپورٹر جس طرح بڑھ بڑھ کر حلوے کے نوالے حلق میں اُتارتے ہوئے اعظم خان کے لیے رطب للسان تھے۔ اُس سے شمسہ نے اندازہ کر لیا کہ اس سے زیادہ منافقت شاید اُسے کسی اور شعبے میں دیکھنے کو نہیں مل سکتی تھی۔ اُس نے بھی سوہن حلوے کا مزہ لیا۔

جب بھٹی کو اعتراض نہیں تھا اور وہ رضاکارانہ طور پر سرنڈر کر رہا تھا تو وہ کون ہوتا تھا پنگا لینے والا۔ چیف رپورٹر نے دوبارہ پہلے والی بیٹیں بحال کر دیں اُسے بھٹی کی قلابازی پسند نہیں آئی تھی۔

بھٹی بھی کوئی چوچا نہیں تھا اُس نے کن اکھیوں سے چیف رپورٹر کے بدلتے تاثرات نوٹ کر لیے تھے اور اب اگلی حکمت عملی تیار کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اعظم خان اُٹھ کر چلا یا گیا۔ باقی لوگ بھی اپنی سٹوریاں فائل کرنے لگے تو وہ بڑی ہوشیاری سے چیف رپورٹر کے نزدیک آیا۔

''سر جی! سمجھا کریں۔ دشمن اگر گڑ سے مر رہا ہو تو گولی نہیں چلانی چاہیے۔ اب آپ دیکھیں میں اس کے ساتھ کرتا کیا ہوں۔ سر جی! آپ میرے محسن ہیں۔ میرے چیف ہیں، میرے لیے آپ سب سے محترم ہیں لیکن ایسی بلاؤں سے بچنے کے لیے حکمت عملی سے ہی چلنا پڑتا ہے۔ میں اس کے نزدیک ہونے کی کوشش کر رہا ہوں اس کے اندر کی باتیں جاننے کے بعد ہی ہم اس کا کوئی علاج کر سکیں گے''.....اُس نے بڑی چمچہ گیری کے انداز میں کہا۔

ففٹی پلس چیف رپورٹر مسکرایا اور اُس نے بھٹی سے کہا۔

''بھٹی! وہ تم سے زیادہ پسماندہ علاقے سے تمہاری طرح لاہور لوٹنے آیا ہے لیکن تم ابھی اس کے لیے پیدا ہی نہیں ہوئے۔ دیکھنا کہیں آگ سینکتے سینکتے اپنی پتلون نہ جلا لینا.....'' بھٹی بے شرمی سے مسکرانے لگا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad

نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

اردو صحافت اور سیاست کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی
اس کہانی کے کردار' مقامات' واقعات فرضی ہیں' اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الذمہ ہے

بلقیس گھنٹی کی اچانک آمد نے کھٹانہ کی واقعی گھنٹی بجادی۔ وہ ہڑبڑا کر اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔

''آنے دو۔ آنے دو'' اس نے قدرے گھبراہٹ میں انٹر کام پر جواب دیا۔ کھٹانہ اس وقت گھر پر موجود تھا جب اسے یہ بوکھلا دینے والی خوشخبری ملی۔ رضیہ باجی اور بلقیس صاحبہ ان سے ملنے آئی ہیں۔ رضیہ نے اس سے اشارۃً بھی اس زیادتی کا ذکر نہیں کیا تھا۔ کھٹانہ کے خوشی سے ہاتھ پاؤں پھول گئے اور اسے یقین ہو گیا کہ رضیہ نے بلقیس کو مکمل شیشے میں اتار لیا ہے۔

''واہ رجو رانی واہ..... دل خوش کر دتا ای'' ..... اس نے ہڑبڑاتے ہوئے کہا اور پھرتی سے اپنے حلیئے پر نظر ڈالنے کے بعد اسے سنوار بھی لیا۔

''سلام ٹیکم کھٹانہ صاحب'' ..... رضیہ نے کمرے میں گھستے ہی اونچی آواز سے کہا۔

''کیسے ہیں آپ کھٹانہ صاحب..... بلقیس نے گھنٹی بجائی۔

دونوں خاصی بشاش بشاش دکھائی دے رہی تھیں۔ بلقیس کے چہرے سے دور دور تک کوئی پریشانی، پشیمانی، پچھتاوہ کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا، وہ بالکل نارمل نظر آ رہی تھی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

''شکر ہے مولا کا۔ بہت خوشی ہوئی۔ بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی اچانک آمد نے تو مجھے حیران کر دیا'' ..... کھٹانہ سنبھل کر بولا۔

''کھٹانہ صاحب میں تو آپ کو فون کر کے آنا چاہتی تھی لیکن بلقیس صاحبہ نے منع کر دیا دراصل یہ آپ کو ''سرپرائز'' دینا چاہتی تھیں'' رضیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''او جی! ان کا اپنا گھر ہے۔ مالک ہیں یہ گھر کی۔ جب جی چاہے آئیں جب جی چاہے جائیں۔ انہیں کون روک سکتا ہے جی'' ۔ کھٹانہ نے خوامخواہ دانت نکال دیئے۔

''تھینک یو جی'' ..... بلقیس نے ادائے دلربانہ سے کہا تو کھٹانہ کی جسم میں چیونٹیاں رینگنے لگیں۔

''بھئی فوراً کچھ کھانے پینے کا بندوبست کرو ناں'' ..... کھٹانہ نے رضیہ کی طرف دیکھا اور مڑ کر آنکھ دبائی۔

''جی کیوں نہیں..... یوں بھی بلقیس صاحبہ آپ سے تنہائی میں بات کرنا چاہتی تھیں'' ..... رضیہ نے

Scanned By Muhammad Nadeem

مسکراتے ہوئے کھٹانہ کی طرف دیکھا۔ ''زہے نصیب جی۔ زہے نصیب''..... کھٹانہ بالکل گدھا بن چکا تھا اس کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں آسکتا تھا کہ عورت جب بپھر جائے تو بلی سے شیرنی کا روپ دھار لیتی ہے۔

بلقیس کے ساتھ چار روز پہلے جو حادثہ گزرا تھا اس نے بلقیس کی زندگی کا رخ ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ اب تک وہ صرف ایک پرجوش اور زندگی کی خوشیوں سے اپنا حق سمیٹنے والی نوجوان لڑکی تھی لیکن کھٹانہ نے اسے جو زخم لگایا تھا اس نے بلقیس کی حالت زخمی شیرنی والی بنا دی تھی وہ کھٹانہ کو بدترین سزا دینے پر تل گئی تھی۔ خدا جانے اس کے اندر یہ ملتقم مزاجی کہاں سے در آئی تھی جس نے اسے خونخوار بھی بنا دیا تھا۔ اس نے اپنے دل و دماغ میں ایک خطرناک منصوبہ بنانے کے بعد اس پر عمل کا آغاز کیا تھا اس منصوبے میں اس کی پارٹنر تھی رضیہ باجی۔ جسے کھٹانہ اور اس جیسے دیگر پارٹی لیڈروں نے عورت سے کھلونا بنا کر رکھ دیا تھا۔ ان لوگوں نے رضیہ کی جوانی کو روگ لگا دیا تھا۔ اس سے اتنی زیادتیاں ہوئی تھیں کہ زندگی سے متعلق اس کا نظریہ ہی بدل کر رہ گیا اس نے ان سب زیادتیوں کو اپنا مقدر جان کر قبول کر لیا تھا اور یہ سمجھ لیا تھا کہ غریب گھر میں جنم لے کر اس نے اپنی اوقات سے بڑھ کر سوچنے کا جو جرم کیا تھا اس کی سزا یہی ہو سکتی تھی۔ اپنی ماں کے برعکس اس نے پارٹی کی ایک تھرڈ کلاس کارکن بن کر صرف چندہ اور خیرات پر گزارہ کرنے کے بجائے البتہ اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کا حتی الوسع استعمال کیا اور آج کم از کم اس پوزیشن میں ضرور آ گئی تھی کہ وہ ایک محفوظ زندگی جی سکے۔ شادی اس نے کی نہیں تھی اس کے لئے اسے آج بھی اچھے وقت کا انتظار تھا آج بھی جب وہ قریباً چالیس کے پیٹے میں تھی اس میں اتنی جنسی کشش موجود تھی کہ کسی اوسط درجے کے امیر آدمی کو پھانس کر اپنا الو سیدھا کر سکے۔

حالات کیسے ہی رہے ہوں۔ رضیہ کے لاشعور سے ایک انتقامی جذبہ سانپ کی طرح لپٹا رہا کبھی کبھی اس کا جی چاہتا کہ ان حرام خوروں کو چیر پھاڑ کر رکھ دے جنہوں نے اپنے غلیظ اور گندے دل و دماغ پر نام نہاد شرافت کے نقاب اوڑھ رکھے ہیں۔ جب اسے بلقیس نے کہا تھا کہ وہ رضیہ اور رضیہ جیسی دوسری لڑکیوں کا انتقام بن کر کھٹانہ کو کتے کی موت مار ڈالے گی تو نجانے کیوں رضیہ کے دل نے گواہی دی کہ جو کچھ یہ لڑکی کہہ رہی ہے وہ کر گزرے گی اور وقت آ گیا ہے کہ وہ بھی اب اس جہنم میں کود جائے۔ آج وہ بھی یہی عزائم لے کر آئی تھیں۔

کھٹانہ نے بلقیس کی ناز برداری میں زمین آسمان ایک کر دیئے تھے اس نے بلقیس کو یقین دلایا تھا کہ آج سے گیارہ روز بعد پارٹی کی طرف سے جن متوقع امیدواروں کے ناموں کا اعلان ہو رہا ہے ان میں خواتین کی مخصوص نشستوں میں سرفہرست اس کا نام ہے اور جیسے ہی پنجاب میں وہ برسر اقتدار آئے پہلی کیبنٹ میں بلقیس کو منسٹر بنا لیا جائے گا۔ بلقیس جانتی تھی یہ خبیث جو کچھ کہہ رہا ہے وہ لفظ بلفظ صحیح ہے کیونکہ پارٹی جن دو چار افراد کے اشاروں پر ناچتی تھی ان میں کھٹانہ کا نام نمایاں تھا۔ باقی تو صرف شامل باجا تھے۔

بلقیس کھٹانہ کے ہاں تین چار گھنٹے گزارنے کے بعد وہاں سے روانہ ہوئی تھی اس دوران اس نے کھٹانہ کو یقین دلا دیا تھا کہ جتنی زیادہ وہ اس کی قیمت لگائے گا اتنی جلدی بلقیس پکے ہوئے پھل کی طرح اس کی گود میں گرے گی۔ بلقیس کی معیت میں گزاری ایک رات ہی کھٹانہ کی زندگی کا روگ بن گئی تھی۔ گو کہ اس میں سارا

کمال باجی رضیہ کے فراہم کردہ کیپسول کا تھا لیکن اس نے بھی کھٹانہ کو اپنا شباب یاد دلا دیا تھا اگر ایسی چند راتوں کے لئے اسے اپنی ساری جائیداد، مال و دولت بلقیس کے حوالے کرنا پڑتا تو بھی وہ اس کے لئے تیار تھا۔ مرد کو اپنی انگلیوں کے اشارے پر بندر کی طرح نچانے کا فن بلقیس کو ماں سے ورثے میں ملا تھا یہ الگ بات کہ اس کی ماں نے کبھی اپنے آبائی دھندے کی طرف نہیں آنے دیا لیکن بلی کے بچے کو چوہا پکڑنے کا فن کون سکھا سکتا ہے۔

بلقیس کی روانگی پر منصوبے کے مطابق رضیہ وہاں رک گئی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ٹکٹوں کی تقسیم کے اعلان سے پہلے کھٹانہ اس سے نکاح کرنے پر باؤلا ہوا ہو گا اس کے بعد تو اسے شک ہی رہتا کہ کوئی اور نہ بلقیس کو لے اڑے یہاں تو قدم قدم پر اس کے ہم پیشہ سنہری جال بچھائے بیٹھے تھے۔

''ہاں بھئی رجو اب سنا''..... اس نے حسب عادت رضیہ کی کمر پر بے ہودہ انداز میں ہاتھ مار کر کہا۔

''کھٹانہ صاحب مبارک ہو۔ چڑیا آپ کے پنجرے میں آ گئی ہے۔'' رضیہ نے اپنے مخصوص کاروباری انداز میں کہا۔

''واقعی''۔ کھٹانہ نے حیرت سے پوچھا۔

''کیوں، آپ کو یقین نہیں آ رہا کیا؟..... کھٹانہ صاحب میں نے اسے نکاح کے لئے راضی کر لیا ہے''..... رضیہ نے کچھ ایسے انداز میں کہا کہ کھٹانہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

''واہ رجو واہ..... بس آج سے تو بھی اپنی منسٹری کے دن گننے شروع کر دے۔ اوئے! کسی نہ کسی محکمے کی سیکرٹری تو بنوا ہی دوں گا۔ یہ تو اپنا بائیں ہاتھ کا کام ہے'' اس نے خوش ہو کر رضیہ سے کہا۔

''کھٹانہ صاحب۔ بلقیس بیگم نے کچھ شرائط رکھی ہیں اس کے بعد ہی دراصل اس نے میری بات مانی ہے۔'' رضیہ نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگائی۔ اسے پھونک پھونک کر قدم آگے بڑھانا تھا۔

''اوئے مجھے اس کی ہر شرط بغیر سنے منظور ہے شہزادی''..... کھٹانہ نے نشے کی سی کیفیت میں کہا۔

''پھر بھی آپ کی اطلاع کے لئے ضروری ہے کہ آپ جان لیں، کھٹانہ صاحب میں تو آپکی پرانی خادمہ ہوں میری طرف سے کبھی کوئی کسر نہیں رہے گی لیکن کسی کی ضمانت میں نہیں دے سکتی۔ اس لئے پلیز میری بات سن لیں۔ اس نے فریج سے بیئر کی بوتل نکالتے ہوئے کھٹانہ کی طرف دیکھ کر کہا۔ رضیہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ تھوڑی دیر میں اس کا دماغ ماؤف ہو جائے گا۔

''چل بتا دے یار.....'' کھٹانہ بدمست ہو رہا تھا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ اس نکاح کا کوئی سرکاری ریکارڈ نہیں ہو گا یعنی کوئی کاغذ لکھا پڑھا نہیں جائے گا۔ البتہ نکاح کی کارروائی مکمل ہو گی'' اس نے پہلا تیر داغا۔

''منظور!.....'' اوئے یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ خدانخواستہ میڈیا والوں کے ہاتھ کوئی کاغذ لگ گیا تو وہ میرے لئے نیا عذاب کھڑا کر دیں گے۔'' کھٹانہ نے خوش ہو کر کہا۔

تب اس نے یہی سمجھا تھا کہ بلقیس سے زیادہ بے وقوف ٹرکی اس شہر میں کوئی نہیں۔ نکاح نامہ نہ لکھا جائے اس سے بڑی خوشی کی بات اور کیا ہو گی۔ اس طرح وہ جب چاہے اس نکاح سے انکار کر دے گا اور ساری زندگی بلقیس کو داشتہ بن کر رہنا پڑے گا۔

''اور کچھ''؟ اس نے رضیہ کی طرف دیکھا۔

''بلقیس نے کہا ہے کہ اس کے غیر ملکی اکاؤنٹ

Scanned & Uploaded By Nadeem

میں دس کروڑ روپیہ ڈالیں اور ڈیفنس میں کوئی کوٹھی بھی اسے لے کر دیں جہاں وہ الگ سے رہ سکے۔'' رضیہ نے آخری اور بھرپور حملہ کیا۔

''اوئے مسئلہ ای کوئی نہیں رجو رانی۔'' وہ نہ بھی کہتی تو میں اس کے محفوظ مستقبل کا بندوبست کرتا۔ بھئی آخر کو وہ میری چھوٹی بیگم صاحب بننے والی ہے اور مسز کھٹانہ کے شایان شان ہی سب کچھ ہونا چاہیے ناں''..... اس نے خوشی سے بے قابو ہو کر کہا۔ ''واہ کھٹانہ صاحب واہ! مان گئے آپ کو۔ واقعی آپ بے مثال ہیں۔ اتنا دلیرانہ فیصلہ آپ کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا۔''

رضیہ نے اس کی انانیت کے غبارے میں ہوا بھری۔

''اوئے گل ای کوئی نہیں۔ ہاں تیرا انعام الگ ہو گا۔'' کھٹانہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔ ''بھئی اس شادی کی کامیابی کے لئے مجھے قدم قدم پر تیری ضرورت ہوگی۔ اس عمر میں اب میں کہاں ڈاکٹر حکیم ڈھونڈتا پھروں گا۔ میرا مطلب سمجھ گئی ہے ناں۔''

اس نے رضیہ کی طرف دیکھ کر آنکھ دبائی۔

''کھٹانہ صاحب بے فکر ہو جائیں۔ آپ کو دوبارہ جوان نہ کر دیا تو رضیہ میرا نام نہیں۔''

رضیہ نے الفاظ چباتے ہوئے فقرہ ادا کیا تھا لیکن ہوس میں اندھے کھٹانہ کو اس کی بھنک بھی نہ پڑی وہ تو بہرصورت بلقیس کو حاصل کرنا چاہتا تھا اور وہ بھی نکاح اناؤنس ہونے سے پہلے۔ اس کے بعد شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوتا۔

معاملات طے پا گئے۔ تین روز بعد چار گواہوں کی موجودگی میں شرع محمدی کے تحت ایک مولوی صاحب نے دونوں کا نکاح پڑھوا دیا۔ حق مہر کا اکاون لاکھ روپیہ کیش اس نے موقعہ پر ادا کر دیا اور اپنی دولہن اور اس کی دوست رضیہ کے ساتھ ڈیفنس کی اس کوٹھی میں پہنچ گیا جو اس نے اپنی نئی بیگم کے نام لگائی تھی۔ اس کوٹھی میں تین روز پہلے رضیہ منتقل ہو چکی تھی اس نے اب یہیں قیام کرنا تھا۔ پہلے سے ملی ہدایات کے مطابق کھٹانہ نے حجلہ عروسی میں جانے سے پندرہ منٹ پہلے وہ کیپسول کھا لیا تھا جو اسے رضیہ نے بطور خاص آج کے لئے دیا تھا اور اب وہ بیڈروم میں داخل ہو رہا تھا۔ جہاں اس کے سپنوں کی ملکہ اس کی نئی نویلی دلہن حجلہ عروسی میں اس کی منتظر تھی۔

رضیہ کے بضد ہونے پر بلقیس نے سرخ جوڑا تو پہن لیا تھا اور اپنے چہرے کو نارمل رکھنے کے لئے بھی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی لیکن جیسے ہی اس کی نظر کمرے میں داخل ہوتے کھٹانہ پر پڑی اس کا خون کھول اٹھا۔ کھٹانہ نے اگلے ہی روز اپنا منہ سر اپنے بیوٹیشن سے دوبارہ کالا کروایا تھا۔ خدا جانے اس نے اس مرتبہ خضاب ضرورت سے زیادہ لگایا ہوا تھا یا پھر اس نے بالوں میں زیادہ چمکدار جیل Jell لگایا ہوا تھا کہ اس کے چہرے کی لعنت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کا جی چاہا کہ اس کا چہرہ نوچ لے لیکن رضیہ کی بار بار کی جانے والی ہدایت نے اسے نارمل کر دیا۔

''بلقیس ہم خطرناک بلکہ خونی کھیل کھیلنے جا رہے ہیں۔ یاد رکھنا معمولی سی لغزش، ذرا سا شک کھٹانہ کو خون آشام بھیڑیے میں تبدیل کر دے گی اور وہ شاید تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے مجھے کتے کی موت مروا دے گا۔ میں اس درندے کو اچھی طرح جانتی ہوں۔ میری بہن! میری زندگی کے لئے ہی سہی اپنی اداکاری میں معمولی سا جھول بھی نہ آنے دینا'' اس کے دماغ میں رضیہ کے الفاظ گونج پیدا کر رہے تھے۔

بدلہ

کھٹانہ کو اندر آتے دیکھ کر وہ کھڑی ہو گئی، کھٹانہ نے شاید پہلے سے شراب پی ہوئی تھی وہ لڑکھڑاتا ہوا اس تک پہنچا۔ بلقیس کے لئے اس کا وجود ناقابل برداشت ہو رہا تھا لیکن اسے اپنا پارٹ بہت خوبی سے نبھانا تھا۔ اس نے کھٹانہ کی بکواس پر جو وہ مسلسل اسے دیکھتے ہوئے کر رہا تھا اس کے حسن کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا لیکن کیا مجال جو اسے ایک لفظ کی بھی سمجھ آ رہی ہو۔ اس نے کھٹانہ کو بستر پر بٹھایا۔ سگھڑ بیویوں کی طرح اسے دودھ کا گلاس پیش کیا۔ کھٹانہ نے مسکراتے ہوئے دودھ پیا اور وہ آہستہ آہستہ اپنے تن بدن سے بیگانہ ہونے لگا اس کے ہاتھ تو چل رہے تھے۔ دماغ سن ہو رہا تھا اگلے دو تین منٹ میں وہ بالکل نڈھال ہو کر پلنگ پر گر پڑا اور جلد ہی خراٹے لینے لگا۔ جیسے ہی اس کے خراٹے بلند ہوئے زہریلی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے بلقیس وہاں سے اٹھی اور اس نے بیڈروم کا دروازہ کھول دیا جس کے باہر رضیہ بے چینی سے اس کی منتظر تھی۔

''شاباش''..... وہ بلقیس کی مسکراہٹ دیکھتے ہی سب کچھ سمجھ گئی۔ ''اب تم اطمینان سے ایک کونے میں سوتی رہو۔''

یہ کہہ کر رضیہ آگے بڑھی اور چند منٹ میں اس نے کھٹانہ کو کپڑوں سے بے نیاز کر دیا۔

''یہ بے ضرر کیچوا ہے بلقیس۔ ایک لمحے کے لئے بھی اس سے نہ گھبرانا'' اس نے بلقیس کو حوصلہ دیا اور کمرے سے نکل گئی۔ بلقیس نے اندر سے دوبارہ دروازہ لاک کر دیا۔

صبح تک کھٹانہ بے سدھ لیٹا رہا۔ اس کی آنکھ کھلی تو صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ اس کی دلہن شاید اس سے پہلے اٹھ کر غسل خانے میں جا چکی تھی۔

کھٹانہ نے اپنے سرہانے پر نظر ڈالی۔ اپنے کپڑے سمیٹے اور مسکرایا۔ اس نے اپنی دانست میں قلعہ معلیٰ فتح کر لیا تھا۔ ایک فاتح کی طرح اٹھ کر اس نے بھرپور انگڑائی لی۔ یہ رضیہ کی دوائی کا کمال تھا کہ وہ کچھ بھی نہ کرنے کے باوجود سمجھ رہا تھا کہ اس نے سب کچھ کر لیا۔ ابھی اس نے بستر سے ٹانگیں نیچے کی ہی تھیں جب باتھ روم کا دروازہ کھلا خوشبو کا جھونکا اس کے دل و دماغ کو معطر کر گیا۔ بلقیس اپنے بالوں کو تولیے سے تھپتی باہر نکل رہی تھی اس نے نئی نویلی دلہنوں کی طرح مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا جواب میں کھٹانہ بھی بے غیرتی سے دانت نکالنے لگا پھر اٹھ کر کھڑا ہوا اور اس کی طرف بڑھا اس سے پہلے کہ وہ بلقیس سے لپٹے۔ بلقیس نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑا اور باتھ روم کی طرف دھکیل دیا۔

''پہلے ہی آپ آفس سے لیٹ ہو رہے ہیں۔ پلیز جلدی تیار ہوں۔ آپ نے ساڑھے تو بجے سی ایم سے میٹنگ بھی کرنی ہے۔''

اس نے سگھڑ بیویوں کی طرح بظاہر بڑی اپنائیت سے کھٹانہ سے کہا۔

''جو حکم سرکار'' کھٹانہ مسکرایا اور باتھ روم کی طرف بڑھ گیا نئی بیگم صاحبہ خاصی ذمہ دار دکھائی دے رہی تھیں۔

ناشتے کی میز پر رضیہ کھٹانہ کو جان بوجھ کر ذومعنی جملوں سے محظوظ کرتی رہی اور تھوڑی دیر بعد دو دفع ہو گیا۔

''اوہ میرے اللہ۔ باجی رضیہ میں تو ساری رات نہیں سو پائی یہی خوف لگا رہا کہ کہیں یہ شیطان ابھی بیدار نہ ہو جائے، بلقیس نے ہی سانس لے کر رضیہ سے کہا۔

Scanned and Uploaded By Nadeem

"نہیں بلقیس، میں بھی ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ اب اکھٹے چلے ہیں تو اکھٹے ہی جئیں اور مریں گے۔" اس نے بلقیس کو اعتماد دلایا تھوڑی دیر بعد بلقیس اپنے گھر کی طرف جا رہی تھی۔ گاڑی وہ خود ڈرائیو کر کے آئی تھی یہ وہ گاڑی تھی جو اسے کھٹانہ نے سلامی میں پیش کی تھی۔ گارڈ نے اسے دیکھتے ہی گھر کا دروازہ کھول دیا۔ برآمدے میں ہی ایک آرام دہ کرسی پر اس کی ماں سراپا سوال بنی اس کے سامنے موجود تھی۔

"اندر آجائیں امی..... میرے پاس آپ کو بتانے کے لئے بہت کچھ موجود ہے۔ ممکن ہے ہم یہاں ڈھنگ سے بات نہ کر پائیں" اس نے اپنی ماں کو سلام کرنے کے بعد اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا جو حیرت زدہ سی اس کے پیچھے کمرے میں داخل ہوگئی۔

دونوں ماں بیٹی آمنے سامنے بیٹھی تھیں اور بلقیس کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ بات کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے۔ وہ اپنی ماں سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنی ماں کو پہلے روز سے اب تک کی ساری کہانی سنادی۔ نجانے کیوں اپنی بات مکمل کرنے کے بعد اسے احساس ہوا جیسے اس نے اپنے سر سے بڑا بوجھ اتار کر پھینک دیا ہو۔

"میں جانتی ہوں امی کہ یہ سب کچھ آپ کے لئے بہت تکلیف دہ اور ناقابل برداشت ہوگا لیکن مجھے آپ کو سب کچھ بتانا ہی تھا۔ میں آپ سے کچھ چھپا نہیں سکتی کیونکہ اللہ کے بعد اس دنیا میں میری سب سے بڑی راز دار اور دوست صرف آپ ہیں۔ مجھے یہ تو اندازہ ہے کہ میرے ساتھ جو زیادتی ہوئی اس میں میری نادانی کو دخل ہوگا لیکن میں نے کبھی ایسا نہیں چاہا۔ امی! میں مرسکتی ہوں لیکن آپ کو پریشان نہیں دیکھ سکتی" اس نے اپنی ماں کی آنکھوں میں جھانکا جہاں فی الوقت اسے حیرت کے سوا کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

نادرہ بیگم کا ذہن ماؤف ہو رہا تھا اسے اپنی بیٹی پر ترس آرہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی کہ اس کے ساتھ کیا ہو گیا۔ اتنا بڑا حادثہ ہوا وہ کچھ نہ جان سکی۔ ساری زندگی اس نے اپنی بیٹی کو زمانے کے گرم سرد سے بچانے کے لئے مرغی کے بچوں کی طرح اپنے پروں میں چھپا کر رکھا اسے کبھی ہیرا منڈی کے نزدیک نہ پھٹکنے دیا۔ جیسے جیسے وہ بالغ ہوئی نادرہ نے ہیرا منڈی والی جائیداد بھی اونے پونے فروخت کر دی تاکہ یہاں سے اس کا رابطہ ہی کٹ جائے چاہتی تو پانچ چار سال مزید انتظار کر کے لاکھوں کے کروڑوں بنا لیتی لیکن پیسہ اس کے لئے کبھی مسئلہ رہا ہی نہیں تھا اسے تو ایک ہی فکر کھائے جاتی تھی کہ چوہدری صاحب کی قبر پر جو وعدہ کر کے آئی ہے اسے ڈھنگ سے پورا بھی کر پائے گی یا نہیں۔ اس کی زندگی کی تو صرف ایک ہی خواہش تھی کہ جتنی جلدی ممکن ہو بلقیس کی شادی کرے اور اس کے باپ کی قبر پر جا کر اسے بتائے کہ اس نے اپنا وعدہ نبھا دیا اب وہ جلد اس کے پاس ہی آنے والی ہے۔

لیکن یہ کیا؟ سب کچھ یوں اچانک ٹوٹ گیا۔ ساری زندگی کی محنت ایک پل میں اکارت گئی۔ وہ ابھی تک ڈھنگ سے کچھ سوچنے کے قابل بھی نہیں ہو رہی تھی۔ پھر اچانک جیسے کسی نے اس کے سلگتے دل و دماغ پر برف کی سل رکھ دی۔ اچانک ہی اسے احساس ہوا کہ اس کی بیٹی کا گناہ کیا تھا؟ آسمان پر اونچا اڑنے کی خواہش یا پھر اپنی اوقات سے بڑھ کر سوچ رکھنے کی سزا؟ لیکن دونوں ہی جرم اتنے بڑے نہیں تھے جس کی اسے کھٹانہ نے یہ سزا دی تھی۔ پھر اس نے سوچا کھٹانہ

نے جانے زندگی میں کتنی لڑکیوں کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہوگا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بیٹی کے ذریعے کھٹانہ جیسے شیطان کو سبق سکھانے کا ارادہ تو نہیں کر لیا؟ یقیناً ایسا ہی تھا اسے اب دو میں سے ایک راستہ اختیار کرنا تھا یا تو دوسری عورتوں کی طرح اپنی جان کا سیاپا کر کے اپنی رہی سہی زندگی جہنم بنا لے یا پھر حالات کے سامنے اپنی بیٹی کی طرح ڈٹ جائے۔ اس نے جو قدم اٹھایا ہے اس میں اس کی مدد کرے۔ اس کا جی تو چاہتا تھا کہ ابھی اٹھے اور کھٹانہ کو مار کر خودکشی کر لے لیکن چاہتے ہوئے بھی وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس کی خواہش تھی کہ اب وہ جنگ اس سرخ لڑکے جیسے اس کی بیٹی نے جوابی حملے کا آغاز کیا تھا۔ نجانے کیوں اس لمحے اسے اپنی بیٹی پر بہت رحم اور بہت پیار بھی آیا۔ وہ بے اختیار اسے اپنے سینے سے لپٹا کر رونے لگی۔

○

میاں آصف وحید سے اعظم خان کی ملاقات اس کی زندگی کا شاندار تجربہ تھا۔ حاجی وحید کے صاحبزادے اور "سولجر ٹاؤن پراجیکٹ" کے ایم ڈی میاں آصف وحید کو اپنے باپ سے ہر نوعیت کی حرامخوری ورثے میں ملی تھی ایک اینج اسے باپ پر یہ بھی حاصل تھا کہ اس کا باپ بمشکل آٹھ جماعت پاس تھا جبکہ میاں آصف وحید نے الا ماشاء اللہ گریجوایشن بھی کر لی تھی۔ اس بات کا علم اس کے علاوہ بمشکل دو تین لوگوں کو ہی ہوگا کہ ایف اے اور بی اے دونوں امتحانات میں اس کی جگہ پیپر کسی اور نے دیئے تھے۔ میاں آصف نے اپنے باپ کی طرف سے فراخدلی کچھ زیادہ ہی پائی تھی اس کا اصول تھا کہ جہاں دس روپے دے کر کام بنتا ہو وہاں سو روپیہ خرچ کر کے کام زیادہ بہتر طریقے سے کروانا چاہیے۔ یہی اصول اس نے امتحانات میں اپنایا تھا۔ اس نے بیس پچیس ہزار دے کر جعلی ڈگری لینے کی بجائے اپنی جگہ اصلی امیدوار کو امتحانی سنٹر میں بھیج کر متعلقہ عملے سمیت چالیس پچاس ہزار میں سودا کرنا زیادہ بہتر جانا اس کے نزدیک یہ زیادہ مستند تھا کیونکہ جب سے امتحانات میں حصہ لینے کے لئے گریجوایشن کی شرط رکھی گئی تھی جعلی ڈگریوں کی بھرمار ہو رہی تھی اور الیکشن کمیشن نے کارروائی ڈالنے کے لئے دو تین جعلی ڈگری ہولڈر پکڑے بھی تھے یہ الگ بات کہ وہ ابھی تک اسمبلی ممبری کے مزے لوٹ رہے تھے۔

میاں آصف نے ایسا بندوبست کیا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کی طرف آنکھ یا انگلی کم از کم اس کے تدریسی سلسلے میں نہ اٹھا سکے۔ ماشاء اللہ اس کے امتحانی پرچے تک محفوظ تھے امتحان گاہ کے کارڈ پر اس کی فوٹو اس کا شناختی کارڈ نمبر اس کا ایڈریس درج تھا یہ الگ بات کہ وہاں سیٹ پر اس کے ہی دفتر کا ایک نوجوان پرچے دے رہا تھا جس کی قابلیت غیر مشکوک تھی اور ایسا ہی ہوا۔ میاں آصف نے اس محنت کے لیے اسے پچیس ہزار روپے اور ماہانہ تنخواہ میں دو ہزار کا اضافہ دے کر فرسٹ کلاس میں گریجوایشن کر لی تھی اور جب بھی چاہتا آسانی سے کسی کے ذریعے ایم اے بھی کر سکتا تھا لیکن اس نے ایم اے کا تکلف نہ کیا ایک پاکباز قسم کی انگریزی بولنے والی درمیان عمر کی عورت تمازی اس کی سیکرٹری تھی جس کے ذریعے وہ ہر ملاقاتی پر اچھا خاصا انگریزی کا رعب جھاڑ سکتا تھا۔ پروفیشنل سیکرٹری نے اپنا باس کا ٹھیک ٹھاک ٹوہر بنا رکھا تھا۔

عیاشی اور حرامکاری کے لئے میاں آصف کے یورپ اور تھائی لینڈ چکر لگتے رہتے تھے اس لئے اسے تھوڑی بہت انگریزی سے بھی شد بد ہو گئی تھی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

اور اب وہ گاہے بگاہے اس کا استعمال بھی کرتا رہتا تھا۔ اعظم خان نے پہلی ملاقات ہی میں اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ ذرا ''مشکل شکار'' ہے۔ اپنی مرضی سے ذبح ہونے کے لئے تیار ہو جائے تو ٹھیک ورنہ اسے آسانی سے چھری نہیں پھیری جا سکتی۔ اس نے کسی نہ کسی طور میاں آصف تک اس کے باپ حاجی وحید سے اپنے تعلقات درست کرنے کے لئے رسائی تو حاصل کر لی تھی لیکن یہاں اسے اپنے پیشے کے ایسے ایسے خلیفہ دکھائی دے رہے تھے جن کی موجودگی میں اس کے لئے جگہ بنانا کا کارد ارد تھا۔

''کوئی بات نہیں اس نے سوچا کم از کم ان کے شر سے تو بچا رہے گا'' اور دوسرے ہی لمحے چونکا جب ایک سمارٹ خاتون استقبالیہ کمرے میں آئی اور اسے مخاطب کیا۔

''اعظم خان صاحب آپ ہیں؟''..... اس نے اعظم خان کو ادائے دلربانہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

جی.....'' بمشکل اعظم خان کے منہ سے نکلا وہ تو ابھی تک ڈھنگ سے سنبھل بھی نہیں پایا تھا طویل عرصہ صحافت کے کارزار میں زندگی گھسیٹنے کے بعد بھی ابھی تک اس نے اتنی خوبصورت اور پناہ خاتون نہیں دیکھی تھی۔

''آپ کو سر نے یاد فرمایا ہے۔ اعظم خان کے کانوں میں سریلی گھنٹیاں بجیں۔

''جی''..... اس نے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

خاتون اس کے آگے آگے چل کر اس کی رہنمائی کرتی ''سر'' کے کمرے تک آئی تھی جس کے باہر دو ہٹے کٹے گن مین کھڑے تھے۔

دونوں اسے دیکھتے ہی ایک طرف ہٹ کر کھڑے ہو گئے۔ خاتون نے دروازہ کھولا اور اسے مخاطب کیا

''آیئے اعظم خان صاحب''..... اور اعظم خان اندر داخل ہو گیا۔ خاتون باہر رہ گئی۔ اعظم خان کی پشت پر دروازہ بغیر آواز پیدا کیے بند ہو گیا۔ سامنے ایک بڑی شاندار میز کے پیچھے میاں آصف اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

''آیئے خان صاحب۔ آیئے خان صاحب''..... اس نے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا ''تشریف رکھیں''..... سامنے کونے میں لگے قیمتی فرنیچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وہ اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھ گیا۔ اس دفتر میں خدا جانے ایسی کیا چمک دمک تھی کہ اعظم خان کی آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔

''بہت دھوم مچی ہے آپ کی تو خان صاحب''..... میاں آصف نے اسے بیٹھتے ہی مخاطب کیا۔

''جی اللہ کا کرم ہے بس، میں کس قابل ہوں''۔ اعظم خان ابھی تک اس کے سامنے دبا ہوا تھا۔

''نہیں خان صاحب کوئی بات تو ہے نا ''فریب نظر'' میں اور بھی تو بہت سے لوگ ہیں۔ سنا ہے آپ کاٹھا صاحب کے بہت قریب ہیں''۔ میاں آصف نے مسکراہٹ برقرار رکھی۔

''ان کی مہربانی ہے جناب ورنہ میں کس قابل''۔ اعظم خان نے قدرے حوصلہ کیا۔

اس دوران ایک مؤدب ویٹر کمرے میں داخل ہوا اور وہاں چائے کے ساتھ کچھ لوازمات رکھ کر واپس چلا گیا۔ میاں آصف ادھر ادھر کی دو چار باتیں کر کے شاید اعظم خان کا آئی کیو چیک کر رہا تھا۔ اس نے دو مرتبہ سنیکس کی پلیٹ اعظم خان کی طرف بڑھائی تھی اور اعظم خان کو اب یقین ہونے لگا تھا جیسے وہ واقعی کوئی ڈی آئی پی قسم کی چیز ہے۔

''آپ نادرہ بیگم کو تو جانتے ہوں گے؟ اچانک ہی

میاں آصف نے سوال کر کے اسے قریباً بوکھلا دیا۔ نجانے اس نے یہ کیوں پوچھا تھا۔ ''ہاں جی ان کا آنا جانا اکثر کاٹھا صاحب کے آفس میں رہتا ہے۔'' اعظم خان سنبھل کر بولا۔

''ہوں ہاں..... تو یہ بات ہے۔ آپ تکلف کر رہے ہیں خان صاحب یہ کٹلس لیں ناں جناب آپ کو پسند آئیں گے۔'' اس نے پھر پلیٹ اٹھا کر اعظم خان کے سامنے کی تھی۔ اعظم خان اس کی مہمان نوازی سے بہت متاثر ہو رہا تھا۔ دو تین ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد اس نے اعظم خان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''خان صاحب ہم دوستوں کی بہت قدر کرتے ہیں آپ کو اندازہ ہو گا۔ لیکن بزنس مین ہیں۔ ہم سیاست دان تو ہے نہیں۔ آپ سے کچھ پردہ نہیں اپنی سرمایہ کاری کا ریٹرن بھی ہمارے لئے ضروری ہے۔ آپ تشریف لائے بہت شکریہ۔ کیا آپ کے لئے نادرہ بیگم صاحبہ سے ہماری ملاقات کروانا ممکن ہو گا؟ اس اچانک سوال نے تو اعظم خان کے پاؤں تلے اچانک ہی زمین سرکا دی تھی۔

اس کی دو تین مرتبہ آفس میں نادرہ بیگم سے ''صاحب سلامت'' ہوئی تھی لیکن دونوں کے درمیان کچھ ایسے تعلقات نہیں تھے صرف ایک مرتبہ کاٹھا صاحب کے حکم پر اس نے نادرہ بیگم کے گھر پانی کی نئی لائن بچھوائی تھی جس پر نادرہ بیگم نے فون کر کے اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔ اسے گھر آنے کی دعوت بھی دی تھی۔

''تعمیل ہو گی میاں صاحب'' نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے کہہ دیا وہ بہر صورت اس سونے کی مرغی کو اپنے کنٹرول میں رکھنا چاہتا تھا جبکہ میاں آصف نے اسے بڑی عجیب و غریب فرمائش کر دی تھی۔

''خان صاحب ہم اپنے دوستوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتے۔ حالات اچھے ہوں یا برے'' اس نے براہ راست اعظم خان کی آنکھوں میں جھانکا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی گپ شپ کے بعد وہ واپس لوٹ آیا۔ یہ بات اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتی تھی کہ میاں آصف نے بات تو نادرہ بیگم سے تعلقات کے لئے کی تھی لیکن اصل میں اس کا ٹارگٹ تھی بلقیس گھنٹی۔ جس نے اگلے روز ایک تقریب میں اس کی گھنٹی بجا دی تھی۔

اس تقریب میں میاں آصف کی شرکت صرف کاروباری نقطہ نظر سے تھی جہاں بلقیس بھی رضیہ کے ساتھ آئی ہوئی تھی۔ بلقیس پر ایک نظر پڑتے ہی میاں آصف کے خون کی گردش تیز ہو گئی اس نے ایک دو مرتبہ یہ چاہا کہ اس سے بات کر سکے لیکن یہاں اتنے لوگ اس کے گرد جمگھٹا لگائے ہوئے تھے کہ اسے بلقیس سے باقاعدہ تعارف کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔ بلقیس نے خود اس کے نزدیک آنے کی کوشش نہیں کی۔ میاں آصف کے لئے کسی لڑکی کا حصول کبھی کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اس شہر کی ہر دوسری عورت اس کے ساتھ وقت گزاری کے لئے بے چین رہتی تھی لیکن اسے حیرت ہو رہی تھی کہ بلقیس نے اس کے سلام کا جواب بھی صرف سر ہلا کر دیا تھا۔

''ضرور اس لڑکی میں کوئی خاص بات ہے'' اس نے سوچا اور جب وہ واپس لوٹا تو اگلے روز اس کے سامنے بلقیس سے متعلق تمام اطلاعات اس کے خصوصی سیل نے رکھ دی تھیں جن کے مطابق بلقیس دراصل نادرہ بیگم کی بیٹی تھی لیکن آج کل اس پر وزیر مال کھٹانہ نے قبضہ کیا ہوا تھا۔ اس کے خفیہ سیل نے وزیر موصوف کی اس کوٹھی کا نمبر بھی دے دیا تھا جس میں بلقیس آ پھنستے رہتا۔ گاؤں کی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کھٹانہ کے ساتھ قیام پذیر تھی۔

''اس بڈھے کھوسٹ نے بڑا زبردست ہاتھ مارا ہے۔'' اس نے سوچا اور مسکرادی۔

کھٹانہ کے متعلق اسے کچھ جاننے کی ضرورت نہیں تھی وہ اس کے باپ کے ساتھ دو نمبر پلاٹوں کے کاروبار میں ملوث رہا تھا اس کے خاندانی پس منظر کے متعلق میاں آصف کو کبھی کوئی غلط فہمی نہیں رہی تھی گو کہ اسمبلی میں زیادہ تعداد ایسے ہی ''شرفا'' کی تھی جن کے کارناموں پر ڈاکو بدمعاش اور لٹیرے منہ چھپاتے پھریں لیکن ایک مرتبہ اسمبلی ممبر بن جانے والے کی تاریخ جغرافیے سے حکومت کا کیا لینا دینا اور جہاں تک عوام کا تعلق ہے انہیں اپنے کام چاہیے تھے خواہ وہ کسی ڈاکو کے ہاتھوں ہوں یا کسی قاتل کے ہاتھوں۔ مسائل کی دلدل میں دھنسے بے چارے عوام کے پاس یہ سوچنے کا وقت ہی کہاں تھا وہ تو ریلیف چاہتے تھے بھلے وہ چند پل ہی کے لئے کیوں نہ ہو۔

میاں آصف نے بلقیس تک براہ راست رسائی کے لئے نادرہ بیگم سے ہاتھ ملانا بہتر جانا تھا۔ وہ باپ کی طرح بڑا سمجھدار کھلاڑی تھا اس کے باپ نے بتایا تھا کہ اگر تمہارا گیم پلان سامنے والے کی سمجھ میں آگیا تو سمجھو بازی تم نے وہیں ہار دی اس کے لئے یہ بھی بڑے اچھنبے کی بات تھی کہ کھٹانہ جیسے تھرڈ کلاس وزیر کے ساتھ بلقیس کا قیام آخر کیسے ممکن ہے۔ کہیں وہ بلیک میل تو نہیں ہو رہی؟ فوراً ایک خیال اس کو آیا اور اس نے خود ہی اس بات میں سر ہلا دیا۔ کھٹانہ جیسے بندے سے کچھ بھی توقع کی جاسکتی تھی وہ اپنی ہوس کی پیاس بجھانے کے لئے کس حد تک بھی جا سکتا تھا۔ اب تو میاں آصف پر لازم ہو گیا تھا کہ وہ اس خوبصورت پری کی مدد کرنے اس شہزادہ گلفام بن کر جائے اور اسے کھٹانہ نام

کے جن کی قید سے رہائی دلا کر اپنی ملکہ بنا لائے اور وہ اپنے کام پر جت گیا تھا اس نے آغاز اعظم خان سے کیا تھا کیونکہ نادرہ بیگم کا سب سے مضبوط ٹھکانہ روزنامہ ''فریب نظر'' ہی تھا۔

O

پندرہ روز سے یہی ڈرامہ چل رہا تھا۔ اس دوران کھٹانہ نے اپنے وجود میں عجیب سی تبدیلی کا احساس کیا تو تھا لیکن اس کا نوٹس نہ لے سکا کیونکہ اس نے کبھی یہ تصور بھی نہیں کیا تھا کہ رضیہ اسے دھوکہ دے گی وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ رضیہ اس کی ہر لمحہ ہر قدم پر محتاج ہے اور رہے گی اور اس نے بلقیس پر رضیہ کو نگران رکھا ہوا تھا۔ اس دوران اس نے صرف یہ بات نوٹ کی تھی کہ بلقیس نے سیاسی سرگرمیوں میں کچھ زیادہ ہی حصہ لینا شروع کر دیا تھا عموماً وہ اس کے علم میں لائے بغیر اکیلی ہی کسی نہ کسی سیاسی میٹنگ میں چلی جاتی تھی۔ اس مرحلے پر کھٹانہ اسے روک نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ کاٹ کے اس کے حوالے کر دیئے تھے۔ ٹکٹ اس کے نام جاری ہو چکا تھا اور چیف منسٹر میاں چنوں نے اسے خود منسٹری کی یقین دہانی کروادی تھی وہ عمر کے اس حصے میں بھی اپنی اوقات نہیں بھولا تھا۔ اپنی نواسیوں کی عمر کی لڑکیوں پر گندی نظر رکھنا ان سے جنسی حرکات کرنا کھٹانہ کی طرح اس کا بھی محبوب مشغلہ تھا گو کہ اس نے ابھی تک بلقیس کی جسم کو چھو کر نہیں دیکھا تھا جس کی واحد وجہ کھٹانہ تھا جو اس کا بھیدی اور کسی بھی وقت لنکا ڈھانے کی پوزیشن رکھتا تھا لیکن اس کا شیطانی ذہن بلقیس پر نظر پڑتے ہی بے قابو ہو جاتا اور وہ اس موقعہ کی تاک میں تھا کہ کبھی نہ کبھی تو تھوڑی دیر ہی کے لئے سہی یہ چڑیا اس کے جال میں ضرور پھنسے گی۔

کھٹانہ کے شیطانی دماغ نے یہ جان لیا تھا کہ اس

نے سارے پتے ترپ چال سمیت بلقیس کے ہاتھ میں دے دیئے ہیں اور وہ کسی بھی وقت بازی الٹ دینے کی پوزیشن میں آچکی ہے لیکن اس نے شیطانیت کے اس کھیل میں چونکہ کبھی ہار مانی نہیں تھی وہ کبھی ہار ابھی نہیں تھا یہاں وہ اپنی شکست کیوں تسلیم کرتا اس نے الیکشن تک حالات کو جوں کا توں رکھنے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ جب کبھی اسے کچھ شک گزرتا رضیہ فوراً اپنا کام شروع کر دیتی۔

''کھٹانہ صاحب آپ کے ہاتھوں چوگا چگنے کے بعد کون سی چڑیا کسی دوسرے ہاتھ پر بیٹھنا پسند کرے گی۔ کہیں نہیں بھاگی جا رہی وہ۔ میں ہوں ناں آپ مجھ پر اعتماد کریں میں آپ کی امانت میں خیانت نہیں ہونے دوں گی۔۔۔'' وہ کہتی اور کھٹانہ مطمئن ہو جاتا۔

وہ معمول کے مطابق مہینے میں ایک دو مرتبہ گاؤں ضرور جایا کرتا تھا لیکن جب سے بلقیس اس کے عقد میں آئی تھی وہ گاؤں نہیں گیا تھا جبکہ گزشتہ تین روز سے اسے گاؤں سے فون آرہے تھے۔ آج تک اس کی بیوی کنیز بیگم کو یہ جرات نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس کے برابر بیٹھ سکے جبکہ وہ خود اسے دو مرتبہ فون کر چکی تھی جو اس کے لئے انہونی بات تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کا بڑا سالا امریکہ سے آیا ہوا ہے ممکن ہے اس لئے اسے بار بار بلایا جا رہا ہو۔ اس کا بڑا سالہ پانچ سال پہلے قتل کے ایک مقدمے میں اشتہاری ہو کر پاکستان سے امریکہ بھاگ گیا تھا اور اب وہاں گرین کارڈ حاصل کر چکا تھا کھٹانہ کی فیملی میں کسی کا اشتہاری ہونا اس کے لئے اعزاز کی بات تھی اور وہ ان کا ہیرو بن جایا کرتا تھا۔ اس کے سالے نے کوئی پہلا قتل تو کیا نہیں تھا خدا جانے اس سے پہلے وہ کتنوں کی جان لے چکا تھا لیکن اس مرتبہ اس کے ہاتھوں ایک پولیس حوالدار مارا گیا تھا جس سے معاملات کچھ بگڑتے گئے تھے۔ اس کو امریکہ پہنچانے کے بعد انہوں نے نہ صرف کیس ختم کروالیا تھا بلکہ اس کا نام بھی اشتہاریوں سے ''شرفا'' کی لسٹ میں شامل ہو چکا تھا۔

کھٹانہ کی شادی اس کی کزن سے ہوئی تھی یہاں ایسے ہی ہوتا تھا خاندان میں شادی ہوتی تھی خواہ عمروں میں کتنا ہی فرق ہو رشتہ باہر نہیں کیا جاتا تھا تاکہ ان کی جائیداد تقسیم نہ ہو۔ جس لڑکی کے لئے رشتہ نہ ملتا اس کی شادی قرآن پاک سے ہو جاتی تھی۔ کھٹانہ کی دو بہنوں کے ساتھ یہی کچھ ہوا تھا انہیں حویلی کے ایک کونے میں الگ رکھا جاتا تھا۔ کچھ کرنے، کہنے کی آزادی نہیں ہوتی تھی۔ اگر کسی کی قسمت اچھی ہوتی تو وہ حویلی کے کسی ملازم کے ساتھ فرار ہو جاتی بصورت دیگر جس کمرے میں انہیں قید کیا جاتا ان کا جنازہ بھی وہیں سے اٹھایا جاتا تھا۔ آج سے دس سال پہلے ایک لڑکی نے گھر کے ڈرائیور کے ساتھ فرار ہونے کی کوشش کی تھی جسے خونخوار کتوں نے چیر پھاڑ کر برابر کر دیا تھا جبکہ ڈرائیور کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ اس کے باوجود تین سال پہلے اس کی ایک کزن فرار ہونے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ آج تک کھٹانہ فیملی کے شکاری اسے تلاش کر رہے تھے لیکن ابھی تک وہ خوش قسمتی سے ان کے ہاتھ نہیں آئی تھی۔

کھٹانہ اس مرتبہ سیدھا اپنی حویلی جانے کے بجائے اپنے چچا کی حویلی پہنچا تھا جہاں اس نے اپنے سالے سے ملاقات کر کے ان کا گلہ اتار دیا۔ جب وہ گاؤں آتا تو لوگ ایسے خوفزدہ ہوتے جیسے کوئی جن یا بھیڑیا گاؤں میں گھس آیا ہو۔ اس کے ساتھ باڈی گارڈز کی دو گاڑیاں ہوتیں اور اس کے باڈی گارڈز سرکاری سانڈوں کی طرح گاؤں میں دندناتے پھرتے تھے۔ جتنے دن ان کا قیام گاؤں میں رہتا۔ گاؤں کی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

لڑکیاں گھروں سے نکلنے سے احتراز کرتیں کیونکہ یہ درندے کسی بھی نوجوان لڑکی کو اپنے باپ کی جاگیر سمجھتے تھے۔ کھٹانہ کو اس صورت حال کا بخوبی احساس تھا اور وہ اس پر بہت خوش ہوا کرتا تھا اس کے باپ نے بتایا تھا کہ جب تک وہ اپنے گاؤں والوں کو خونخوار رکھے گا وہ اس سے ڈرتے رہیں گے تب تک اس کے اقتدار کو کوئی خطرہ نہیں بصورت دیگر انہیں ووٹ دینے کے بجائے کوئی انکے منہ پر تھوکنے کو بھی تیار نہیں ہوگا۔ گاؤں میں اگر کوئی سر پھرا ان کے سامنے سر اٹھانے کی کوشش کرتا کھٹانہ فیملی کے غنڈے اس کا سر کاٹ کر نزدیکی جنگل میں پھینک آتے اور دھڑ دریا برد کر دیتے تھے۔ ایسے درجنوں نامعلوم قتل کی ایف آئی آر مقامی تھانے میں درج تھیں لیکن کوئی ثبوت آج تک نہیں ملا تھا جبکہ علاقے کا بچہ بچہ قاتلوں کو جانتا تھا۔

اس روز پہلی مرتبہ ایسا ہوا جب وہ شام کو حویلی سے ڈیرے کی طرف جانے کے لئے تیار ہو رہا تھا تو کنیز بیگم کمرے میں آگئی۔ غصے سے زیادہ حیرت کے ساتھ کھٹانہ نے اسے دیکھا۔

"میں نے آپ سے ایک بات کرنی تھی" ڈمے کی مریض کنیز بیگم نے جو ابھی پمپ لے کر آئی تھی اس سے کہا۔

"کر لینا ابھی میں ڈیرے پر جا رہا ہوں"..... اس نے لاپرواہی سے اسے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"ضروری بات ہے" کنیز بیگم کا لہجہ آج اس کے لئے اجنبی تھا۔

"کیا ضروری بات ہے۔ سنا نہیں تم نے میں ڈیرے پر جا رہا ہوں" کھٹانہ کو غصہ آگیا تھا۔

"چوہدری صاحب! چھ بچوں کے والدین ہیں آج تک میں نے آپ کے کسی ظلم کے آگے اف نہیں کیا لیکن اب پانی سر سے اونچا ہونے لگا ہے" کنیز بیگم نے کہا تو کھٹانہ نے چاہا کہ آگے بڑھ کر اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارے لیکن اپنے بڑے سالے کی آمد نے اسے قدرے محتاط کر دیا تھا۔

"دماغ خراب ہو گیا ہے تیرا۔ کیسے بات کر رہی ہے تو....." اس نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا۔

"یہ بلقیس کون ہے"؟ اچانک ہی کنیز بیگم کے منہ سے نکلا اور کھٹانہ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے کانوں میں پگھلتا سیسہ ڈال دیا ہو، غصے سے زیادہ حیرت نے اس کا دماغ خراب کر دیا تھا۔ کنیز بیگم کے منہ سے بلقیس کا نام سن کر وہ سناٹے میں آگیا تھا۔

"خبردار جو اس سے آگے ایک لفظ بھی زبان سے نکالا۔ زبان گدی سے کھینچ لوں گا۔" وہ پھنپھنے پر آ رہا تھا۔

"چوہدری صاحب آپ جانتے ہیں میں نے کبھی آپ سے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ کوئی سوال نہیں کیا۔ لیکن میں اس سوال کا جواب جان کر رہوں گی۔ میں بھی کوئی بھوکے گھر سے نہیں آئی اپنے ساتھ تین مربع زمین لے کر آئی ہوں۔ مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے۔" ابھی اس کی بات نامکمل ہی تھی جب ایک زناٹے دار تھپڑ کھٹانہ نے اس کے گال پر جما کر اسے دیوانہ وار گالیاں بکنا شروع کر دیں۔ کنیز بیگم نے پہلی مرتبہ اس سے مار نہیں کھائی تھی۔ نشے کی حالت میں وہ اسے متعدد مرتبہ جانوروں کی طرح پیٹ چکا تھا لیکن آج پہلی مرتبہ وہ اس کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو گئی۔

"مجھے اپنے سوال کا جواب چاہیے چوہدری صاحب۔ ورنہ میں "لالے" سے بات کروں گی۔" اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دھمکی آمیز انداز اپنایا "لالے" کا نام سن کر کھٹانہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔ وہ جانتا تھا کنیز بیگم کا بڑا بھائی اپنی بہنوں سے کتنی محبت کرتا ہے

اور جب اسے علم ہوا کہ اس کی بہن کی زندگی میں کھٹانہ اس پر سوکن لے کر آگیا ہے۔ تو وہ کیا کر گزرے گا۔

"آ کر بتاتا ہوں تجھے۔ خبردار اگر اپنی زبان سے دوبارہ یہ نام نکالا۔" اس نے غصے سے کنیز بیگم کو دھکا دے کر ایک طرف کیا اور گالیاں دیتا کمرے سے باہر نکل گیا۔

ڈیرے پر لوگوں سے دوران ملاقات اور راستے میں آتے جاتے ہوئے رہ رہ کر ایک ہی سوال اس کی جان کو آ گیا تھا کہ آخر کنیز بیگم تک بلقیس کا نام کیسے پہنچا۔ وہ تو مہینوں لاہور نہیں آئی تھی اسے کس نے یہ اطلاع دی؟ اور سب سے اہم بات کے اگر یہ خبر اس کے بھائی اچھو کھٹانہ کو ہو گئی تو وہ کھٹانہ کی زندگی جہنم بنا دے گا اور عین ممکن ہے کنیز بیگم کے جہیز میں ملنے والا رقبہ بھی اس کے ہاتھ سے نکل جائے۔ یہ بات طے ہے کہ گردہ سیر ہے تو اچھو سوا سیر۔ اب تو وہ گرین کارڈ ہولڈر بھی ہو چکا ہے۔

کنیز بیگم نے اسے چار بیٹے اور دو بیٹیاں دی تھیں اور زندگی بھر کبھی اس کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کی تھی۔ لیکن اس مسئلے پر وہ چپ رہنے والی نہیں تھی اس کے خاندان کی عورتیں سوتن کا وجود برداشت کرنے سے مر جانا بہتر جانتی تھیں اور اس مسئلے پر خاندان میں بھی کوئی اس کا ساتھ نہیں دے گا۔ پھر وہ کیا کرے؟ کیا خاموشی سے سب کچھ برداشت کر لے۔ اگر اس مسئلے کا حل کنیز بیگم کو طلاق دینا ہوتا تو وہ ایک لمحہ تاخیر نہ کرتا لیکن تین مربعے اراضی جو شہر سے بمشکل دو تین فرلانگ دور تھی اور جتنی تیزی سے شہر بڑھ رہا تھا زمین کا مول بھی اتنی تیزی سے بڑھ رہا تھا۔

ایک بات تو طے تھی کہ ابھی یہ معاملہ کنیز تک ہی تھا۔ پھر وہ کیا کرے؟ اچانک ہی ایک شیطانی سوچ نے جنم لیا۔ کنیز بیگم کا مسئلہ ہی ختم کر دیا جائے۔ نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری۔ اچھو یہاں ایک ماہ سے زیادہ نہیں رہے گا اسے امریکہ میں حرامکاری کا جو چسکا لگا تھا وہ اسے یہاں تو ملنے سے رہا اور وہ یہ بات بھی جانتا تھا کہ اس کے دشمن بھی کب سے اس کی آمد کے منتظر ہیں اس کے لئے یہ ملک اب محفوظ نہیں رہا تھا۔

کنیز بیگم تک بلقیس سے اس کی شادی کی اطلاع کس نے پہنچائی؟ وہ جو کوئی بھی تھا اس سے تو وہ بعد میں نمٹ لے گا لیکن پہلے کنیز بیگم کی زبان بند کرنا ضروری تھا اور اس نے یہ فیصلہ کر لیا۔

گھر پہنچنے کے کچھ دیر بعد ہی اس نے چھنی میراثن کو اپنے کمرے میں بلایا۔ یہ ان کی خاندانی میراثن اور کھٹانہ کی ابتدائی دور کی داشتہ تھی یوں تو اس حویلی میں کام کرنے والی ہر نوجوان لڑکی ان کی بلاشرکت غیرے ملکیت ہوتی تھی ایسی درجنوں مثالیں موجود تھیں اور اب یہ "روٹین میٹر" بن چکا تھا۔ چھنی سے دو تین بے ہودہ حرکتیں کرنے کے بعد اس نے جیب سے ہزار کے دس نوٹ نکالے اور اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔ چھنی اس کی بیگم کی خادمہ خاص تھی خصوصاً رات کو سونے تک وہی اس کے کمرے میں رہتی تھی۔ کھٹانہ نے اسے اعتماد میں لے لیا تھا اب وہ مر تو سکتی تھی لیکن کبھی کسی کو وہ نہیں بتا سکتی تھی جو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھنے والی تھی۔

طے شدہ پروگرام کے مطابق رات کھانے کے بعد جب کنیز بیگم اس کے کمرے میں آئی اور اس نے اپنی آمد کے فوراً بعد وہی مسئلہ کھڑا کر دیا۔

"چوہدری صاحب، آپ کو بتانا پڑے گا یہ بلقیس کون ہے؟ آپ کا اس سے کیا رشتہ ہے اور وہ آپ کے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ساتھ کیوں رہتی ہے؟'' اس کے تیور بدلے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔ آج وہ مکمل بدلی ہوئی عورت دکھائی دیتی تھی۔

''تمہیں یہ کس نے بتایا ہے؟''

''جس نے بھی بتایا میں تمہاری زبان سے سننا چاہتی ہوں۔'' اس نے اتنے زور سے چیخ کر کہا کہ کھانسی کا شدید دورہ پڑ گیا۔ شدید تکلیف اور بے چینی سے وہ اپنے بیڈ کی طرف بڑھی جہاں سائیڈ پر گلی الماری میں اس کا پمپ رکھا تھا لیکن وہاں پمپ موجود نہیں تھا۔ تیزی سے وہ دروازے کی طرف لپکی تاکہ دوسرے کمرے میں موجود پمپ تک رسائی حاصل کرے لیکن کھٹانہ نے اسے دور سے دھکا دے کر پلنگ پر گرا دیا۔ شدید دمے کے دورے نے اس کی حالت غیر کر دی تھی اور اس کی رسائی دوا تک نہیں ہو رہی تھی۔ کھٹانہ پر غصے کا دورہ پڑتا تو وہ اپنے آپ سے باہر ہو جاتا تھا اب بھی وہ غصے میں اسے مسلسل گالیاں دیتے ہوئے بار بار چیخ رہا تھا۔ کنیز بیگم کے سینے میں سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔ کھٹانہ پر وحشت طاری تھی باہر دروازے سے کان لگائے چھنی میراثن ان کی آوازیں سن رہی تھی۔ آہستہ آہستہ کنیز بیگم کو آرام آنے لگا۔ کھٹانہ کی درندگی اپنی آخری حدوں کو چھو رہی تھی۔ اس نے دمے کی مریضہ کے منہ پر سرہانہ رکھا اور اس پر سارا وزن ڈال دیا۔ بمشکل ایک منٹ بھی وہ یہ اذیت برداشت نہ کر پائی پھر جیسے اچانک چلتے ہوئے انجن بند ہو جائے اس کی سانس بند ہو گئی۔ کھٹانہ نے دو تین منٹ وہاں بیٹھ کر اپنی سانسیں درست کیں۔ کمرے کا دروازہ کھول کر چھنی میراثن کو اندر بلایا جس نے مسکرا کر اپنے مالک کی طرف دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا پمپ مردہ کنیز بیگم کے جسم کو پلنگ پر پھیلا کر اس کے مردہ ہاتھ کے نزدیک رکھ دیا۔ بظاہر ایسا دکھائی دے رہا تھا جیسے شدید دمے کے دورے نے کنیز بیگم کی جان لے لی۔

کھٹانہ نے اپنے کمرے میں آ کر وہسکی کے دو پیگ چڑھائے۔ خود کو نارمل کیا اور اپنے بندوں سے اس طرح باتوں میں لگ گیا جیسے بہت مصروف ہو۔ دوسری طرف چھنی میراثن نے اپنا کام شروع کر دیا۔ اس حادثے کے قریباً پانچ منٹ بعد وہ معمول کے مطابق دودھ لے کر بیگم صاحبہ کے کمرے کی طرف گئی اور روتی پیٹتی باہر آ گئی۔ ساری حویلی چند سیکنڈ میں وہاں موجود تھی۔ کنیز بیگم کی لاش پر بین شروع ہو چکے تھے۔ کھٹانہ کو یہ اطلاع حویلی کی بیٹھک میں ملی جہاں وہ سیاسی میٹنگ کر رہا تھا۔ بچے اس کے شہر میں پڑھائی کے نام پر عیاشی کر رہے تھے۔ صبح تک سارا شہر اڑوس پڑوس کے رشتے دار اور بڑے بڑے معززین، سرکاری افسر اور اہم شخصیات قریباً ہر قابل ذکر سیاسی لیڈر وہاں موجود تھا۔ کھٹانہ کے دو بیٹے لندن میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انہوں نے تو صاف کہہ دیا تھا کہ ان کے لئے آنا ممکن نہیں باقی دونوں جیسے تیسے پہنچ گئے اور شام تک عظیم الشان جنازہ تیار ہو گیا۔ کنیز بیگم آبائی قبرستان میں ابدی نیند سو گئی اور اس کے ساتھ ہی بلقیس بیگم کا راز بھی دفن ہو گیا۔

تین روز تک وہ خود کو اور لوگوں کو گالیاں دیتا تدفین کے بعد کی رسومات بھگتاتا رہا۔ اس دوران اس کا چہرہ حزن و ملال کی تصویر بنا رہتا۔ یہ الگ بات کہ رات کو جیسے ہی وہ اپنے کمرے میں داخل ہوتا دو تین پیگ وہسکی حلق میں اتار کر پھر بستر پر گرتا۔ جس روز اس کی بیگم کی ''وفات حسرت آیات'' کی خبر شائع ہوئی تب سے اب تک بلقیس اور رضیہ کے آٹھ دس فون آ چکے تھے۔ بلقیس اس کا غم بانٹنے کے لئے گاؤں آنے پر بضد

تھی جبکہ کھٹانہ اسے بار بار روک رہا تھا۔ رضیہ اسے بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ بلقیس نے بہت غم کیا ہے اور کھٹانہ اوکا پٹھا بنا سب کچھ سن رہا تھا۔ اس نے کنیز بیگم کی موت کے فوراً بعد اپنی آنکھوں پر کالے شیشوں کی عینک چڑھا لی تھی تاکہ اس کے اندر موجود حرامکاری کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر کی کوئی جھلک اس کی آنکھوں سے دکھائی نہ دے جائے اس کی جتنی تصاویر اخبارات یا ٹی وی سکرینوں پر آئی تھیں سب اس حلیے میں تھیں اور اس نے مقدور بھر کوشش اور انتہائی منافقت سے خود کو خاصا غمزدہ ظاہر کیا ہوا تھا۔ تین روز تک وہ اپنے گاؤں میں موجود رہا۔ چوتھے روز اس نے پریس کانفرنس بلائی اور وہاں ''کنیز بیگم ٹرسٹ'' قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس نے میڈیا کو بتایا کہ اس کی بیوی کو دمہ کا موذی مرض لاحق تھا اب وہ یہاں ایک جدید ہسپتال تعمیر کرے گا جہاں دمہ اور اس سے متعلق امراض کا مفت علاج ہو گا۔ اس نے اس پریس کانفرنس میں بڑی غمزدہ آواز میں اپنی بیوی کو شاندار خراج تحسین پیش کیا اور شہر واپس لوٹ گیا۔ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بین۔

اس کی واپسی کے اگلے ہی روز کھٹانہ کے گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر اس کے ''کارکنوں'' نے جگہ جگہ کنیز بیگم میموریل ٹرسٹ ہسپتال'' کے فلیکس لگا دیئے اس کے ساتھ ہی ایک متنازعہ سرکاری پلاٹ جس کا رقبہ قریباً دس کنال سے زیادہ تھا پر اس کے کارندوں نے بندوقوں کے سائے میں چار دیواری کی تعمیر شروع کر دی۔ راتوں رات ایک بڑا گیٹ بنا دیا گیا جس کے باہر لاہور سے آئے ہوئے آرٹسٹوں نے شاندار بورڈ ''کنیز بیگم میموریل ٹرسٹ'' کا لگا دیا۔

کھٹانہ کے چھوٹے بھائی شوکت کھٹانہ نے جو اس ٹرسٹ کا نام نہاد ڈائریکٹر مین تھا ہر مرحلے پر میڈیا کو اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ ہسپتال کی تعمیر میں بھلا گاؤں سے کون مخالفت کر سکتا تھا اگر کسی سرکاری اہلکار نے اس سلسلے میں چوں چراں کرنے کی کوشش کی تو اسے ڈرا دھمکا کر خاموش کروا دیا گیا۔ کھٹانہ نے لاہور پہنچتے ہی کنیز بیگم میموریل ٹرسٹ کی رجسٹریشن کروالی اب اسے ہسپتال کے نام پر کروڑوں روپے کی ایمبولینس، طبی آلات اور متعلقہ سامان بغیر کسی سرکاری ڈیوٹی یا ٹیکس کے منگوانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس کے تیسرے بھائی عثمان کھٹانہ نے جو مقامی کار ڈیلر تھا تین ایمبولینسوں کا ایڈوانس بھی پکڑ لیا تھا صرف ایک سودے میں انہوں نے کروڑ روپے سے زیادہ کا ہاتھ مارا تھا۔

O

''سنا ہے اس کی بیوی مر گئی'' کنیز بیگم کی وفات کے اگلے ہی روز بلقیس نے اپنی ماں کو آگاہ کیا۔

''مر گئی یا قتل ہو گئی؟'' نادرہ بیگم کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

''کیا مطلب ہے امی جان؟ بلقیس چونکی۔

اس کی بات کا جواب دینے سے پہلے اس کی ماں اٹھی اپنے ڈریسنگ ٹیبل کے دراز سے اس نے ایک تھرڈ کلاس سا اخبار نکالا جس کی ایک خبر کے گرد اس نے حاشیہ لگایا ہوا تھا۔

''یہ پڑھ لو۔ کل کا اخبار ہے'' اس نے بلقیس کی طرف اخبار بڑھایا بلقیس نے بے چینی سے خبر پر نظریں دوڑائیں تو اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔؟؟ پریس کے اس اخبار نے خبر لگائی تھی کہ وزیر مال کھٹانہ نے معروف سوشل ورکر نادرہ بیگم کی صاحبزادی بلقیس بیگم سے خفیہ شادی کر لی ہے۔

''یہ یہ کیا..... مم میں نے تو.....'' اس کے منہ سے

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ڈھنگ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔

''نارمل ہو جاؤ بیٹی۔ یہ تو آغاز ہے۔ آگے آگے اس کی کمینگی کے اور مظاہرے بھی تم دیکھو گی بیٹی۔ مجھے شک ہے اس موذی نے یہ خبر خود شائع کروائی ہے تاکہ ہمیں بلیک میل کر سکے اور ظاہر ہے یہ خبر اس کی بیوی تک بھی اس کے کسی دشمن نے پہنچائی ہوگی۔ میرا خیال ہے اس نے ہنگامہ کھڑا کیا ہوگا اور اس ظالم نے اسے مار ڈالا۔ ان لوگوں کے لئے یہ معمول کی بات ہے۔'' نادرہ بیگم پرسکون انداز میں بات کر رہی تھی اور بلقیس بیگم حیرانگی سے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

''امی جان کہیں یہ موذی.....''

''نہیں بیٹی۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ اس سے پہلے کہ وہ ایسا کوئی قدم اٹھائے وہ خود اس دنیا سے اٹھ جائے گا'' اس نے اپنی بیٹی کی بات کاٹ کر اتنے یقین سے کہا کہ بلقیس چونک اٹھی۔ نادرہ بیگم نے اس کے چہرے کو پڑھ لیا اور اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی بولی۔ ''بیٹی ایسے ظالموں کی رسی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ دراز نہیں کرتے انہیں بالآخر اپنے انجام بد تک پہنچا دیتے ہیں۔''

''اوہ میرے خدایا! کیا گناہ ہو گیا مجھ سے''۔ بلقیس نے اظہار تاسف کیا اس خبر نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

''نہیں بیٹی کوئی گناہ نہیں ہوا۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں اور ان کا مداوا بھی خود ہی کرنا پڑتا ہے۔ ایسے اوچھے حملوں کا مقابلہ میں کرنا جانتی ہوں۔ تم مطمئن رہو.....'' اس سے بیٹی کی پریشانی نہیں دیکھی جا رہی تھی۔

اچانک ہی گھر کے فون کی گھنٹی بجی اور اس نے بیٹی کی توجہ اس طرف مبذول کروا دی۔ ''زرا فون سننا بیٹی''۔ اس نے کہا اور پریشان بلقیس ڈریسنگ روم میں چلی گئی۔

''آپ بیٹی میں نکل رہی ہوں۔'' اس نے بلقیس کو آواز دی فی الوقت وہ اپنی بیٹی کا سامنا نہیں کرنا چاہتی تھی۔

گاڑی کا رخ اس نے ڈرائیور کو ''فریب نظر'' کی طرف موڑنے کے لیے کہا۔ اچانک ہی اس کے فون کی گھنٹی بجی یہ ایک خصوصی فون تھا جو اس کے خاص نمبر پر آیا تھا اس نمبر کا اس کی بیٹی کو بھی علم نہیں تھا۔ اصل میں یہ سم sim اس نے ڈالی ہی اس شخص کے لیے تھی۔

''ہاں راجا صاحب! شکر یہ خبر وہاں تک پہنچ گئی تھی۔ اب آپ نے دوسری خبر پر کام کرنا ہے..... ہاں! بس ایک دو اخبارات میں یہ خبر چلوا دیں کہ کھٹانہ کی بیوی کی موت طبعی نہیں اسے قتل کیا گیا ہے۔ بالکل مطمئن رہیں اور ہاں پیسوں کی پرواہ نہ کریں آج رات کو ایڈوانس بھی پہنچ جائے گا''..... اس نے دوسری طرف سے اثبات میں جواب سن کر فون آف کر کے اپنے بڑے سے بیگ نما بٹوے میں ڈال لیا۔

کھٹانہ کی بیوی تک یہ اخبار اور اخبار میں شائع ہونے والی خبر اس کے ''خاص بندے'' نے پہنچائی تھی۔ یہ خبر بھی اس نے خود ہی شائع کروائی تھی اور اب دوسرا شوشہ بھی چھوڑنے والا تھا۔ ''کھٹانہ تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ کس زہریلی سپنی کے بل میں منہ ڈال دیا تم نے.....'' اس نے بڑبڑاتے ہوئے کہا اور لمبی سانس لے کر نارمل ہو گئی۔

Scanned and Uploaded By Muha

نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

اردو صحافت اور سیاست کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کئی بھولے سبق یاد دلا دے گی اس کہانی کے کردار' مقامات' واقعات فرضی ہیں' اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الذمہ ہے

نادرہ بیگم نے اپنی بیٹی کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو زندگی کا روگ بنا لیا تھا۔ وہ نامعلوم سے پچھتاوے کا شکار تھی جواب اس کی جان کو آنے لگا تھا۔ اس بات کا اندازہ تو اسے ہو گیا تھا کہ بلقیس نے بھی کھٹانہ کو معاف نہیں کیا لیکن اس نے کبھی یہ جاننے کی جستجو نہیں کی تھی کہ وہ کیا کر رہی ہے نادرہ نے اپنے پتے بڑی ہوشیاری سے اور سوچ سمجھ کر پھینکے تھے اسے اس بات کا یقین تھا کہ جو چنگاری اس نے کھٹانہ فیملی میں سلگائی ہے۔ وہ سارے شمین کو جلا کر راکھ کر دے گی اور یہی اس کا انتقام تھا وہ چاہتی تھی کہ سماج کو اس سیاسی عذاب سے نجات مل جائے جو طویل عرصے سے ان کی گردنوں پر مسلط تھا۔ اگر یہ کارِ خیر اس کے ہاتھوں انجام پا جاتا تو وہ اسے اپنے لیے توشہ آخرت جانتی۔

نادرہ بیگم گھر پہنچی تو بلقیس گھر پر نہیں تھی وہ جانتی تھی بلقیس کہاں گئی ہے۔ اس نے ''راجا صاحب'' نامی جس شخص کی خدمات حاصل کی تھیں اس کا کاروبار ہی یہی تھا کہ وہ اپنے کلائنٹ کو ہر طرح کی صورتحال سے باخبر رکھے۔ راجا صاحب نے ایک نام نہاد سی پرائیویٹ ایجنسی بنا رکھی تھی جو نادرہ بیگم جیسی مالدار آسامیوں کے لیے ہی خفیہ خدمات انجام دیا کرتی تھی۔

اگلے ہی روز اسے راجا صاحب کی طرف سے ایک تفصیلی رپورٹ ملی تھی جس میں کھٹانہ کی اپنے گاؤں میں سرگرمیوں کی مکمل تفصیلات اور تصاویر موجود تھیں کھٹانہ کی طرف سے ''کنیز بیگم ٹرسٹ'' کی خبر نے اسے چند لمحوں کے لئے چونکایا لیکن وہ جلد ہی سنبھل گئی۔ اسے سمجھ آ گئی کہ اس کا دشمن کمینگی کی کس حد تک جا سکتا ہے۔ اب اسے بہت سوچ سمجھ کر اگلی چال چلنا تھی اور اس نے اب کھٹانہ کے سالے کو جو حال ہی میں امریکہ سے واپس لوٹا تھا اپنا اگلا شکار بنانا تھا۔ اسے ملنے والی اطلاعات کے مطابق کھٹانہ خاندان میں اپنی بیٹیوں کے ساتھ زیادتی ناقابل برداشت تھی خود تو وہ انہیں قرآن پاک سے بیاہ کر زندہ درگور کر دیا کرتے تھے لیکن یہ بات برداشت نہیں کرتے تھے کہ ان کی بیٹیوں کے خاوند ان سے بے وفائی کریں۔

اس نے اپنے ذہن میں ایک منصوبہ ترتیب دے دیا تھا اور اب ہر چال اسے سوچ سمجھ کر چلنی تھی..... یہی کچھ سوچتی وہ گھر پہنچی جہاں پر حیرت انگیز اطلاع ملی کہ

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

روزنامہ فریب نظر کا کرائم رپورٹر اعظم خان اس کا منتظر تھا۔

اعظم خان سے اس کا تعارف تو تھا۔ ایک دو مرتبہ اس نے نادرہ بیگم کے گھریلو کام کروائے تھے اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ یہ لڑکا بہت کام کا ہے کم از کم ''فریب نظر'' میں اس سے زیادہ چالاک ہوشیار اور کوئی نہیں تھا۔

''یہ لڑکا میرے کام آ سکتا ہے۔ کہیں یہ غیبی مدد تو نہیں آ گئی کہیں قدرت بھی کھٹانہ کی بربادی میں اس کا ساتھ تو نہیں دینا چاہتی۔ اس کو جیسے کسی غیبی آواز نے خبردار کیا۔ اعظم خان کو آئے پانچ چھ منٹ ہی ہوئے تھے اور نادرہ بیگم اپنی واپسی سے چند منٹ پہلے گیٹ پر موجود گارڈ کو فون کر دیا کرتی تھی اس لیے انہوں نے اعظم خان کو بٹھا لیا تھا ''فریب نظر'' اخبار سے بیگم صاحب کے خصوصی تعلقات کا انہیں اچھی طرح علم تھا۔

''بلاؤ اسے.....'' اس نے اطلاع ملتے ہی کہا اور اگلے ہی لمحے اعظم خان اس کے سامنے موجود تھا۔

''السلام علیکم میڈم جی.....''

''وعلیکم السلام ..... کیسے ادھر کا راستہ بھول گئے بھئی.....'' اس نے اعظم خان کو تاثر دیا کہ اس کا سرپرائز وزٹ نادرہ بیگم کو اچھا لگا ہے۔

''میڈم ادھر میرے ایک عزیز رہتے ہیں، ڈیفنس میں کبھی کبھی آنا ہوتا ہے ان کی تیمارداری کے لیے آیا تھا سوچا آپ کو سلام کرتا جاؤں کوئی خدمت میرے لائق؟'' اعظم خان نے کہا۔

''جیتے رہو۔ بہت اچھا کیا تم نے اور سناؤ کیسے حالات جا رہے ہیں آج کل اخبار کے..... بھئی مجھے تو تمہارے تبادلے کی بات اچھی نہیں لگی تھی۔ میں نے تو کاظما صاحب سے صاف کہہ دیا تھا۔'' اس نے اعظم خان کی حوصلہ افزائی کی۔

''بس میڈم جی..... سو جن سو دشمن۔'' آپ جانتی ہی ہیں یہاں کام کرنے والوں کو لوگ کب پسند کرتے ہیں۔

''ہاں بھئی یہ بات تو ہے۔'' اس نے اعظم خان کی حوصلہ افزائی کی۔ دو تین ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد جب ملازم چائے اور لوازمات کی ٹرالی لے کر آیا تو نادرہ بیگم نے خود اسے چائے بنا کر پیش کی اور پہلا پتہ پھینکا۔

''اعظم خان یہ کھٹانہ کیسا آدمی ہے۔'' اچانک ہی اس نے اعظم خان سے سوال کیا جس نے اسے چونکنے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کھٹانہ اور بلقیس کی خفیہ شادی کی خبر پڑھ لی تھی۔

اعظم خان نے اس کی طرف دیکھا اس کا تذبذب دیکھ کر نادرہ بیگم نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

''گھبراؤ نہیں۔ یہ بالکل پرسنل گفتگو ہے۔ تم مجھ پر اعتماد کر سکتے ہو۔'' نادرہ بیگم نے چال آگے بڑھائی۔

اعظم خان کی چھٹی حس نے اس کی رہنمائی کر دی تھی جس پر وہ اکثر اعتماد کر لیا کرتا تھا۔

''دیکھئے میڈم چونکہ یہ آف ریکارڈ گفتگو ہے اور میں آپ کی ویلفیئر سرگرمیوں کی وجہ سے آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوں۔ اللہ جانتا ہے میں جن چند لوگوں کی دل سے عزت کرتا ہوں ان میں آپ بھی شامل ہیں۔ آپ سے میں غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ سیدھی بات ہے وہ بالکل دو نمبر بندہ ہے۔'' اعظم خان نے آخری فقرہ قدرے الفاظ چباتے ہوئے کہا تھا۔

''بالکل ٹھیک کہا تم نے بیٹا! میں اس کے متعلق پہلے سے بہت کچھ جان چکی ہوں لیکن تم کرائم رپورٹر اور بڑے خبردار بندے ہو اس لیے تصدیق ضروری

تھی۔ تم جانتے ہو گے اس نے کیا گھٹیا حرکت کی ہے؟'' نادرہ بیگم نے اعظم خان کو بھی اس کھیل کا کھلاڑی بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

''جی میڈم مجھے علم ہے۔ یہ خبر اس نے ہی پریس میں لگوائی ہو گی۔ اس شخص سے کسی بھی گھٹیا حرکت کی امید کی جا سکتی ہے۔ اب کنیز بیگم ٹرسٹ کا ڈرامہ چلا رہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے اس نے ہی اپنی بیوی کو قتل کروایا ہو گا۔ اس شخص سے کچھ بھی امید کی جا سکتی ہے۔'' اعظم خان نے فوراً اگلی پلاننگ ترتیب دے دی تھی۔

''یہی بات تو ہے بیٹا کہ میرا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ اس گھٹیا بندے نے میری ساری زندگی کے کیے کرائے پر پانی پھیر دیا۔ کاش میں اس حرام خور کا کچھ بگاڑ سکتی۔'' بے اختیار اس نے کہا۔

''بڑا خطرناک بندہ ہے میڈم جی۔ کالا ناگ ہے کالا ناگ..... کاٹھا صاحب کو تو اس نے مٹھی میں لے رکھا ہے لیکن میرے پاس ایک تجویز ہے۔ آپ نے بات کی تو مجھے یاد آ گیا..... آج کل سولجر ٹاؤن والے حاجی وحید صاحب سے اس کی بڑی دشمنی چل رہی ہے اور آپ جانتے ہیں کہ حاجی وحید ہی ایک ایسا بندہ ہے جو اس کا مکو ٹھپ سکے..... اتفاق سے کچھ روز پہلے ان کے بیٹے میاں آصف وحید نے جو خود بھی ویلفیئر کے بہت کام کر رہے ہیں۔ مجھے آپ سے ملنے کے لیے کہا تھا۔ دراصل وہ یتیم بچیوں کے لیے آپ کی مدد سے کوئی اچھا کام کرنا چاہتے ہیں اگر آپ.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر میڈم نادرہ کی طرف دیکھا۔

''بیٹا فوراً ملاؤ اسے مجھ سے..... کہیں سے تو آغاز ہونا چاہیے ورنہ کھٹانہ جیسے وحشی درندے تو سارے ملک کو چیر پھاڑ کر رکھ دیں گے۔'' اعظم خان کا تیر بالکل نشانے پر لگا تھا۔ وہ دل ہی دل میں خوشی سے ناچ اٹھا۔

اب وہ میاں آصف کے حلقہ خاص میں جگہ بنا سکتا تھا جس کے بعد موجیں ہی موجیں تھیں۔

کھٹانہ کے خلاف مختلف حوالوں سے اچھا خاصا زہر اگل کر اس نے میڈم کو خاصا رام کر لیا تھا اور اس بات کی ضمانت بھی حاصل کر لی تھی کہ اس ملاقات کی کانوں کان کسی کو خبر نہ ہو۔ اس نے کہا تھا کہ اگلے دو روز میں وہ میاں آصف سے اس کی ملاقات کروا دے گا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ادھر ادھر کی دو چار ہانک کر وہاں سے رخصت ہوا۔

گاڑی جیسے ہی کھلی سڑک پر پہنچی اس نے موبائل پر میاں آصف کا وہ خصوصی نمبر ملایا جو اسے دیا گیا تھا۔

''جی خان صاحب'' نمبر ملنے پر دوسری طرف سے میاں آصف کی آواز سنائی دی۔

''سر! حکم کی تعمیل ہو گئی۔ اگلے دو روز میں آپ جو وقت دیں گے ملاقات ہو جائے گی۔'' اس نے خوشی سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''ویل ڈن مسٹر خان ویل ڈن..... آج رات کو بیٹھتے ہیں میں آپ کو فون کر دوں گا..... ڈنر اکٹھے کریں گے۔'' دوسری طرف سے بھی خوشی کا اظہار کیا گیا۔

''تھینک یو سر.....'' اعظم خان نے کہا۔

''اوکے ڈیئر، خدا حافظ۔'' بے تکلفی سے کہہ کر میاں آصف وحید نے فون بند کر دیا۔

''اب مزہ آئے گا زندگی کا خان صاحب۔'' اس نے خوشی سے جھومتے ہوئے ایکسیلیٹر پر دباؤ بڑھا دیا۔

☆☆☆

رضیہ دونوں کے ساتھ کمرے میں موجود تھی۔ بلقیس نے شکل خاصی سوگوار بنا رکھی تھی اور بظاہر پریشان بھی دکھائی دے رہی تھی۔

''کھٹانہ صاحب یہ خبر..... آپ جانتے ہیں میری

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ماں کے دل پر کیا گزری ہوگی آخر یہ اخبار تک کیسے پہنچی؟'' اس نے کھٹانہ کی طرف دیکھا۔

''مجھے تم سے زیادہ پریشانی ہے اس بات پر بلقیس ..... بظاہر تو یہ راز میرے اور تم دونوں کے بیچ ہی ہے لیکن باقی لوگ بھی جو اس شادی کے گواہ ہیں میرے خاص بندے ہیں وہ مر تو سکتے ہیں لیکن مجھ سے غداری کا تصور نہیں کر سکتے...'' کھٹانہ نے بلقیس کی طرف دیکھ کر کہا۔

''کھٹانہ صاحب! یہ بات نہ کہیں۔ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ سب کچھ اور آپ سے زیادہ اس حقیقت کو کون سمجھ سکتا ہے۔'' بلقیس نے طنزیہ لہجے میں جواب دیا۔

''میں انکوائری کروا رہا ہوں۔ دراصل یہ اخبار ایک لفنگا سا بندہ نکالتا ہے جس کے منہ لگنا مناسب نہیں۔ ویسے بھی اس کا تعلق اپوزیشن سے ہے خوامخواہ مسئلہ بنے گا..... بہرحال اگلے کچھ دنوں تک مجھے اس بندے کا پتہ چل جائے گا جس کے بعد.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ کر دونوں کی طرف باری باری دیکھا۔ رضیہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ کا احساس ہوا لیکن وہ مطمئن تھی کیونکہ اس نے یہ حرکت کی ہی نہیں تھی ظاہر ہے اس کا نام کیسے آتا۔

رضیہ نے اسے ٹسوے بہا بہا کر بتایا کہ اس کی بیوی کی موت کی خبر سن کر بلقیس کتنی پریشان رہی ہے جس پر کھٹانہ کا موڈ خاصا بدل گیا اور وہ بلقیس کو تسلیاں دینے لگا۔ رضیہ جان بوجھ کر کسی بہانے اٹھ کر باہر آ گئی۔ کھٹانہ اور بلقیس وہاں رہ گئے تھے۔ کھٹانہ کی رال ٹپکی لیکن بلقیس نے اسے سمجھایا کہ ابھی اسے کچھ دنوں تک خود کو بالکل سوگوار ہی ظاہر کرنا چاہیے۔ سیاست میں ایسی ڈرامہ بازی ضروری ہے۔

''میں کہیں بھاگی نہیں جا رہی چودھری صاحب۔'' اس نے بڑی ادائے دلربانہ سے کھٹانہ کی طرف دیکھا جس کے موبائل کی گھنٹی بجنے لگی تھی۔

کھٹانہ نے موبائل پر آنے والے نمبر پر نظر ڈال کر ایک زوردار گالی دی اور بحالت مجبوری فون سننے لگا۔ فون چیف منسٹر میاں چنوں کا تھا جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تھا۔ الیکشن میں بمشکل ایک ماہ باقی رہ گیا تھا اور پارٹی کی اہم لیڈر شپ قریباً روزانہ کسی نہ کسی مسئلے پر میٹنگز کر رہی تھی۔

چیف منسٹر نے اسے فوراً پارٹی کے ہیڈ آفس پہنچنے کی تلقین کی تھی جہاں ان کا مرکزی صدر ایک اہم میٹنگ کرنے کے لیے آ رہا تھا۔

''میں چلتا ہوں..... مجبوری ہے..... تم جانتی ہو الیکشن سر پر ہے تمہاری تو ماشاءاللہ سیٹ پکی ہے۔ ہمیں ذرا بھاگ دوڑ کرنی پڑتی ہے۔'' اس نے بلقیس کو مخاطب کیا۔

''جیسے آپ کی مرضی چوہدری صاحب دیکھئے ناں میں تو آپ کو کبھی کام سے نہیں روکوں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کے لیے کوئی بھی الجھن کھڑی ہو لیکن پلیز شرارتی لوگوں پر نظر ضرور رکھیں معلوم نہیں یہ حرکت کس نے اور کیوں کی ہے۔'' بلقیس نے دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کیا کہ اس موذی سے فی الوقت جان چھوٹی۔ اسے ان لمحات کا انتظار تھا جب وہ اسمبلی کی باقاعدہ ممبر منتخب ہوتی جس کے بعد ہی وہ کھٹانہ کو اس کی اوقات سمجھا سکتی تھی۔

کھٹانہ کے دفع ہونے پر وہ والدہ کے ہاں پہنچی جہاں یہ اہم خبر اس کی منتظر تھی کہ اس کی والدہ معروف بلڈر اور ملک کے گنے چنے روسا میں سے ایک میاں آصف وحید سے ملاقات کرنے جا رہی ہے۔ یہ

ملاقات ڈیفنس ہی کی ایک کوٹھی میں ہو رہی تھی۔ دونوں طرف سے پرائیویسی کا بطور خاص اہتمام کیا گیا تھا۔

''تم چلو میرے ساتھ ..... بہت کام کے بندے ہیں یہی لوگ ہیں بیٹی جن کے کندھوں پر چڑھ کر ہمارے سیاستدان لنگوروں کی طرح چھلانگیں لگاتے ہیں..... یوں بھی ہمیں کھٹانے سے جان چھڑانے کے لیے اس سے مضبوط سہارا درکار ہے اور میرے خیال میں اس سے زیادہ مناسب بندہ ہمیں اور کوئی نہیں مل سکتا۔''

اس کی ماں نے کہا تو نجانے کیوں وہ فوراً تیار ہو گئی۔ اسے خود اپنے رویے پر حیرانگی ہو رہی تھی۔ یہ سب کچھ اچانک ہوا تھا یا وہ اسے تائید غیبی سمجھے کیونکہ اس نے اب کھٹانہ سے جان چھڑانے کا حتمی فیصلہ کر لیا تھا۔

دونوں ماں بیٹی اور اعظم خان تھوڑی دیر بعد ڈیفنس کی اس کوٹھی کی طرف عازم سفر تھے جہاں میاں آصف ان کا منتظر تھا۔ میاں آصف نے اگلے ہی روز اعظم خان کے ''ناں ناں'' کرتے اسے ایک لفافے میں بند نوٹوں کا جو بنڈل تھمایا تھا اس سے پہلے کسی نے اسے ایک مرتبہ اتنے پیسے نہیں دیے تھے۔ اعظم خان دنگ رہ گیا اسے علم تھا کہ ان لوگوں کے لیے اپنی کسی بھی کالونی میں دس مرلے کا پلاٹ دے دینا معمولی مسئلہ ہے اور وہ بھی جلد ہی اس کی توقع کر رہا تھا۔ پھر اس کی خوش قسمتی تھی کہ جو مہم اسے سونپی گئی تھی اس میں کوئی تردد کیے بغیر ہی اسے کامیابی حاصل ہو گئی تھی۔ شاید قدرت نے پہلے سے ایسے حالات بنا دیئے تھے۔

ڈیفنس کی جس کوٹھی میں وہ انہیں لے کر آیا تھا اس کی شان و شوکت دیکھ کر ہی اعظم خان دنگ رہ گیا۔ ایسے محلات اس نے یا تو فلموں میں دیکھے تھے یا پھر قصے کہانیوں میں..... ایک شاندار ڈرائنگ روم میں ان کا استقبال میاں آصف نے خود کیا اس نے بطور خاص بلقیس کو اپنے ساتھ لانے پر نادرہ بیگم کا شکریہ ادا کیا تھا اور اب وہ اعظم خان کو دوسرے کمرے میں لے گیا تھا۔

''شکریہ خان صاحب! اب آپ ہمارے مستقل دوستوں کی لسٹ میں شامل ہو گئے ہیں۔ گاڑی آپ کو آفس چھوڑ آئے گی۔ آپ سے رابطہ رہے گا۔ جب بھی آپ چاہیں مجھے فون کر کے تشریف لا سکتے ہیں۔'' اس نے اعظم خان سے کہا۔

وہ نہ بھی کہتا تو اعظم خان کو یہاں سے جانا ہی تھا۔ اس کا کام ختم ہو چکا تھا اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ میاں آصف صرف کام کی حد تک ہی تعلق رکھتا ہے۔ جس کے بعد وہ ایک لمحہ بھی ضائع کرنا پسند نہیں کرتا اور ملک آصف کے ساتھ تعلق قائم رکھنے کے لیے اس کے ضابطہ اخلاق پر عمل ناگزیر تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ میاں آصف کی ایک آرام دہ گاڑی میں اپنے دفتر کی طرف عازم سفر تھا۔ مودب ڈرائیور نے اسے مطلوبہ جگہ پر اتارا اور واپس چلا گیا۔

☆☆☆

''سچی بات تو یہ ہے میڈم کہ قبلہ والد صاحب کے ساتھ رہتے ہوئے میں نے اس عمر میں ہی وہ کچھ دیکھ لیا ہے جو شاید عام انسان زندگی بھر نہ دیکھ سکے۔ یقین کیجئے یہاں ہر وہ شخص جو بااختیار ہے، بے ایمان ہے جو ایماندار ہے اس کے پاس اختیار نہیں۔ یہی ہمارا المیہ ہے۔'' میاں آصف نے تمہید باندھی۔

''آپ نے بالکل سچ کہا میاں صاحب بدقسمتی سے میرا واسطہ بھی ایسے ہی لوگوں سے رہتا ہے۔ میرے تجربات بھی مختلف نہیں لیکن کیا کریں سمجھ نہیں

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

آتا۔'' نادرہ بیگم نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

'' میرے خیال سے ہمیں اپنے حصے کا کام کرنا چاہیے۔ آپ شاید نہیں جانتیں میری والدہ بچپن میں فوت ہوگئی تھیں تب ہمارے حالات بھی اچھے نہیں تھے میں نے یتیمی کا دکھ دیکھا ہے اور شروع ہی سے خواہش تھی کہ یتیم بچوں کے لیے روایتی انداز سے ہٹ کر کچھ کیا جائے۔ اب الحمدللہ سے کامیابی حاصل ہوئی ہے میں سولجر ٹاؤن میں نے یتیم بچوں کے لیے پچاس کنال کا ایک پلاٹ مختص کیا ہے جہاں ان کا ہوسٹل ابتدائی سکولنگ جدید ترین انداز میں ہوگی۔ ہم ان بچوں کو ہر وہ سہولت دیں گے جو آج اچھے گھرانوں کے بچوں کو حاصل ہے اور اپنی عملی زندگی کے آغاز تک وہ ہمارے پاس رہیں گے۔ آپ جانتی ہیں ہم ہر سال دس بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے یورپ بھیجتے ہیں۔ یہ تعداد میں انشاء اللہ پچاس تک لے جاؤں گا۔ میں چاہتا ہوں جو بچے ہمارے ہاں سے فارغ ہوکر جائیں۔ ان کے ساتھ کوئی کمپلیکس نہ ہو..... اس منصوبے کے لیے مجھے آپ کا مکمل تعاون درکار ہے۔ میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔'' اس نے بات مکمل کر کے بڑے مثبت انداز میں نادرہ بیگم کی طرف دیکھا۔

'' ماشاء اللہ میاں صاحب آپ نے تو بہت بڑی بات کہہ دی۔'' نادرہ بیگم ابھی اس کے منہ سے اور بھی کچھ کہلوانا چاہتی تھی۔

'' شکریہ..... دیکھیں میڈم میں نے نصف سٹاف یورپ سے لیا ہے تاکہ بچوں کو ابتداء ہی سے خوشگوار تبدیلی کا احساس ہو بلکہ میں تو کچھ اور سوچ رہا تھا اگر اجازت ہو تو.....'' اس نے فقرہ نامکمل چھوڑ کر بلقیس کی طرف دیکھا۔

'' کہیے کہیے آپ چپ کیوں ہوگئے۔'' نادرہ بیگم نے اس کی حوصلہ افزائی کی۔

'' وہ عرض یہ کرنا تھا کہ بلقیس صاحبہ نے بھی سیاست کے میدان میں چھلانگ لگا دی ہے بلکہ ماشاء اللہ آپ کا تو ٹکٹ بھی اناؤنس ہو چکا ہے۔ میرا مشورہ یہی ہوگا کہ اپنی والدہ کی طرح آپ بھی اس گندی سیاست کے بجائے سوشل سروس کو اپنی شناخت بنائیں۔ آپ نہیں جانتیں ہماری سیاسی جماعتوں میں آپ جیسے اچھے لوگوں کے لیے صرف بطور ''ورکر'' جگہ موجود ہے۔ اس سے آگے نہیں آگے جانے کے لیے جو معیار مقرر ہے وہ آپ کے بس سے باہر ہے۔'' اس نے استفہامیہ نظروں سے بلقیس کی طرف دیکھا۔

'' میاں صاحب آپ بالکل صحیح کہہ رہے ہیں دیکھئے ناں میری بیٹی تو نیک مقصد لے کر ہی سیاست میں آئی تھی لیکن یہاں کیسی کیسی خبریں بن رہی ہیں..... اب یہ کھٹانہ صاحب کو لے لیں۔ ہاتھ دھو کر ہمارے پیچھے پڑے ہیں اب ہماری کردار کشی کے لیے خبریں لگوانا شروع کر دی ہیں۔'' نادرہ بیگم نے لوہا گرم دیکھ کر چوٹ لگا دی۔

''اس دو ٹکے کے اٹھائی گیرے کی کیا اوقات ہے میڈم کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے۔ آپ عزت دار لوگ ہیں۔ یہ غنڈے بدمعاش لوگ ہیں۔ لیکن ان کی مجال نہیں کہ آپ کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھیں..... میری درخواست ہے کہ ہمارے اس پراجیکٹ کی چیئرمین محترمہ بلقیس فاطمہ صاحبہ بن جائیں تاکہ ہمیں اطمینان رہے کہ اچھے لوگ ہمارے ساتھ ہیں.....'' اس نے آخر میں ترپ چال چل دی۔

میاں آصف نے کھیلا تو بلائنڈ تھا لیکن بازی مار گیا۔ اس سے پہلے کہ بلقیس کچھ کہے نادرہ بیگم نے فوراً ہی ہاں کر دی۔

'' میاں صاحب کیوں نہیں۔ کسی اچھے کام کے لیے بھلا میری بیٹی کیوں انکار کرے گی۔ ویسے بھی ماشاء اللہ اسے پلیٹیکس کا شروع سے بہت شوق رہا ہے۔'' اس نے کہا اور بلقیس کو ساری گیم سمجھ آ گئی۔ اس کی ماں نے کھٹانہ کے خلاف اسے ایسا مضبوط سہارا دے دیا تھا کہ اب وہ جب چاہتی کھٹانہ کو لات مار کر فارغ کر دیتی۔ اس کے ذہن میں فوراً یہی خیال آیا کہ ضرور قدرت کھٹانہ کو سزا دینے پر تل گئی ہے ورنہ اس طرح چراغ سے چراغ کیسے جلتا۔

'' بلقیس صاحبہ آپ کو تو اعتراض نہیں.....'' اس نے اس مرتبہ براہ راست بلقیس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ موجزن تھی۔

'' جی مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا۔ امی غلط فیصلہ نہیں کر سکتیں۔'' اس نے کہا اور مسکرا دی۔

میاں آصف کا جی چاہا کہ اٹھ کر ناچنا شروع کر دے۔ قسمت کی دیوی اس پر مکمل مہربان تھی اس نے اگلے دو روز کے بعد بلقیس سے آفس سنبھالنے کی درخواست کر دی تھی۔

اس نے بلقیس کے لیے اپنے ذہن میں پورا سیکرٹریٹ ترتیب دے لیا تھا جہاں اسے بہترین صلاحیتوں کا حامل سٹاف میسر تھا اور ماحول ایسا کہ ایک مرتبہ وہاں بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہ چاہے۔ زندگی میں پہلی مرتبہ اسے کسی سے محبت ہوئی تھی اور اس محبت کی وہ ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھا۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ ماں بیٹی کو پہلے سے ایک ولن ملا ہوا تھا۔ اب انہیں ہیرو بھی مل گیا تھا۔ جو انہیں اس ولن سے نجات دلانے کی طاقت رکھتا تھا۔

تینوں کافی دیر تک باتیں کرتے رہے جس کے بعد ہی انہوں نے الگ ہونے کا فیصلہ کیا تھا۔ روانگی پر میاں آصف نے اس سے درخواست کی تھی کہ وہ کل کوئی بھی وقت نکالے تاکہ ماہرین اسے اس پراجیکٹ سے متعلق مکمل معلومات دے سکیں۔

بلقیس نے اس پر وعدہ کیا تھا اب میاں آصف نے فوری طور پر پیپر تیار کروانے تھے تاکہ وہ باقاعدہ رجسٹریشن کے اہل ہو جائیں۔ وہ زندگی میں پہلی مرتبہ کسی کو دروازے تک رخصت کرنے آیا تھا جو اس کے ملازمین اور گارڈز کے لیے اچنبھے کی بات تھی۔

☆☆☆

ملتان سے لاہور واپس آنے کے بعد یہ لنگڑے کے ساتھ اس کی پہلی باقاعدہ میٹنگ تھی گو کہ ایسی سینکڑوں میٹنگز پہلے بھی ہو چکی تھیں لیکن آج لنگڑے نے اسے بطور خاص درخواست کر کے یہاں بلایا تھا۔

'' جی صاحب خیریت تو ہے ناں..... اعظم خان نے اپنے مخصوص انداز میں بیٹھتے ہی پوچھا تھا۔

'' سر جی تابعدار ہیں آپ کے وہ دراصل دل پر بوجھ سا تھا۔ میں نے سوچا کلیئر کر لوں۔'' لنگڑے نے بڑی مکاری سے جواب دیا۔

'' یار کیسی باتیں کر رہے ہو میری طرف سے تمہیں کوئی شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' اعظم خان چونکنا ہوا۔

'' خان صاحب وہ اپنا یار ہے مولوی نقشبندی، دراصل اس کی ''صاحب'' سے بھی بڑی گہری دوستی ہے ناں۔ سر جی دفتر ہی نہیں گھر پر بھی صاحب اس کو بلاتے رہتے ہیں۔'' لنگڑے نے جھک کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

'' بڑی اچھی بات ہے یار۔'' اعظم خان مسکرایا۔

'' میرا مطلب ہے سر جی وہ سمجھ رہا ہے آپ اس

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

سے ناراض ہیں شاید ملتان تبادلے سے پہلے کوئی بات ہوئی تھی بہر حال پرانی باتوں پر مٹی ڈالیں اور اسے معاف کر دیں۔'' لنگڑے نے بڑی مکاری سے بات آگے بڑھائی۔

''اوہو یار..... کوئی ایسی بات ہی نہیں۔ اللہ جانتا ہے میری کسی سے کوئی ناراضگی نہیں۔ ہم یہاں نوکری کرنے آتے ہیں دشمنیاں پالنے تو نہیں آتے ناں.....'' اعظم خان سمجھ گیا۔ نقشبندی نے یہ سارا گھڑاگ کیوں پھیلایا ہے۔ وہ بہر حال کرائم رپورٹر تھا۔ یہ تو فیصلہ اس نے کر لیا تھا کہ وہ نقشبندی سے خوامخواہ پنگا نہیں لے گا لیکن وہ بہر حال پٹھان تھا۔ بے غیرتی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ نقشبندی کے آخری لمحات کے سلوک کو وہ کیسے بھول جاتا اور اب تو اس نے جج صاحب ہی نہیں کاٹھا صاحب کے دو اہم ترین دوستوں کو بھی قابو کر لیا تھا۔ انہیں یقین دلا دیا تھا کہ بجلی کی چوری تب تک ہی ممکن ہے جب تک اعظم خان ''فریب نظر'' کا کرائم رپورٹر اب وہ ان کے ذریعے کاٹھا صاحب کو قابو کر سکتا تھا۔

لیکن لنگڑے کے ذریعے نقشبندی کا رابطہ بڑا معنی خیز تھا اگر اس نے لنگڑے کو منفی جواب دیا تو عین ممکن ہے نقشبندی کوئی چال ہی نہ چل جائے کیونکہ خوفزدہ بندے کی نفسیات وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اس مصیبت سے اپنی ہی نہیں ''فریب نظر'' کی ہی جان چھڑوا دے کیونکہ یہ شخص کچھ زیادہ ہی چالاک بن رہا تھا۔ عین ممکن تھا وہ ماضی قریب میں اعظم خان کے لیے مسائل کھڑے کرے یا اس کے مقابلے پر اخبار میں دوسرا گروپ نہ بنا لے ماضی میں ایسا کئی مرتبہ ہو چکا تھا۔

''نقشبندی صاحب ہمارے بزرگ ہیں۔ دوست ہیں، تم میری طرف سے انہیں یقین دلا دو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ میرا دل تو بالکل صاف ہے یار۔ یوں بھی مجھے دوبارہ ملتان جانے کا کوئی شوق نہیں پہلے میں خدا خدا کر کے وہاں سے جان چھڑا کر آیا ہوں۔'' اس نے ہلکے پھلکے انداز میں لنگڑے سے کہا۔

''ٹھیک ہے جی آپ کی بہت مہربانی۔ اب یہ درخواست بھی مان لیں.....'' لنگڑے نے مکاری سے اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیا.....؟''

''وہ آپ کے ساتھ کھانا کھانا چاہتے ہیں۔ میرا مطلب ہے۔ وقت آپ ہی دیں گے۔ جگہ بھی جو آپ کو پسند ہے.....'' لنگڑا منمنایا'' جیسے تمہارا حکم یار لیکن اگلے ہفتے کس دن..... تم جانتے ہو ناں میرے کزن کی شادی ہے ادھر مصروفیت بہت ہے۔'' اعظم خان نے اپنا مہرہ آگے بڑھایا۔

''جیسے آپ کی مرضی سر جی۔'' لنگڑے نے جوش سے کہا اس نے اپنے نمبر پکے کرنے کے لیے وہیں سے دونوں کی فون پر بات بھی کروا دی تھی۔ تھوڑی دیر بعد اعظم خان وہاں سے رخصت ہو رہا تھا۔

☆☆☆

یہاں سے اٹھ کر وہ سیدھا جج صاحب کے آفس میں آیا تھا۔ ہفتے میں ایک آدھ ملاقات وہ ان سے کر لیا کرتا تھا۔ جج صاحب آج کل اپنا وکالت کا دھندہ چلا رہے تھے۔ پانچ چھ وکیل ان کے جونیئر یہاں جھک مارنے لگائے رکھتے تھے۔ ریٹائرڈ جج ہونے کے ناطے انہیں کلائنٹ اور عدالت کے درمیان ''رابطے'' کی سہولت حاصل تھی جس کی وجہ سے ان کی پریکٹس بھی خوب چل رہی تھی۔

جج صاحب اعظم خان کے لیے بطور خاص نزدیک

ہی ایک بڑی دکان سے آئس کریم منگوایا کرتے تھے۔

''سر جی ایک ضروری گزارش کرنی تھی۔'' آئس کریم کھاتے ہوئے اعظم خان نے کہا۔

''کہو یار تم کیا اجازت لے کر بات کرتے ہو۔ بھئی اپنے برخوردار ہو۔'' جج صاحب مسکرائے۔

''وہ سر جی بات یہ ہے کہ کچھ عاقبت نا اندیش لوگ کاٹھا صاحب کی دوستی کا بہت ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ جس سے ان کی اور ادارے کی سخت بدنامی ہو رہی ہے۔ ہم اس ادارے کے نمکخوار ہیں اس لیے برداشت نہیں کر سکتے۔''

تمہید باندھنے کے بعد اس کے نقشبندی کے متعلق جج صاحب کے سامنے ایسے ایسے انکشاف کیے کہ ان کے چودہ طبق روشن ہو گئے اس نے بتایا کہ اس شخص کا باقاعدہ جوا خانہ اور چکلہ ہے اور اس نے فقیری کا ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ اس نے جج صاحب کو ایسے ایسے ''زبانی کلامی'' ثبوت دیے کہ وہ حیران رہ گئے۔

''بے فکر رہو میں کسی اور طریقے سے کاٹھا صاحب سے آج کل میں ہی بات کرتا ہوں۔'' انہوں نے اعظم خان کو تسلی دی اور تھوڑی دیر بعد وہ یہاں سے رخصت ہو گیا۔

اسی روز اعظم خان نے شہر کی ایک بڑی این جی او کے لیٹر پیڈ پر کاٹھا صاحب کے نام خط ٹائپ کروا کر ان کے گھریلو ایڈریس پر ٹی سی ایس کر دیا تھا جس میں لکھا گیا تھا کہ نقشبندی کی اصلیت کیا ہے، اس کے دھندے کیا ہیں اور یہ ہر جگہ آپ کا نام لے کر آپ کی ساکھ کو زبردست نقصان پہنچا رہا ہے۔ اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لئے خط میں تین چار مضبوط دلائل بھی دیے گئے تھے۔

کاٹھا صاحب نے اگلے روز خط پڑھا تو ان کا میٹر گھوم گیا۔ کیونکہ وہ الزامات کی تصدیق کرنے کے کبھی قائل ہی نہیں رہے تھے۔ ان کے دل پر مضبوط گانٹھ لگ گئی۔ اسی روز جب شام کو وہ جم خانہ میں ایک شادی میں شرکت کے لیے گئے تو جج صاحب انہیں ایک طرف لے کر بیٹھ گئے۔

''یار یہ نقشبندی کون ہے؟'' انہوں نے گفتگو کی تمہید باندھی اور اس کے حوالے سے بڑے طریقے سے کاٹھا صاحب کو ورغلایا۔ جج صاحب نے انہیں بتایا تھا کہ شہر میں ایسی باتیں گردش کر رہی ہیں کہ اس شخص کو کاٹھا صاحب کی حمایت حاصل ہے۔

کاٹھا صاحب کو یقین ہو گیا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے۔ اعظم خان کامیاب رہا اور نقشبندی کا برا وقت آ گیا.....

''میں اس حرام خور کا داخلہ بند کرواتا ہوں۔ پہلے بھی مجھے ایسی شکایت ملی تھی۔'' کاٹھا صاحب نے وہیں فیصلہ کن لہجے میں کہہ دیا۔

''بالکل جی ایسے مشکوک لوگوں کا آپ کے نزدیک پھٹکنا بھی غلط ہے۔ یہ تو بے غیرت لوگ ہوتے ہیں خدا جانے کل کو کیا کر گزریں۔'' جج صاحب نے انہیں پکا کرتے ہوئے کہا۔

تقریب سے فراغت پر انہوں نے فوراً اعظم خان کو فون کر کے خوشخبری سنا دی۔

''لو بھئی خان صاحب نقشبندی کی تو کل سے چھٹی سمجھو۔''

''تھینک یو سر! سر جی آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے یہ ادارہ چل رہا ہے۔ اس نے جج صاحب کی انا کے غبارے میں ہوا بھری۔''

''اب مزہ آئے گا نقشبندی۔ تم نے کیا سمجھا تھا میری بے عزتی کر کے بچ جاؤ گے۔'' اس نے موبائل

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

آف کر کے دل ہی دل میں کہا اور تھوڑی دیر بعد وہ لنگڑے کے پاس موجود تھا۔

''یار کل شام کا کہہ دو نقشبندی صاحب کو..... پھر تو پندرہ بیس دن میں بہت مصروف ہوں۔'' اس نے لنگڑے سے کہا۔ جس نے دانت نکال کر اس کا شکریہ ادا کیا۔

☆☆☆

دوسرے روز وہ رشید خان صاحب کے ساتھ نقشبندی کی میز پر موجود تھا۔

''نقشبندی صاحب یہ میرے جگری دوست رشید خان ہیں اس نے شیدے کا تعارف کروایا۔

''خیر ہو سرکار آپ کی'' شیدے نے اپنے مخصوص خاندانی انداز میں اس سے ہاتھ ملایا تو نقشبندی کو جھٹکا سا لگا۔

''میں جانتا ہوں سرکار نقشبندی صاحب کو اپنی برادری ہے جی۔'' شیدے نے یہ کہہ کر نقشبندی کے دو بھائیوں اور کچھ رشتہ داروں کے نام دیے جو ابھی تک اپنے پرانے پیشے سے وابستہ تھے۔

نقشبندی سمجھ گیا کہ یہ اس کا ''بے عزتی پروگرام'' چلایا جا رہا ہے اور اعظم خان نے دراصل اسے ذلیل کرنے کے لیے ہی اس کی دعوت قبول کی ہے۔ نقشبندی ایک مرتبہ تو چکرا کر رہ گیا کہ اس کے ساتھ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے لیکن ڈھیٹ آدمی تھا اس نے اپنے رشتہ داروں کو پہنچاننے سے ہی انکار کر دیا جس پر رشید خان نے اسے اس کے رشتہ داروں کے ایڈریس بھی بتا دیے اور یہ بھی کہہ دیا کہ وہ اسے اپنا رشتہ دار ہی کہتے ہیں۔

''آپ میرے ساتھ زیادتی کر رہے ہیں۔'' بالآخر نقشبندی بھڑک اٹھا۔ اس نے رشید خاں کو مخاطب کیا تھا۔

اعظم خان اس دوران غیر جانبدار بنا ''چیزے'' لیتا رہا۔

''اوہو نقشبندی صاحب آپ تو غصہ کر گئے جناب۔ دیکھیں ناں جی یہ غریب رشتہ دار بھی بڑا عذاب ہوتے ہیں خوامخواہ آپ کو ذلیل کروا رہے ہیں۔'' اس نے بظاہر سنجیدگی سے کہا لیکن نقشبندی سمجھ گیا تھا کہ اس پر طنز کیا جا رہا ہے۔

اس دوران شیدا اعظم خان کی ہدایت اور طے شدہ منصوبے کے مطابق نقشبندی کو مسلسل ذلیل کر رہا تھا۔ نقشبندی کا غصے اور احساس بے عزتی سے دماغ پھٹ رہا تھا۔ جبکہ اعظم خان اور شیدا مزے مزے سے کھانا کھا رہے تھے۔ نقشبندی کو اعظم خان وقفے وقفے سے ''واہ نقشبندی صاحب کھانا زبردست ہے کھایئے ناں۔'' کہہ رہا تھا اور نقشبندی احساس ذلت اور غصے سے باؤلا ہو رہا تھا۔ بالآخر وہ اچانک اٹھا اور وہاں سے چل دیا۔

''نقشبندی صاحب بل تو دیتے جائیں سرکار۔'' شیدے نے اونچی آواز سے کہا تو وہ واپس مڑا اور ہزار ہزار کے چار پانچ نوٹ وہاں پھینک کر چلا گیا۔ اپنے عقب میں اسے دونوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ نقشبندی بمشکل گھر تک پہنچا تھا۔ گھر پہنچتے ہی اس نے گھر والوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ غصے کا یہ دورہ رات دیر گئے تک اس پر طاری رہا پھر وہ گولیاں کھا کر سو گیا۔

☆☆☆

اگلے روز کاٹھ صاحب نے دفتر پہنچتے ہی لنگڑے کو طلب کیا۔

''جی سر جی۔''

''آج سے نقشبندی کا داخلہ بند کر دو۔ مجھے اس کی

کوئی کال بھی نہ دینا..... ایڈیٹوریل والوں کو کہہ دو اس کا کوئی کالم آج کے بعد نہ چھپے.....'' انہوں نے لنگڑے کو حکم سنایا جو یہ سن کر سناٹے میں آ گیا۔

''جی سر! جی سر'' اس نے سر ہلایا اور باہر آ گیا۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی راتوں رات کیا انقلاب آ گیا ہے۔ نقشبندی موٹی مرغی تھی جس کے انڈے وہ کھا رہا تھا اب کیا ہوگا؟

وہ اس طرح پریشان بیٹھا تھا جب لفٹ سے اعظم خان برآمد ہوا جو اس کی طرف ہی سیدھا آ رہا تھا۔ یہ اس کا معمول تھا کہ لنگڑے سے دعا سلام لینے کے بعد ہی اپنے کیبن کی طرف جاتا تھا۔

''یار نقشبندی نے کل ہمیں بڑا ذلیل کیا.....'' اعظم خان نے اس سے گلہ کے انداز میں کہا..... ''دیکھیں ناں میں تو تمہارے حکم پر اس کے ساتھ ڈنر بھی کرنے گیا تھا لیکن یار وہ اچانک اٹھ کر چلا گیا دیکھو ناں یار ہنسی مذاق تو ہو ہی جاتا ہے۔''

''خان صاحب پھر بات کریں گے ''صاحب'' آ گئے ہیں..... شام کو بات کریں گے'' لنگڑے نے اپنی جان چھڑانے کے لیے کہا۔

اعظم خان مسکراتا ہوا اپنی سیٹ کی طرف چلا گیا۔ لنگڑا چکرا کر رہ گیا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ہو کیا رہا ہے۔

☆☆☆

نشے کی گولیاں کھا کر اسے صبح دیر گئے تک ہوش نہ رہا پہلے تو اس کے گھر والوں نے سمجھا وہ مر گیا ہے۔ اس کی بیوی نے دل ہی دل میں کئی مرتبہ اللہ کا شکر بھی ادا کیا لیکن ابھی شاید اس بے چاری کی آزمائش باقی تھی جب اچانک نقشبندی ہڑبڑا کر اس طرح اٹھا جیسے وہ کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہا ہو۔ پانچ چھ منٹ تو وہ چارپائی سے پاؤں لٹکا کر وہیں بیٹھا رہا پھر اس نے

آم

آم پھلوں کا بادشاہ ہے، اس کے قابل فخر عقیدت مند مرزا غالب تو اسے اپنے انداز میں کھاتے ہوں گے لیکن میس کی میز پر پہلے روز جب بے شمار چمچوں اور کانٹوں کے پہرے میں بادشاہ کی سواری آئی تو کیڈٹ کی حیرانی اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں سے پھٹی پڑتی تھی۔ وہ پریشان تھا کہ آم کو کرسی پر بیٹھ کر چھری کانٹوں سے کیسے کھایا جائے۔ سب کی دیکھا دیکھی ایک آم اٹھا کر اپنی پلیٹ میں رکھ لیا اور اسے انگوٹھوں اور انگلیوں کی مدد سے ''پلپلا'' کرنے لگے۔ یہ عمل صحیح نہیں تھا۔ ایک کیڈٹ نے شاید زیادہ ہی تیزی دکھائی۔ ان کا آم ذرا اسی ٹھیس کا منتظر تھا کہ ایک سینئر آ نکلے۔ انہوں نے بڑی شائستگی سے آم کو حلال کرنے کا طریقہ بتایا۔ پریکٹیکل کے لیے بدقسمتی سے ''پلپلا'' آم منتخب ہو گیا۔ ابھی چھری کی نوک گلی ہی تھی کہ آم کے رس کا ایک فوارہ بلند ہوا اور موصوف اچہرہ لت پت کر گیا۔ ادھر میز پر بیٹھے ہوئے کیڈٹ بڑی مشکل سے ہنسی کا فوارہ ضبط کر رہے تھے۔ ان کے چہرے سرخ ہو گئے لیکن جب وہی سینئر اپنا چہرہ دھو کر واپس آئے تو ہمارے چہروں اور آم کے رس کی رنگت یکساں ہو گئی۔ وہ دن پھلوں کے بادشاہ سے توہین آمیز سلوک کا آخری دن ثابت ہوا اور اس کے بعد آم کے چھلکوں کو بھی ڈرل کے مطابق حرکت دی جاتی تھی۔

(کیپٹن صولت رضا کی ''کاکولیات'' سے اقتباس)

حفصہ حماد، مرید کے

لنگڑے کو فون کیا لیکن حیرت انگیز طور پر دوسری طرف سے فون اٹینڈ نہ ہوا۔

''یا للعجب'' وہ بڑبڑایا۔ کیونکہ لنگڑا کی تو اس کا فون نمبر دیکھتے ہی لال ٹپکنے لگتی تھی۔

نقشبندی نے سوچا کہ ممکن ہے فون وہ گھر بھول گیا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

ہو آپریٹر کے ذریعے نمبر ملایا اور جان بوجھ کر اپنا نام غلط بتایا جس پر لنگڑے نے فون لے لیا۔

''کیا بات ہے سرکار فون نہیں اٹھا رہے۔'' اس نے چھٹتے ہی کہا۔ لنگڑا گڑبڑا گیا لیکن پرانا پاپی تھا سنبھل گیا۔

''نقشبندی صاحب آج باہر سے مہمان آئے ہوئے ہیں انشاءاللہ کل بات کریں گے۔''

اس نے اپنی دانست میں جان چھڑانے کے لیے کہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ابھی نقشبندی کو اس پر ٹوٹنے والی قیامت کی خبر دے۔ اس کا منصوبہ یہی تھا کہ تین چار دن تک ''صاحب'' یہ بات بھول جائے گا جس کے بعد وہ کسی چکر میں نقشبندی کی انٹری کروا دے گا۔ طویل عرصے بعد ایسی مرغی پھنسی تھی وہ آسانی سے اسے گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ اسے تو ابھی تک اس بات کی سمجھ ہی نہیں لگی تھی کہ کاٹھا صاحب نے یہ حکم اچانک کیوں جاری کر دیا۔

''ایک منٹ میری بات سن لیں.....'' دوسری طرف سے نقشبندی نے تیزی سے کہا۔

''ہاں جی.....''

''وہ بھائی آج ہماری ملاقات ضروری ہے۔'' نقشبندی چاہتا تھا کہ اسے اپنے ساتھ گزشتہ رات ہونے والی زیادتی سے آگاہ کرے۔

''اوہو نقشبندی صاحب سمجھا کریں۔ اچھا صاحب نے گھنٹی بجائی ہے۔ انشاءاللہ کل بات کریں گے۔'' کہہ کر لنگڑے نے فون بند کر دیا۔ نقشبندی تلملا کر رہ گیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

''کہیں کاٹھا صاحب نے اس کا پتہ تو صاف نہیں کر دیا۔'' اچانک ہی ایک خیال سے وہ لرز کر رہ گیا لیکن اتنی جلدی اس نے ہمت ہارنا نہیں سیکھا تھا۔ اس نے فی الوقت اس معاملے کو یہیں چھوڑ کو کھٹانہ صاحب کے ہاں قسمت آزمائی کی ٹھانی تھی جو اپنی زوجہ محترمہ کی وفات کے بعد کل ہی واپس لوٹے تھے۔

☆☆☆

نقشبندی کا نام سنتے ہی کھٹانہ چونکا۔ گزشتہ چار پانچ ملاقاتوں میں وہ یہی فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ اس کاٹھ کے الو کا کیا استعمال کرے۔ اب اسے سمجھ آ گئی تھی۔ اس نے خود ہی مسکراتے ہوئے سر ہلایا اور پی اے سے اسے اندر بھیجنے کے لیے کہا۔

نقشبندی نے حسب معمول خاندانی میراثیوں کی طرح کورنش بجالاتے ہوئے اسے سلام کیا۔

''بیٹھیے نقشبندی صاحب۔ تشریف رکھیں۔'' اس نے نقشبندی کو دور ہی سے اشارہ کیا۔

نقشبندی کے کمرے میں داخل ہوتے ہی مہنگی خوشبو کے جو بھبھوکے اٹھنے لگے تھے وہ ان سے اسی طرح محفوظ رہ سکتا تھا۔ نقشبندی نے حسب عادت لجیلجی گیری کے انداز میں باتوں کا آغاز کیا۔ اسی دوران کھٹانہ نے اس کے لیے چائے بسکٹ بھی اس کے ''ناں ناں'' کرتے منگوا لیے۔ اب کھٹانہ ذہنی طور پر تیار تھا۔ اس نے ایک دوپہر کو چھپنے والا دو صفحے کا اخبار اس کے سامنے رکھا جس کی ایک خبر پر سرخ دائرہ تھا۔ یہ خبر کھٹانہ اور بلقیس کی شادی سے متعلق تھی۔ نقشبندی نے خبر پڑھ کر سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''نقشبندی صاحب! مجھے جاننا ہے کہ یہ خبر کس نے اخبار میں دی ہے۔ اس اخبار کا مالک آپ جانتے ہیں ایک تھرڈ کلاس کا لفنگا ہے میں اس کے منہ لگنا نہیں چاہتا۔'' کھٹانہ نے کہا۔

''آپ کو ایسے لوگوں کے منہ لگنا بھی نہیں چاہیے کھٹانہ صاحب، آپ کا یہ خادم کب کام آئے گا؟'' اس

نے کھٹانہ سے بڑے اعتماد سے کہا۔

''نقشبندی صاحب یہ کام خاموشی سے ہونا چاہیے۔ صرف میرے اور آپ کے درمیان آپ جانتے ہیں ہم یاروں کے یار ہیں، آپ ہمارا کام راز داری سے کریں گے ہم آپ کے احسان مند ہو جائیں گے۔'' کھٹانہ بولا۔

''کھٹانہ صاحب مجھے دو دن دے دیں۔ اس کے بعد ملزم آپ کے سامنے پیش کر دوں گا۔'' نقشبندی منمنایا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ چلا گیا۔ کھٹانہ کو یقین تھا کہ نقشبندی ضرور بندہ ڈھونڈ نکالے گا کیونکہ وہ اس شہر کے اخبارات کا کیڑا تھا۔ اخبار نویسوں سے تعلقات کا اسے نشہ تھا۔ خصوصاً ''فریب نظر'' میں تو اس نے اچھا خاصا اثر رسوخ بنا رکھا تھا۔

نقشبندی کے لیے تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ وہ سازی گیم سمجھ گیا تھا۔ اس بات کا شک اسے پہلے سے تھا کہ بلقیس نے کھٹانہ سے خفیہ شادی کر لی ہے لیکن اس کی تصدیق نہیں ہو رہی تھی۔ شاید کھٹانہ کے کسی دشمن نے اس معمولی سے اخبار میں خبر دے کر کھٹانہ کو مشتعل کر دیا تھا وہ جانتا تھا یہ جاگیردار بڑے منتقم مزاج ہوتے ہیں اور کھٹانہ کبھی اس شخص کو معاف نہیں کرے گا جس نے یہ حرکت کی ہے۔ اسے اس بات کا بھی شدت سے احساس تھا کہ کھٹانہ اس کی بات کی تصدیق کبھی نہیں کرے گا۔ کیونکہ اس شہر کے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جتنے بڑے لوگوں سے اس کا پالا پڑا تھا وہ سب کانوں کے کچے اور عقل سے بالکل پیدل تھے۔ سب سے زیادہ اس بیماری کا شکار تو کاٹھا صاحب تھا۔ جس نے اس کی دانست میں زندگی میں کوئی فیصلہ اپنے دماغ سے کیا ہی نہیں تھا۔ اس نے نقشبندی کے علم کی حد تک تمام فیصلے کانوں سے سن کر کانوں ہی کے ذریعے کیے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ ''فریب نظر'' کا دفتر سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ ایک دوسرے کی ٹانگ کھینچنے کے لیے یہاں کے ملازمین باؤلے ہوئے جاتے تھے۔ ایک دوسرے کے خلاف گمنام خطوط کے ذریعے کاٹھا صاحب کو ورغلانے کی بیماری وبا کی طرح پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملازم کاٹھا صاحب کے لیے بطور ''کار خاص'' منتخب ہونا اپنا اعزاز جانتا تھا۔

''لو جی خان صاحب ہم آج ہی حساب چکتا کر دیتے ہیں۔'' وہ گاڑی چلاتے ہوئے خود ہی مسکرا دیا۔ اس نے کھٹانہ کی طرف سے ہاتھ میں آئی بندوق کا نشانہ اعظم خان کو بنانے کا فیصلہ کر لیا تھا جس نے اس کی اگلے ہی روز ٹھیک ٹھاک بے عزتی کر دی تھی۔ اب اسے لائحہ عمل طے کرنا تھا کہ یہ کام اس طرح انجام پائے کہ کسی کو کانوں کان علم نہ ہو یہ کارنامہ کس نے کہاں انجام دیا ہے۔ اسے اس بات کا یقین تھا کہ اس کا پتہ ''فریب نظر'' سے اعظم خان نے ہی صاف کروایا ہے جبکہ اس نے لنگڑے کے ذریعے اعظم خان سے اپنے گزشتہ طرز عمل پر معافی بھی مانگی تھی لیکن اعظم خان کے دل کا کھوٹ گیا نہیں تھا۔

☆☆☆

پی اے نے ڈرتے ڈرتے اخبار اس کے سامنے رکھا تھا۔ دو صفحات کے اس اخبار کے فرنٹ پیج پر ایک خبر کے گرد سرخ دائرہ لگایا گیا تھا۔ کھٹانہ کسی سے فون پر بات کر رہا تھا۔ مودب پی۔اے ایک طرف اس طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا تھا جیسے منسٹر کے بجائے اپنے پیر و مرشد کے سامنے کھڑا ہوا۔

''اب کیا ہوا؟'' اس نے فون رکھ کر پی۔اے کی طرف غصے سے دیکھا۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

''سر جی۔ وہ ایک خبر.....'' ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر پا رہا تھا وہ۔

کھٹانہ نے معمول کے مطابق ایک موٹی سی گالی اسے دی اور وہاں سے دفع ہو جانے کا حکم دیا۔ بے چارہ پی۔ اے کانپتا ہوا واپس چلا گیا۔ اب اس نے اخبار اٹھا کر دیکھا تو اسے اچانک ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے پورے زور سے جھٹکا دے کر اسے زمین پر پٹخا دیا ہو۔ یہ خبر ہی ایسی تھی جسے پڑھ کر ایک لمحے کے لیے تو اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا آ گیا۔ اب اسے سمجھ آئی کہ پی۔ اے کے منہ سے کوئی ڈھنگ کی بات کیوں نہیں نکل رہی تھی۔

اس کی وجہ اس خبر کی ہولناکی تھی۔ جس کے مطابق کھٹانہ کی بیوی کی موت فطری نہیں تھی اس کے لواحقین نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ اسے قتل کیا گیا ہے۔

دو تین منٹ تک تو وہ ہونقوں کی طرح خلاؤں میں گھورتا رہا پھر اس نے فون پر پی۔ اے کو اندر بلا لیا۔

''کس کا اخبار ہے یہ؟'' اس نے نارمل لہجے میں پوچھا تو پی۔ اے نے حوصلہ کیا۔

''سر جی..... ہمیں کوریئر سروس سے دس اخبارات کا بنڈل آیا ہے۔ کسی نے پہلے ہی سے اس خبر پر نشان لگایا ہوا تھا۔ میں نے اس پر دیے ایڈریس اور فون نمبر کی انکوائری کروائی ہے۔ ایڈریس اور فون نمبر دونوں غلط ہیں..... حیرت تو یہ ہے سر کہ روزنامہ ''زمیندار'' نام کا اخبار ساٹھ سال پہلے بند ہو چکا ہے۔ کسی نے جعلی اخبار شائع کروا کر تقسیم کروایا ہے اور شائع کرنے والوں یا کروانے والوں کا کوئی اتہ پتہ نہیں مل رہا۔'' پی۔ اے نے رپورٹ پیش کی گزشتہ دس سال سے یہ پی۔ اے کھٹانہ کے ساتھ کام کر رہا تھا۔ اس کی ایمانداری اور وفاداری نے کھٹانہ جیسے بندے کو بھی اسے اپنے ساتھ لگائے رکھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی پی۔ اے نے ساری انکوائری کروالی ہوگی۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔ کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ الیکشن کی وجہ سے میرے خلاف پراپیگنڈہ مہم چلائی جا رہی ہے۔ تم سب سے یہی کہنا اور ہاں پریس ریلیز میں جاری کر دو۔'' اس نے پی۔ اے سے کہا اور تھوڑی دیر تک کچھ سوچنے کے بعد اس نے کاٹھا صاحب سے نمبر ملایا۔

کاٹھا صاحب کی گردن میں یوں تو پیدائشی سریہ فٹ تھا لیکن الیکشن نزدیک آنے کی وجہ سے وہ کچھ زیادہ ہی فرعون بن گئے تھے۔ عموماً وہ فوراً فون کا جواب نہیں دیا کرتا تھا لیکن کھٹانہ کا معاملہ ذرا مختلف تھا۔ تھو پارک کو تحریک پاکستان کے حوالے سے مختص کرنے کی فائل کاٹھا صاحب نے چلا دی تھی۔ پچاس کنال کا یہ پارک عرصے سے اس کی نظر میں تھا اور اس پر بھی وہ شہر کی دیگر عمارتوں کی طرح اپنا حق سمجھتا تھا۔ یہ مرحلہ کھٹانہ کے بغیر طے ہونا ممکن نہیں تھا۔

''جی کھٹانہ صاحب..... کیسے یاد کر لیا ہمیں۔'' اس نے اپنے روایتی متکبرانہ انداز میں کہا۔

''کاٹھا صاحب میں آفس آ کر بات کرتا ہوں۔ اجازت ہے۔'' کھٹانہ نے عاجزی دکھائی۔

''آپ کا دفتر ہے کھٹانہ صاحب بڑی اہم مصروفیات تھیں لیکن آپ کے لیے تو کینسل کی جا سکتی ہیں ہاں.....'' کاٹھا نے احسان جتایا۔

''ٹھیک ہے جناب میں نکل رہا ہوں۔'' کہہ کر اس نے فون رکھا اور بے شمار گالیاں کاٹھا کو دے کر ڈرائیور کو اندر بلا لیا۔

دونوں کے دفاتر کا فاصلہ بمشکل دس پندرہ منٹ کا

تھا تھوڑی دیر بعد ہی وہ ''فریب نظر'' کے آفس پر موجود تھا جس کے استقبالیہ کے باہر لنگڑا کرسی بچھائے اس کا منتظر تھا۔ اسے ''صاحب'' نے کھٹانہ کی آمد اور اسے فوراً کمرے میں لے آنے کا حکم دیا تھا۔

کھٹانہ کی گاڑی پر نظر پڑتے ہی وہ کتے کی طرح دم ہلاتا اس کی طرف لپکا اور وہاں موجود سکیورٹی والے ریٹائرڈ بوڑھے فوجیوں کی زیر لب گالیوں اور بددعاؤں کے ساتھ اس کی گاڑی کا دروازہ کھول کر اسے باہر نکالا۔

''سلام علیکم سر جی'' اس نے کھٹانہ پر ''سلامتی'' کے بجائے ''لعنت'' بھیجتے ہوئے اس کے سامنے پجاریوں کی طرح ہاتھ باندھے اور اسے لفٹ تک لے آیا۔

کھٹانہ کو دینے کے لیے درخواست اس نے کھٹانہ کی آمد کی اطلاع ملتے ہی تیار کروالی تھی اور اب اسے پیش کر کے دستخط کروانے کا منتظر تھا۔

کھٹانہ سیدھا کاٹھا صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ کاٹھا صاحب نے خود کھڑے ہو کر اس کا استقبال کیا تھا جو بڑی بات تھی۔

''کیسے ہیں جناب..... الیکشن کمپین کیسی جا رہی ہے۔'' کاٹھا نے اس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔

''شکر ہے جی مالک کا۔ کاٹھا صاحب بزرگوں کی کمائی کھا رہے ہیں آبائی سیٹ سے الیکشن لڑ رہا ہوں۔ ابھی تک کوئی خاص مخالف امیدوار تو سامنے نہیں آیا۔ ایک ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر کو لیڈری کا شوق ہو رہا ہے۔ لڑ کے سمجھا رہے ہیں بیٹھ جائے گا۔ ہمارے ادھر برادری سسٹم بڑا مضبوط ہے جی۔ پچاس سال سے ہم اس سیٹ پر جیت رہے ہمیں سب جانتے ہی ہیں۔'' اس نے پارسائی کا دعویٰ جتایا۔

''بالکل ٹھیک کہا آپ نے..... کھٹانہ صاحب ہماری ہمدردیاں کسی امیدوار کے نہیں صرف اپنے ''کاز'' کے ساتھ ہیں۔ جو کوئی پاکستان کی سلامتی کی بات کرے گا ہم اس کے ساتھ ہیں۔ اس وقت ملک کی نظریاتی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔ اور ہم سب کو مل کر اس سازش کو ناکام بنانا ہے۔'' کاٹھا نے اپنا کفر تولا۔

''بالکل بجا فرمایا آپ نے کاٹھا صاحب۔ دیکھئے جی ہمارے بزرگوں سے آج تک ہم تو مسلم لیگ سے جڑے ہیں اور آپ کی طرح ہم یہی سمجھتے ہیں کہ ملک پر حکومت کا حق ملک بنانے والی جماعت سے زیادہ اور کس کو نہیں..... کاٹھا صاحب یہ سب آپ کے بزرگوں کی اور آپ کی محنتوں کا ثمر ہے۔ آپ لوگوں نے اس نظریے کو زندہ رکھا ہوا ہے ورنہ تو یہاں لوگ ملک بیچنے کو تیار بیٹھے ہیں۔ لیکن مطمئن رہیں کاٹھا صاحب ہماری زندگی میں ایسا کبھی ممکن نہیں ہوگا۔ کاٹھا صاحب میرے لیے تو نظریاتی سیاست نے بے پناہ مسائل پیدا کر دیئے ہیں۔ اب یہی لیں۔'' کہتے ہوئے اس نے کاٹھا صاحب کو تازہ واردات والا اخبار پیش کر دیا اور اپنی ''شام غریباں'' وہیں منائی۔ اس نے بتایا کہ اس کے مخالفین نے پہلے بلقیس اور اس کی شادی کی خبر چھاپ کر اس کی کردار کشی کی اور اب یہ جعلی اخبار شائع کر کے تقسیم کروا رہے ہیں جبکہ اس نام کا کوئی اخبار بھی نہیں۔

''یہ تو بہت زیادتی ہے کھٹانہ صاحب۔ آپ جیسے عزت دار لوگوں کو اس طرح رسوا کرنے کی اجازت تو کسی کو نہیں ہونی چاہیے۔'' کاٹھا نے اس سے اظہار ہمدردی کیا فی الوقت یہ اس کی ضرورت تھی۔

''میں ابھی کسی رپورٹر کی ڈیوٹی لگاتا ہوں وہ آپ کا بیان بھی شائع کرے گا اور ہم اس حرکت کی مذمت بھی اپنے اداریے نوٹ میں کریں گے۔''

کاٹھا نے اسے مزید تسلی دلائی اور اپنے پلاٹ کی

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

بات آگے بڑھادی۔

''کاٹھا صاحب تھوپارک والا پلاٹ آپ کا ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں۔ انشاء اللہ نئی حکومت بنتے ہی آپ کے اس حکم کی تعمیل ہوجائے گی۔ آپ صرف ایک مہربانی اور کردیں۔

''حکم کریں کھٹانہ صاحب.....'' اس نے کھٹانہ کو مزید تسلی دی۔ کھٹانہ اپنے داؤ پر تھا اور کاٹھا صاحب اپنی گیم چلا رہے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی ضرورت تھے۔ کھٹانہ یہاں آیا تو کسی اور کام سے تھا لیکن لوہا گرم دیکھ کر اس نے اپنا وہ شیطانی منصوبہ بھی آگے بڑھادیا جس پر وہ گزشتہ تین ماہ سے خفیہ طریقے سے کام کررہا تھا۔ اس نے کاٹھا صاحب کو اعتماد میں لے کر آگاہ کیا کہ چیف منسٹر میاں چنوں کو گرین کارڈ مل گیا ہے لیکن یہ بات ابھی ان تک محدود ہے کیونکہ اس کے سب سے زیادہ قریب کھٹانہ ہی ہے۔

''کاٹھا صاحب آج کل عدالتیں اس بات کا سخت نوٹس لے رہی ہیں آپ جانتے ہیں کہ یہ بات چھپ تو سکتی نہیں کبھی نہ کبھی تو ظاہر ہوگی اگر معاملہ عدالت تک چلا گیا تو مرکز میں تو حکومت کیا بننی ہے پنجاب بھی ہاتھ سے نکل جائے گا اور پارٹی کی ساکھ کو زبردست نقصان پہنچے گا۔''

اس نے کاٹھا صاحب کو بتایا کہ یوں بھی اب میاں چنوں دوائیوں کے سہارے ہی چل رہا ہے۔ اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ سیاست سے ریٹائر ہوکر پارٹی کی خدمت کے لیے خود کو وقف کردے بصورت دیگر سب کچھ برباد ہوجائے گا۔ اس نے کاٹھا کو بتایا کہ پارٹی میں اس کا گروپ بہت مضبوط ہے اور اسے میاں چنوں کے بھی ساتھیوں کی خفیہ حمایت حاصل ہے۔ اگر وہ اس کا ساتھ دے تو کھٹانہ اگلا چیف منسٹر بن سکتا ہے اور کھٹانہ کی چیف منسٹری دراصل کاٹھا صاحب کی چیف منسٹری ہوگی جس کے بعد وہ لاہور میں کیا پنجاب کے جس شہر میں چاہے تحریک پاکستان کے مراکز قائم کرسکتا ہے۔ اس کی حکومت نہ صرف زمین بلکہ اس کے تعمیری اخراجات بھی اٹھائے گی۔

کاٹھا کے چودہ طبق روشن ہوگئے۔ ایسی شاندار پیشکش اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ اس نے کھٹانہ کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔

''کھٹانہ صاحب ہم اخبار نویس ہیں۔ ہم سے سیاستدانوں والی ڈیل نہ کرنا اس میں ہمارا کچھ نہیں جائے گا لیکن آپ کے ہاتھ کچھ نہیں آئے گا۔'' اس نے تنبیہ کرتے ہوئے کھٹانہ کو سمجھادیا۔

''اوہ سر جی! کیسی باتیں کررہے ہیں آپ ہم خاندانی سیاستدان ہیں شہر کے لونڈے بالکے نہیں جو منہ اٹھا کر سیاست میں آگئے ہیں جو بات کی پتھر پر لکیر ہے اور یہ میرے اور آپ کے درمیان مرتے دم تک راز رہے گا۔'' اس نے قریباً ہر طرح سے کاٹھا کو یقین دلا کر رام کرلیا تھا اور کاٹھا رام ہوگیا۔

دونوں کے درمیان ڈیل طے پاگئی۔ کاٹھا نے میاں چنوں کی چھٹی کروا کر اسے آگے لانا تھا بطور ضمانت وہ ایک خطیر رقم دینے پر رضامند ہوگیا تھا اور مطمئن ہوکر رخصت ہورہا تھا۔

کھٹانہ بیک وقت حکومت اور اپوزیشن سے مال کھا رہا تھا اور اپنی غیر جانبداری کے ڈنکے بھی زور شور سے بجا رہا تھا۔ ایسی ہی ایک ڈیل چند روز پہلے حکومت کے وزیر اطلاعات سے بھی اس نے کی تھی۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

نجات

طارق اسمٰعیل ساگر

آخری قسط

اردو صحافت اور سیاست کے پس منظر میں لکھی گئی یہ کہانی آپ کو کوئی بھولے سبق یاد دلا دے گی

اس کہانی کے کردار، مقامات، واقعات فرضی ہیں، اگر کوئی زبردستی اپنا چہرہ دیکھنا چاہے تو مصنف بری الذمہ ہے

بلقیس کا استقبال شہزادیوں کی طرح ہوا تھا۔ دفتر کے نام پر اسے جس بلڈنگ میں لایا گیا تھا یہ سولجر ٹاؤن میں ہی بنی ہوئی تھی لیکن بلقیس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا کہ پاکستان میں اسے ایسی کوئی عمارت بھی دکھائی جائے گی۔ اس کا آفس اور متعلقہ سٹاف تھا تو پاکستانی لیکن اپنے انداز واطوار سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ کسی اور ہی سیارے کی مخلوق ہیں۔ میاں آصف قدم بقدم اس کے ساتھ تھا وہ اپنے ہر ایکشن سے یہ ثابت کر رہا تھا کہ بلقیس کے لیے وہ کوہ کاف سے اڑنے والا شاہی قالین بھی منگوا سکتا ہے.....

بلقیس کی پہلی جھلک دیکھنے پر میاں آصف کے چہرے نے جتنے رنگ بدلے تھے اس نے بلقیس کو اس بات کا یقین تو دلا دیا تھا کہ آصف پہلی نظر کی محبت کا شکار ہو چکا ہے۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ گئی تھی کہ یہ ویلفیئر وغیرہ تو سب ڈرامہ ہے۔ اصل میں میاں آصف نے یہ سارا گھڑاگ اس تک پہنچنے کے لیے پھیلایا تھا۔ اسے یہ سب کچھ اچھا لگا۔

آصف کے ساتھ قریباً دو گھنٹے گزارنے کے بعد اس نے آصف کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ بھی اس کے لیے وہی جذبات رکھتی ہے جو آصف اس کے لیے۔ دونوں ہی زبان کے بجائے صرف جذبات کو اظہار کا ذریعہ بنایا تھا۔ روانگی پر آصف نے اس کی گاڑی کا دروازہ خود کھول کر اسے بٹھایا اور پھر خود ہی بند بھی کیا تھا۔ جو یہاں موجود لوگوں کے لیے واقعی اچنبھے کی بات تھی۔

''آصف صاحب میں آپ سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی۔'' اس نے مکمل ذہنی تیاری کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا اور آصف کو کھٹانہ سے اپنے تعلق کے حوالے سے ساری کہانی سنا دی۔ وہ حیران رہ گئی جب آصف نے بتایا کہ اسے ان سب باتوں کا علم ہے لیکن آج کے بعد وہ اس جن کی قید سے آزاد ہو جائے گی۔

بلقیس خوشی سے پھولے نہیں سما رہی تھی۔ اس نے اب کوئی لگی لپٹی رکھے بغیر کھٹانہ پر آخری ضرب لگانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ اس سنہری موقعہ سے بہر حال فائدہ اٹھانا چاہتی تھی۔ ابھی تک اس نے رضیہ کو اعتماد میں نہیں لیا تھا رضیہ نے اس کا جی جان سے ساتھ دیا تھا اور اس مرحلے پر اس کی مشاورت بہر حال لازم تھی۔ یہی سوچ کر اس نے رضیہ کا فون ملایا اور اس کو گھر پہنچنے کے لیے کہا۔

''خیریت'' رضیہ حیران تھی کہ ایسی کیا ایمرجنسی آ گئی۔

''باقی باتیں وہیں ہوں گی'' بلقیس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

ہانپتی کانپتی جب رضیہ ایک رکشہ پر بیٹھ کر اس کے ہاں پہنچی تو اس نے بلقیس کو ڈرائنگ روم میں بے چینی سے چکر کاٹتے پایا۔

''خیریت تو ہے ناں بلقیس..... مجھے تو گھبراہٹ ہو رہی ہے.....'' رضیہ نے خشک گلے کو تھوک سے تر کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں رضیہ باجی بس یہ سمجھو اللہ کو ہم پر رحم آ گیا ہے۔ اس نے میرے ہاتھ میں ایسی تیز دھار تلوار پکڑا دی ہے جو ایک ہی جھٹکے میں کھٹانہ کی گردن اتار دے گی اور پھر ساری زندگی کے لیے اس موذی سے نجات مل جائے گی۔'' اس نے رضیہ کو کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھ کر بڑی اپنائیت کے انداز میں صوفے پر دھکیلا اور اس کے سامنے بیٹھ گئی۔

''کچھ پیو گی؟''..... اس نے رضیہ کی آنکھوں میں جھانکا جہاں حیرت کے سوا کچھ نہیں تھا۔

''خدا کے لیے بلقیس پہیلیاں نہ بجھواؤ..... بس اب جلدی بتا دو... تم جانتی ہو میرا بلڈ پریشر کا مسئلہ کیسا ہے؟'' رضیہ نے قدرے نارمل ہو کر کہا۔

اور بلقیس نے اسے ساری رام کہانی الف سے یے تک سنا دی۔ رضیہ کا ذہن فوراً حاجی صاحب والی پارٹی کی طرف گیا۔ جہاں اس نے میاں آصف کی آنکھوں کی چوری اور چہرے کی بے چینی سے اندازہ تو لگایا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے لیکن ابھی وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ وہ باقاعدہ بلقیس کو اس خبر سے آگاہ کرتی۔

''رضیہ بی بی وہ وقت آ گیا جس کے انتظار میں تیری ماں مر گئی اور تیری جوانی ڈھل رہی ہے۔''

''بلقیس''..... وہ بے اختیار جذباتی ہو کر بلقیس سے لپٹ گئی تھی۔ ...''اللہ نے ہماری سن لی۔ اب اس موذی کے انجام کا وقت آ گیا ہے۔ انشاء اللہ اب ہمیں اس سے نجات مل جائے گی۔''

''انشاء اللہ''..... بلقیس نے اس کی جذباتی کیفیت کا اندازہ لگا لیا تھا۔ تم کوئی بہانہ کر کے تین چار دن کے لیے غائب ہو جاؤ۔ باقی معاملات میں سنبھال لوں گی۔''

بلقیس جانتی تھی کہ اپنے اوپر ہونے والے ہر حملے کا انتقام بزدل کھٹانہ اس بے گناہ اور کمزور عورت سے لے گا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی وجہ سے رضیہ کے لیے کوئی مسئلہ بنے۔

رضیہ اسے اکیلے چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی تھی لیکن بلقیس کے بضد ہونے اور قسمیں کھانے پر اس نے بالآخر یہ بات مان لی اور تھوڑی دیر بعد ہی وہ بظاہر تو اپنی خالہ کے گھر ایک دور دراز کے پہاڑی علاقے میں جا رہی تھی۔ جس کا کھٹانہ کو علم تھا اور وہ یہ بات بھی جانتا تھا کہ وہاں موبائل کے سگنل بھی نہیں جاتے۔ لیکن اصل میں رضیہ نے اس شہر میں رہنا تھا۔ اس کے لیے بلقیس کے پل پل سے باخبر رہنا ضروری تھا۔ اس نے متعدد مرتبہ بلقیس سے کہا تھا کہ اس کی زندگی کا اب کوئی مقصد نہیں رہ گیا۔ پستول اسے چلانی آتی ہے وہ کھٹانہ اور اس کے دو تین شیطان ساتھیوں کو مار کر پھانسی بھی لگ جائے تو اس کو کسی بات کا رنج نہیں بلکہ خوشی ہوگی کہ زندگی سے کوئی مقصد تو حاصل ہوا۔ لیکن بلقیس نے سختی سے اسے منع کر دیا تھا وہ جانتی تھی رضیہ کے دو بھائی اور تین بہنیں بھی ہیں۔ جنہیں وہ ہی پال پوس رہی ہے۔ باپ تو ان کا پانچ بچے پیدا کر کے فوت ہو گیا تھا۔

رضیہ کا موبائل آف ہو گیا۔ ایک دوسری سم وا

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

موبائل اسے مل گیا۔ جس کے نمبر کا سوائے بلقیس کے اور کسی کو علم نہیں تھا۔ نہ ہی کسی کو کانوں کان اس بات کی خبر ہوئی تھی کہ وہ اچانک کہاں غائب ہوگئی ہے۔ البتہ اس نے فون کر کے کھٹانہ کو ضرور آگاہ کر دیا تھا کہ وہ اپنی خالہ کے پاس جا رہی ہے جو کینسر کی مریضہ اور بستر مرگ پر اس کی منتظر ہے۔ کھٹانہ نے اسے پیسوں کی پیشکش کی تھی لیکن اس نے شکریہ ادا کر کے کہہ دیا تھا کہ بلقیس بیگم نے اسے پیسے دے دیے ہیں۔

☆☆☆

دوسرے روز جب اپنے ڈیفنس والے گھر میں بلقیس رات کے کھانے کے بعد ٹی وی سے لطف اندوز ہو رہی تھی تو کھٹانہ پاگل سانڈ کی طرح دروازوں سے ٹکراتا ڈرائنگ روم میں گھس آیا۔

''کہاں گئی تھی تم؟'' اس نے غصے سے بے قابو ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ ہوش میں تو ہیں ناں کھٹانہ صاحب۔ اگر خود شراب پینے کے بعد قابو نہیں رکھ سکتے تو اس حالت میں گھر نہ آیا کریں.....'' بلقیس اس کے سامنے نفرت کی بیوی بن کر تن کر کھڑی تھی۔

''کیا بک رہی ہے تو.....؟'' کھٹانہ کے لیے یہ لہجہ قابل برداشت تھا۔

''بدتمیزی نہیں مسٹر کھٹانہ۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں پڑھ لکھی ہوں تم سے زیادہ آسانی سے یہ زبان بول سکتی ہوں..... اور ہاں اگر مجھے انگلی بھی لگائی تو یاد رکھنا جس شخص کے ہاں میرے جانے کا سن کر تم پاگل سانڈ کی طرح بے قابو ہو رہے ہو وہ تمہارے ہاتھ پاؤں توڑ کر تمہیں بھیک مانگنے والوں کی ریڑھی پر بٹھا دے گا۔'' اس نے کھٹانہ پر ایسا زبردست نفسیاتی حملہ کیا تھا کہ کھٹانہ کی اسرک گئی۔

''کیا بکواس کر رہی ہے تو؟'' وہ بے ادب تو ہو گیا تھا لیکن زبان پر کنٹرول ناممکن ہو رہا تھا۔

''شٹ اپ''..... بلقیس اتنے زور سے چیخی کہ ایک مرتبہ تو کھٹانہ بھی لرز کر رہ گیا۔ ''دس پندرہ منٹ کے اندر مجھے میاں آصف کا فون آئے گا۔ اگر میں نے فون اٹینڈ نہ کیا تو اگلے ہی لمحے تم کتے کی موت مارے جاؤ گے۔ کھٹانہ تم خود کو کیا سمجھتے ہو..... ارے تم تو مرد ہی نہیں۔ نامرد ہو تم..... نامرد.....'' اس کا غصہ بے قابو ہو رہا تھا۔

''خبردار..... خبردار اگر مجھے دھمکی دی۔ زبان کاٹ کر ہاتھ میں دے دوں گا۔ شرم نہیں آتی میری منکوحہ بیوی ہو اور مجھے.....''

''شرم تو تمہیں آنی چاہیے کھٹانہ..... ہاں میں نے تم سے نکاح ضرور کیا ہے لیکن تم کبھی اس قابل نہیں رہے کہ ہمارے درمیان میاں بیوی والے تعلقات قائم ہوں۔ تم ایک جنسی درندے ہو لیکن نامرد.....!'' اس نے آخری لفظ ایسے چبا کر کہا تھا کہ کھٹانہ کو اپنی پیٹھ پر زوردار کوڑے کی طرح محسوس ہوا۔

''اگر تم نے کوئی حرکت کی تو یاد رکھنا تمہارا نکاح نامہ ساری دنیا کو دکھا دوں گا'' کھٹانہ بے بس سانپ کی طرح پھنکارا۔

''ضرور دکھانا اگر کوئی جعلی نکاح نامہ تم نے تیار کروا رکھا ہے کیونکہ میں نے کسی کاغذ پر دستخط نہیں کیے.....'' بلقیس کی طنزیہ مسکراہٹ نے کھٹانہ کی چولیں ہلا کر رکھ دیں۔ کیسی خطرناک لڑکی تھی یہ۔ اس نے کبھی سوچا بھی ہوگا کہ بھولی بھالی اور انتہائی معصوم نظر آنے والی یہ لڑکی اس کے لیے اس طرح زہریلی ناگن بن جائے گی۔

''کیا بک رہی ہے تو..... میں نے تیرے اکاؤنٹ میں.....''

''میرے.....؟'' اس نے کھٹانہ کی بات کاٹتے

ہوئے طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھا..... ''کھٹانہ صاحب آپ تو ہوس کے ہاتھوں اندھے ہو چکے ہیں۔ آپ کو کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ بے وقوف انسان جس غیر ملکی اکاؤنٹ میں تم نے ہنڈی کے ذریعے پیسے منتقل کروائے وہ میرے نام پر نہیں کسی اور کے نام پر ہے..... اور یہ ساری ٹرانزکشن غیر قانونی ہوتی ہے۔ وزیر مال صاحب..... عقل ٹھکانے آئی یا ابھی اور کچھ بتاؤں.....'' بلقیس نے اس کی بات پھر کاٹ دی۔ کھٹانہ کو سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ آج اتنا بزدل کیسے ہو گیا ہے۔ اسے تو خمیر ہی بدلتا محسوس ہو رہا تھا۔

''تم عورت نہیں زہریلی ناگن ہو۔ ناگن، لیکن یاد رکھنا میرا نام بھی کھٹانہ ہے تمہاری نسلیں اس کا خمیاہ بھگتیں گی'' کھٹانہ کا لہجہ بدل رہا تھا۔ وہ بے بس ہو رہا تھا۔

''میری نسل مجھ سے شروع ہوتی ہے کھٹانہ صاحب مجھ پر ہی ختم ہوتی ہے۔ البتہ آپ کے لیے ایک ''وارننگ شاٹ'' میں نے رکھا ہوا ہے۔ اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جس کے بعد آپ کی شاید بولنے کی قوت بھی ختم ہو جائے گی۔''

یہ کہتے ہوئے اس نے ایک سی ڈی پلیئر کا بٹن دبا دیا۔ سامنے بڑی سکرین پر کھٹانہ کی ننگی تصاویر چل رہی تھیں۔ یہ تمام وہ تصاویر تھیں، جو رات کو اس وقت اتاری جاتی تھیں جب وہ اپنی دانست میں رضیہ کے حکیم کی دی ہوئی گولیاں نگل کر رستم ہند بن کر خوابگاہ میں داخل ہوتا اور چند سیکنڈ بعد ہی کپڑوں سے بے نیاز خراٹے لے رہا ہوتا تھا۔ یہ کھیل اس کے ساتھ گزشتہ ایک ماہ سے کھیلا جا رہا تھا۔

کھٹانہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اسے کمرے کی چھت اور زمین گھومتی دکھائی دے رہی تھی۔ بمشکل تمام وہ ایک کرسی پر ڈھیر ہوا۔ ایسی خطرناک عورت اس کی زندگی میں آئے گی اس نے تو کبھی گمان بھی نہیں کیا تھا۔

''یہ سب کیا بکواس ہے.....؟'' کھٹانہ نے چیخنا چاہا لیکن گلے اور زبان دونوں نے اس کی ہمنوائی سے انکار کر دیا۔

''یہ وارننگ ہے کھٹانہ صاحب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ زندگی میں دوبارہ کبھی میرا نام اپنی زبان پر نہ لانا۔ تمہارا میرا کوئی نکاح نہیں ہوا تھا۔ میں نے تمہیں کبھی ''قبول'' نہیں کیا۔ تم تک غلط اطلاع پہنچی تھی کہ میں نے تین مرتبہ ''ہاں'' کہا ہے۔ وہ سب اس کھیل کا حصہ تھا جس کا آج ڈراپ سین ہوا ہے۔ تم نے بزدل گیدڑ کی طرح میری عصمت پر حملہ کیا جس کی یہ معمولی سزا ہے۔ کھٹانہ تم ساری زندگی خارش زدہ کتے کی طرح سسک کر گزارو گے..... تم نامرد بن چکے ہو نامرد..... اب تم کسی عورت کو ریپ کرنے کے قابل نہیں رہو گے..... اور ہاں تمہاری جان بخشی میں یہ شرط بھی شامل ہے کہ آج کے بعد تم بانی رضیہ کی طرف میلی آنکھ سے نہیں دیکھو گے۔ یاد رکھنا اگر کسی در کی طرف سے بھی اس کی فیملی کو نقصان پہنچا تو اس کا خمیاہ تم بھگتو گے تم۔'' بلقیس بولی رہی تھی اور کھٹانہ کے دل و دماغ میں انگارے اتر رہے تھے۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے انجکشن کے ذریعے اس کے بدن میں خون کی جگہ آگ داخل کر دی ہو۔ اس آگ نے اس کو اندر سے جلانا شروع کیا تھا اور اب وہ بھسم ہو چکا تھا۔

بلقیس نے اس کے لیے انتقام کے سارے دروازے بند کر دیے تھے اب وہ اپنی سیاسی قبر میں اس طرح سسک سسک کر دفن ہونا تھا۔

''میں تمہیں طلاق دیتا ہوں۔ طلاق، طلاق،

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

طلاق'' اس نے اچانک کھڑے ہو کر اپنی بے بسی کو قدرے تسکین دینے کے لیے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

''تھینک یو..... الحمدللہ.....'' بلقیس نے بے ساختہ کہا۔

کھٹانہ کے کمرے سے نکلتے ہی اس کی آنکھوں میں جانے کب کے رکے آنسو ساون کی بارش کی طرح اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ سسکیاں لیتی وہ صوفے پر ڈھیر ہوگئی۔

یہ خوشی کے آنسو تھے، فتح کے آنسو یا پھر ایک کامیاب تجارت کا شاخسانہ جس میں اس کے جسم کو داغدار کرنے والے نے ہر ممکن قیمت چکائی تھی۔ وہ طوائف کی بیٹی تھی گو کہ اس کی ماں نے اس پیشے کی ہوا بھی اسے نہیں لگنے دی تھی لیکن اسے اس کی ماں کی ہم جولیوں نے ہی پالا پوسا تھا۔ اپنے بزنس کے آداب اسے معلوم تھے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ جوان ہونے پر ہر طوائف کو جب پہلی مرتبہ بیاہا جاتا ہے تو اس کی ''نتھ اتروائی'' کی قیمت وصول کی جاتی ہے۔ جو جتنی زیادہ قیمت چکائے اسے اتنی زیادہ قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے۔ اگر اس کی ماں اپنے دھندے سے وابستہ ہوتی تو بھی اسے ایک رات کسی ایسے ہی شیطان کے پہلو میں گزار کر یہ قیمت تو حاصل کرنی ہی تھی۔

''کیا ان حالات میں میرا اتنا مول لگتا؟'' اس نے خود سے کہا اور پاگلوں کی طرح قہقہے لگانے لگی۔

آنسو اب تک اس کے گالوں پر جمے تھے لیکن یہ کیفیت عارضی تھی پھر وہ فتح مند ہو کر اٹھی۔ باتھ روم میں گئی۔ آنسوؤں سے بھیگی مسکراہٹ کا نظارہ کیا۔ اپنے چہرے پر پانی کے چھینٹے ڈالے اور نارمل ہو کر کمرے میں لگے انٹر کام تک گئی۔ اگلے لمحے وہ انٹر کام پر گیٹ پر موجود میاں آصف کے فراہم کردہ اس گارڈ سے بات کر رہی تھی۔ جسے میاں آصف نے اس کی ساری کہانی سننے کے بعد ایک خاص منصوبے کے تحت یہاں لگایا تھا۔ اس نے جو بھی کیا وہ کبھی ممکن نہ ہوتا اگر آصف اس کی پشت پر کنکریٹ کی مضبوط چٹان کی طرح نہ کھڑا ہوتا۔ آصف نے اس کی ساری کہانی سننے کے بعد اسے کہا تھا۔

''بلقیس محبت کسی میڈیکل سرٹیفکیٹ کی محتاج نہیں۔ میں کوئی اچھا انسان نہیں لیکن تم سے محبت میں کوئی کھوٹ نہیں۔ تمہارا شکریہ کہ تم نے مجھ سے کچھ نہیں چھپایا۔ تم میرے لیے اتنی ہی پوتر اور پاک ہو جتنی دنیا کی کوئی نیک عورت ہو سکتی ہے۔ سوچتا ہوں شاید مجھ سے واقعی کوئی نیک کام ہو گیا ہے جو تم مجھے ملیں۔ اب تم ایک لمحہ کے لیے بھی اس ظالم جن کی قید میں نہیں رہو گی۔''

اس کے بعد اس نے بلقیس کی ہمت بندھائی اور اسے فوراً یہ بہادرانہ فیصلہ لینے پر قائل کیا۔ وہ ہر لمحہ اس کے ساتھ تھا۔ جس کا ثبوت کھٹانہ کے گھر سے نکلتے ہی فون پر بجنے والی اس کی گھنٹی نے اسے دیا۔

''میں تمہارے ارگرد تمہارے سائے کی طرح موجود ہوں بلقیس۔'' اس نے پر یقین لہجے میں کہا اور بلقیس فون پر ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''میں رضیہ کو تمہارے پاس پہنچا رہا ہوں۔ انشاء اللہ کل ملیں گے۔'' اس نے آخری بات کہہ کر فون بند کر دیا۔

اگلے دس منٹ کے بعد رضیہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ رضیہ کو آصف نے اس کے نزدیک ہی ایک کوٹھی میں محفوظ رکھا ہوا تھا اور اب بھی اسے بڑی حفاظت سے یہاں تک پہنچایا گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ کر بے اختیار رونے لگیں پھر بلقیس نے حوصلہ کیا اور اسے یہاں گزرنے والے ایک ایک لمحے کی تفصیلات

سے آگاہ کر دیا۔ یہ امر ان دونوں کے لیے باعث اطمینان تھا کہ اگر ان کے نکاح میں ایجاب و قبول ہوا بھی تھا تو وہ کھٹانہ نے طلاق دے کر ختم کر دیا۔

''تم نے میری زندگی کو مقصد دے دیا بلقیس۔ آج تک میں اس پارٹی کے درندوں کے ہاتھوں میں کھلونا بنی ہوئی تھی۔ اب میں پارٹی کو ان موذیوں سے نجات دلاؤں گی۔ میں اپنی ماں کا مشن پورا کروں گی۔'' رضیہ نے بڑے یقین سے کہا۔

''انشاء اللہ۔ ہر قدم پر تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی لیکن میں سیاست سے کنارہ کش ہو رہی ہوں رضیہ..... البتہ میں اس امر کو یقینی بناؤں گی کہ جو سیٹ مجھے ملنے جا رہی تھی وہ تمہیں ملے۔ تمہارا تو یوں بھی اس پر حق بنتا ہے۔'' اس نے رضیہ کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اسے یقین دلایا۔

''شکریہ بلقیس۔ زندگی میں کبھی میری ضرورت پڑے۔ ایک مرتبہ یاد ضرور کرنا۔'' اس نے بلقیس کا ہاتھ پکڑ کر جذباتی انداز میں کہا۔

''رضیہ باجی۔ ہمارے راستے الگ ہوئے ہیں۔ منزل نہیں۔ تم کبھی مجھ سے الگ ہو ہی نہیں سکتی..... آؤ آج تمہیں اپنے ہاتھ کا پکایا کھانا کھلاؤں.....'' وہ رضیہ کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے کچن کی طرف لے گئی۔

☆☆☆

کھٹانہ کی حالت زخم خوردہ لیکن ایسے تلملائے ہوئے سانپ کی سی تھی جس کے زہریلے دانت نکال کر اسے کسی مداری کے ٹوکرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ جس ذلت کا سامنا اسے ہوا اس نے ساری رات کھٹانہ کو سونے نہیں دیا۔ یہ لڑکی اتنی چالاک نکلے گی؟ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات کبھی نہیں آئی تھی۔ لیکن اچانک ایک خیال نے اسے قدرے ٹھنڈا کر دیا اس کے مخبر نے میاں آصف اور بلقیس کے یارانے کی اطلاع دے کر ہی اسے خبردار کیا تھا۔ اس نے اپنی گندی ذہنیت کے حساب سے یہی اندازہ لگایا کہ ضرور دونوں کے تعلقات قائم ہو چکے ہیں اور بلقیس نے میاں آصف کی مدد سے یہ سارا کھیل کھیلا ہے۔ اس کا دل و دماغ یہ ماننے کے لیے تیار ہی نہیں تھے کہ میاں آصف کی پشت پناہی کے بغیر یہ کچھ بھی ممکن بھی ہو سکتا ہے اور میاں آصف کے اس کھیل میں آنے کا مطلب یہی تھا کہ فی الوقت کھٹانہ خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو جائے اور آنے والے وقت کا انتظار کرے۔

وہ رہ رہ کر اس بات پر تلملا رہا تھا کہ اب وہ رضیہ کا بھی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جس نے اس سے ہزاروں روپے لے کر اسے جعلی کیپسول کھلائے تھے۔

''کیا وہ واقعی نامرد ہو گیا ہے؟'' اچانک ہی اس خیال نے اسے پریشان کر کے رکھ دیا۔

وہ نفسیاتی مریض بنتا جا رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے پی اے کو آفس میں طلب کیا اور اپنے پاس بچے ہوئے دو کیپسول اس کے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

''ان کی رپورٹ پی سی ایس آئی آر لیبارٹری سے حاصل کرو ان میں کیا ملایا گیا ہے۔ لیکن خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔'' اس نے پی اے کو مشن سونپا جس کے لیے یہ معمولی کام تھا۔

''مطمئن رہیں سر! رات کو آپ تک رپورٹ پہنچ جائے گی۔'' پی اے نے انکساری سے کہا۔

''اوکے..... آج کوئی ملاقات نہیں ہو گی۔ گاڑی تیار کرواؤ میں الیکشن کمپین پر جا رہا ہوں۔'' اس نے خود کو مصروف رکھنے اور اذیت ناک سوچوں سے جان چھڑانے کا بہانہ تلاش کیا۔

Scanned and Uploaded By Nadeem

''اس کا مطلب ہے میری اور بلقیس کی شادی اور میری بیوی کے قتل کی مشکوک خبر بھی آصف نے ہی لگوائی ہے۔'' اس کے شیطانی دماغ میں اچانک خیال آیا اور اس نے دل ہی دل میں میاں آصف کو گالیوں نے نوازتے ہوئے قسم کھائی کہ وقت آنے پر اس کا یہ قرضہ سود سمیت واپس کرے گا۔

رات دیر گئے تک وہ الیکشن مہم میں مصروف رہا اور گھر پہنچا تو چنی میراثن اس کی منتظر تھی۔

''خیر تو ہے ناں.....'' اس نے چنی کو دیکھتے ہی دو تین زبردست گالیاں دے کر اس کی کمر پر حسب عادت چپت رسید کردی۔

''چوہدری صاحب کیا بتاؤں میرا تو دل ڈرتا ہے۔ کام بگڑا ہوا ہے۔'' چنی میراثن خاصی سیریس دکھائی دے رہی تھی۔

''اوئے کیا قیامت آ گئی اب.....'' اس نے پھر مغلظات کا طوفان اگلا۔

''مجھے چوہدری صاحب کل رات کو لالہ جی نے بلایا تھا۔'' اس نے کہا تو کھٹانہ کے کان کھڑے ہو گئے۔ ''لالہ'' اس کے امریکہ سے آئے سالے کا نام تھا جو امریکہ جانے سے پہلے بستی کا بدمعاش اور قتل کے کئی مقدمات میں اشتہاری تھا۔

''کیوں.....؟'' اس نے غصے سے پوچھا۔

''وہ جی ان کو کوئی شک ہو گیا ہے۔ مولا جانے کس نے انہیں ورغلایا ہے چوہدری صاحب..... وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ جب بیگم صاحبہ کو دورہ پڑا میں کہاں تھی۔''

''پھر..... پھر تم نے کیا جواب دیا۔'' اس نے چنی میراثن کی بات کاٹ کر بے چینی سے پوچھا۔

''میں نے چوہدری صاحب کہہ دیا کہ میں رسوئی میں تھی۔ بیگم صاحبہ کمرے میں اکیلی تھیں۔ انہوں نے بڑی سختی کی جی۔ مجھے دو تین تھپڑ بھی مارے ہیں ڈرایا دھمکایا ہے کہ سچ سچ بتا دوں..... لیکن میں اپنے بیان پر قائم ہوں۔ بڑی مشکل سے جان چھوٹی ہے..... چوہدری جی مجھے تو شک ہو رہا ہے کہیں انہیں پتہ نہ چل جائے۔ میرا تو دل ڈر رہا ہے۔ صبح ان کا بندہ آیا تھا۔ مجھے ڈیرے پر طلب کیا ہے..... آپ وہاں ہیں نہیں چوہدری جی..... کہیں مجھ غریب کو مار ہی نہ ڈالیں..... سنا ہے ڈیرے پر انہوں نے میرے لیے پلس بھی بلائی ہوئی ہے.....'' اس کی آخری بات نے تو کھٹانہ کے پاؤں تلے زمین نکال دی۔

''اب یہ نیا عذاب کہاں سے آ گیا.....'' اس نے دل ہی دل میں پھر میاں آصف کو گالیاں دیں۔ جس نے اس کے خیال میں اخبار میں خبر لگوائی تھی کہ کھٹانہ کی بیوی کی موت مشکوک ہے اور یہ اخبار کہیں لالہ کے ہاتھ نہ لگ گیا ہو.....

''تم یہاں کیسے آ گئی ہو.....'' اس نے غصے سے چنی میراثن کو گالیاں دیتے ہوئے کہا۔

''اس طرح تو اس کا شک یقین میں بدل جائے گا.....''

''چوہدری جی میں گھر بیاں پاک دامن'' پر سلام کا بہانہ کر کے نکلی ہوں۔ پسنجر ٹرین سے لاہور آئی ہوں اور سلام کر کے سیدھی یہاں آ گئی ہوں..... اس نے اپنی دانست میں صفائی پیش کی لیکن کھٹانہ کا ماتھا گرم ہو گیا۔

''خانہ خراب کی بیٹی کسی کو علم ہو گیا کہ تو یہاں ہے تو.....'' اس نے مغلظات بکتے ہوئے بے چاری میراثن کو زوردار تھپڑ بھی مار دیا۔

چنی میراثن حیرت غصے اور غم کے ملے جلے جذبات سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ اس شخص نے اسے لڑکپن اور جوانی میں اپنی جنسی غلام بنا کر رکھا۔ دنیا کی ہر حرام کاری اس سے کرتا رہا..... اپنی بیوی کے قتل میں اسے حصہ دار بنایا اور اب وقت آنے پر اس کے ساتھ یہ سلوک کر رہا ہے۔ چنی میراثن نے دل میں مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ وہ ''لالے'' کو سب کچھ سچ سچ بتا دے گی۔ اس سے کہہ دے گی کہ وہ ڈر کے مارے کھٹانہ کے سامنے کچھ نہیں کہہ سکی..... اس کے بعد جو ہوتا ہے ہوتا رہے..... کم از کم یہ ضرور ہو گا کہ کھٹانہ اور اس کے سالے میں مستقل دشمنی ہو جائے گی اور اس کا کلیجہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اچانک ہی اس کے دل میں کھٹانہ کے لیے بے پناہ نفرت اور غصہ در آیا تھا۔ لیکن وہ یہاں اس کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔ یہ تو اپنی موت کو دعوت دینے والی بات ہوتی۔

بے چاری میراثن کو اس بات کا اندازہ کہاں ہو سکتا تھا کہ اس کے سامنے جو شیطان اس کے مالک کے روپ میں کھڑا ہے۔ جس کے آباؤ اجداد کی خدمت وہ کئی نسلوں سے کرتے آ رہے تھے۔ اس ''خدمت'' میں اپنی عزت کی قربانی معمول کی بات تھی۔ آج وہ مالک اس کی جان کو آ گیا ہے۔ کھٹانہ کو اندازہ ہو گیا تھا کہ چنی میراثن اگر زندہ گاؤں واپس پہنچ گئی تو لالہ اس کی زبان سے بہر حال سچ نکلوا لے گا۔ جس کا مطلب تھا لالہ اور کھٹانہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت اور اس کے بعد نسل در نسل انتقام کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ۔ جو کھٹانہ خاندان برداشت نہیں کر سکتا تھا۔

کیوں نہ وہ دونوں خاندانوں کے درمیان وجہ نزاع بننے والی اس میراثن کو ہی مار ڈالے۔ جس طرح اس نے اپنی بیوی کو مارا تھا۔ یہ بھی اس کی مرحومہ بیوی کی طرح اس کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ سوچ کر وہ دل ہی دل میں مسکرا دیا۔

''تیرے آنے کا کسی کو شک تو نہیں ہوا ناں.....''

اس نے دوبارہ تسلی چاہی۔

''نہیں چوہدری صاحب مولا کی قسم ہے کسی کو نہیں پتا میں نے کہ آپ کی کوٹھی پر جا رہی ہوں.....'' چنی نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے۔ دیکھ چنی تیرا میرا پرانا یارانہ ہے۔ برے بھلے وقت میں تو نے میری جی جان سے خدمت کی ہے۔ تو جانتی ہے ہمیں غصہ تو آتا ہی ہے لیکن تو بے فکر ہو جا..... میں لالہ کو تیری ہوا بھی نہیں لگنے دوں گا..... ابھی تیرا گاؤں واپس جانا یا میرے یہاں رہنا ٹھیک نہیں۔ میں تجھے دو چار روز اپنے ایک دوست کے ڈیرے پر رکھوں گا۔ اس دوران لالہ یا تو خود ہی امریکہ واپس بھاگ جائے گا یا پھر میں پولیس کے ذریعے اس کے دو تین پرانے کیس کھلوا کر اسے بھگا دوں گا۔ اس کے بعد تجھے حویلی لے جائیں گے۔ میں خود کہہ دوں گا تجھے شہر کوٹھی پر رکھا ہوا تھا..... سمجھ گئی ناں.....'' اس نے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

چنی میراثن نے سمجھ لیا کہ برا وقت آ گیا۔ وہ اس خاندان سے بخوبی آشنا تھی۔ یہ لوگ اپنے جرم کا نشان مٹانے کے لیے کسی کو قتل کر دینا معمول کی بات سمجھتے تھے۔ وہ سمجھ گئی کہ اب کھٹانہ اسے بھی مروا دے گا لیکن اس وقت وہ جس بری طرح کڑکی میں پھنسی ہوئی تھی وہاں سے حکمت اور دانشمندی سے ہی نکلا جا سکتا تھا۔

''ٹھیک ہے چوہدری صاحب جیسے آپ کا حکم۔ میں تو آپ کی نوکر ہوں۔'' اس نے اپنی دانست میں کھٹانہ کو رام کرنے کی کوشش کی۔

''چل کچھ کھا پی لے۔'' کھٹانہ نے اپنا لہجہ نارمل کیا تو چنی میراثن کو خوش فہمی پیدا ہو گئی کہ شاید اس کی جان بچ جائے۔

اس نے کھٹانہ کو مائل کرنے کے لیے اپنے جسم کے

Scanned By Nadeem

مخصوص حصوں کو بھی بے غیرتی سے بار بار ہلایا۔ کھٹانہ بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا اچانک ہی اسے خیال آیا کہ اسے بلقیس نے بار بار نامرد ہونے کا طعنہ دیا۔ کیوں ناں وہ چنی میراثن کو ٹھکانے لگانے سے پہلے اپنی مردانگی کا امتحان بھی لے لے۔ یہ تو اس کے گھڑے کی مچھلی تھی۔ یہ شیطانی سوچ غالب آتے ہی اس نے چنی میراثن کو اپنی جانب کھینچا اور اپنے کمرے میں لے آیا۔

کوٹھی کے اس حصے میں اس کے ایک خاص ملازم کے علاوہ کسی کو اس کی موجودگی میں جانے کی اجازت نہیں تھی اور اس بات کا بھی اسے اطمینان تھا کہ اگر یہاں تک چنی کے پہنچنے کا کسی کو علم نہیں ہوا تو یہاں موجودگی کا بھی کسی کو بھی علم نہیں ہوگا۔ اس گھر میں موجود تمام ملازمین دراصل اس کے پروردہ غنڈے تھے جن کو ''رازداری'' کا شدت سے احساس ہوتا تھا۔ یہاں کام کرنے والی دو تین عورتیں بھی ان ہی غنڈوں بدمعاشوں نے بھرتی کی ہوئی تھیں جو اکثر جرائم پیشہ ہوتی تھیں۔

کھٹانہ کے لیے چنی میراثن کی حیثیت پاؤں کی جوتی جتنی بھی نہیں تھی وہ لڑکپن سے اس کے ساتھ منہ کالا کرتا آ رہا تھا۔ لیکن آج جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ بلقیس نے اسے صحیح طعنہ دیا تھا یہ احساس اتنا ذلت آمیز تھا کہ غصے سے اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ اس نے سارا غصہ چنی میراثن پر نکالنا شروع کر دیا اور اس کے جسم کو کتوں کی طرح کاٹنے لگا۔ بے چاری چنی کے ساتھ پہلی مرتبہ تو یہ کچھ ہو نہیں رہا تھا۔ اب تو وہ یوں بھی بہت مجبور تھی خاموشی سے سارے ستم سہتی رہی۔

ہانپتے ہوئے کھٹانہ نے اپنے لیے سرہانے دھری شراب کی بوتل سے پیگ تیار کیا اور ایک ہی سانس میں اسے حلق میں انڈیلتے ہوئے کال بیل کا بٹن دبایا۔

دوسرے ہی لمحے ایک نوجوان جو شکل سے ہی چھٹا ہوا غنڈہ دکھائی دے رہا تھا اندر آ گیا۔

''اسے کھانا کھلاؤ اور آج رات ہی حفاظت سے ڈیرے پر لے جاؤ..... خبردار یہ ہماری خاندانی ملازمہ ہے اس کا بہت خیال رکھنا ہے۔ وہاں بھی کہہ دینا اس کی ٹہل سیوا میں کوئی کمی نہیں آنی چاہیے ..... سمجھ گئے ناں.....'' اس نے آنے والے غنڈے سے کہا جس نے مسکراتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا اور بے بس چنی جسے چند منٹ پہلے تک وہ کتوں کی طرح بھنبھوڑ رہا تھا اس کے ساتھ چل دی۔ روانگی سے پہلے کھٹانہ نے چنی میراثن کو کچھ کرنسی نوٹ بھی تھما دیے تھے تاکہ وہ بالکل مطمئن ہو جائے.....

چنی میراثن بے چاری قدرے مطمئن بھی ہوگئی تھی۔ روانگی سے پہلے کھٹانہ نے اسے جس جسمانی اور ذہنی اذیت کا نشانہ بنایا تھا اس کے بعد وہ بھی اس خوش فہمی کا شکار ہوگئی تھی کیونکہ یہاں اسے بڑے باعزت طریقے سے نئے کپڑے پہنا کر آرام دہ کار میں کہیں لے جایا جا رہا تھا۔ اس سفر کا اختتام قریباً تین گھنٹے بعد اس انتہائی ویران آباد علاقے میں ہوا جہاں دور دور تک سوائے اس ڈیرے کے اور کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ جہاں اسے لے جایا جا رہا تھا۔ گاڑی سے باہر نکلتے ہی چنی میراثن کی شکل جس چہرے پر پڑی وہ اتنا بھیانک تھا کہ خوف سے اس کی آدھی جان تو وہیں نکل گئی۔

تیسرے روز چنی میراثن کی لاش ایک اجاڑ علاقے سے ملی۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس گمنام لاش کے ساتھ مرنے سے پہلے جنسی درندگی کا مظاہرہ کیا گیا تھا۔ تین چار روز تک لاش مقامی ہسپتال کے سرد خانے میں پڑی رہی بعد میں اس ''مظلوم عورت'' کو گمنام لاش کے طور پر دفنا دیا گیا۔

☆☆☆

میاں چنوں بطور خاص کاٹھا صاحب سے ان کے گھر پر ملنے آیا تھا لیکن اس ملاقات نے اسے سمجھا دیا کہ وہ گہری سازش کا نشانہ بن گیا ہے اور شاید اگلی مرتبہ اسے وزارت اعلیٰ کی پینگ پر بیٹھنا نصیب نہ ہو۔ جب کاٹھ صاحب نے اسے بتایا کہ انہیں میاں چنوں کے کسی بدخواہ نے اس کی غیر ملکی نیشنلٹی کے دستاویزی ثبوت بذریعہ ڈاک روانہ کیے ہیں جن کی کاٹھا صاحب نے تصدیق بھی کروالی ہے۔

''میاں صاحب اگر آپ نے نیشنلٹی لے لی ہے تو الیکشن نہ لڑیں۔ آئین اس کی اجازت نہیں دیتا بعد میں بھی تو یہ مسئلہ کھڑا ہوگا.....'' کاٹھا صاحب نے اس کے کلیجہ میں خنجر مارا۔

''کاٹھا صاحب..... اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ جانتے ہیں یہاں اب کیا رہ گیا ہے آدھے سے زیادہ منسٹر اور اسمبلی ممبران یا تو خود ڈبل نیشنلٹی رکھتے ہیں یا پھر ان کے خاندان۔ کون پوچھتا ہے یہاں کسی کو.....'' میاں چنوں نے ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کی۔

''میاں صاحب وہ تو ٹھیک ہے لیکن ان کے خلاف بھی اگر ثبوت سامنے لائے گئے تو ان کی چھٹی ہو جائے گی۔ جرم پر پردہ پڑا رہے تو ہی بندہ محفوظ رہتا ہے جب سامنے آ جائے تو پھر آپ جانتے ہی ہیں.....'' کاٹھا نے اسے کچوکا دیا۔

''کاٹھا صاحب یہ تو زیادتی ہے۔ آپ ہمارے دوست ہیں اور مجھے لگتا ہے مخالفین نے آپ کو ورغلا دیا ہے۔'' کاٹھا نے گلہ کیا۔

''کاٹھا صاحب میں اب بھی آپ کو ایک دوست کی حیثیت سے مشورہ دے رہا ہوں کہ الیکشن سے دستبردار ہو کر پارٹی کی قیادت سنبھال لیں آپ کی عزت بھی رہ جائے گی اور بھرم بھی قائم رہے گا۔ بصورت دیگر ہم دونوں سے جائیں گے۔'' کاٹھا کا لہجہ سفاک ہو رہا تھا۔

''کمال ہے کاٹھا صاحب! آپ بھی..... میرا مطلب ہے.....'' میاں چنوں کو اپنا مطلب واضح کرنے کے لیے مناسب الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

''میاں صاحب آپ کو صورتحال کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے..... اپوزیشن کو تو موقعہ چاہیے یہ کوئی معمولی بات نہیں آپ صوبے کے چیف منسٹر ہیں اور آپ کی کابینہ کے کارنامے بھی آپ کے علم میں ہیں۔ خدا کا شکر کریں کہ آپ کو ہم جیسے دوست میسر ہیں ورنہ تو یہ قوم ایک لمحہ کے لیے آپ کا وجود برداشت نہ کرے۔'' کاٹھا صاحب نے بات بڑھائی اور میاں چنوں آپے سے باہر ہوگیا۔

''کاٹھا صاحب! آپ کا بھی خدا واسطے کا تعاون نہیں ہے۔ اگر ہم نے کرپشن کی ہے تو خیر سے آپ نے بھی ہر کرپشن میں اپنا بھرپور وصول کیا ہے۔ صرف اشتہارات کا کوٹہ ہی دیکھ لیں تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا..... آپ بڑے آزادی صحافت کے علمبردار بنے ہوئے ہیں میری زبان نہ کھلوائیں۔ آپ کی وجہ سے ہم نے ملک کے بڑے بڑے میڈیا گروپوں سے دشمنی لی ہے۔ آپ نے ان لوگوں کے جائز کاغذ کے کوٹے کینسل کروائے ہیں۔ ان کے اشتہارات بند کروائے ہیں۔ آپ نے ساری زندگی ایک ہی کوشش کی ہے کہ اپنے علاوہ اور کسی کو زندہ رہنے کا حق ہی نہ دیں تاکہ جب آپ کا جی چاہے آپ ہمیں بلیک میل کر کے اپنا الو سیدھا رکھیں۔ کاٹھ صاحب! اگر آپ میرا ماضی جانتے ہیں تو میں بھی آپ کی اوقات جانتا ہوں..... اور یاد رکھنا میں آپ کے دفتر کا ملازم نہیں ہوں کہ جسے جب جی چاہا کان سے پکڑ کر نوکری سے باہر نکال دیا۔ میرے خلاف

Scanned & Uploaded By Muhammad Nadeem

ضرور لکھنا پھر دیکھنا میں کیا کرتا ہوں..... میں تو الیکشن سے دستبردار ہو رہا ہوں لیکن آپ کو ننگا کر کے جاؤں گا.....'' یہ کہہ کر وہ غصے سے اٹھا اور بکے بکے کاٹھا صاحب کو چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

کاٹھا صاحب کا غصے سے بلڈ پریشر بڑھنے لگا تھا۔ انہوں نے فوراً دو گولیاں پانی کے ساتھ حلق میں اتاریں خود کو نارمل کیا اور دوسرے ہی لمحے فون پر کھٹانہ کو گھر اہم میٹنگ کے لیے بلا لیا۔

آج تک کھٹانہ کو کاٹھا صاحب کی ایمرجنسی کال موصول نہیں ہوئی تھی۔ وہ تو اتنا متکبر آدمی تھا کہ فون ہی بڑے تکلف اور نخرے سے سنا کرتا تھا۔ آج یہ کیا مصیبت آ گئی؟ کھٹانہ کے شاطر ذہن نے فوراً اسے متوجہ کیا۔

اگلے پندرہ بیس منٹ بعد وہ کاٹھا صاحب کی کوٹھی پر موجود تھا۔ جہاں دروازے پر لنگڑا اس کے استقبال کے لیے پہلے سے کھڑا تھا۔ جس نے اپنی روایت کے مطابق بار بار دربار یوں کی طرح کورنش بجالاتے ہوئے اسے پریشان حال کاٹھا صاحب کے کمرے تک پہنچا دیا۔

کاٹھا صاحب کے چہرے پر برستی لعنت نے کھٹانہ کو یقین دلا دیا تھا کہ شاید زندگی میں پہلی مرتبہ اونٹ پہاڑ کے نیچے آ گیا ہے۔

''خیریت تو ہے ناں کاٹھا صاحب.....'' سلام دعا کے بعد اس نے سامنے سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔

''اوہ جی خیریت کیا خاک ہوگی۔ خدا جانے اس بڈھے کھوسٹ کا دماغ کیسے اتنا خراب ہو گیا۔ میرے پاس میاں چنوں آیا تھا۔ میں نے اسے صاف کہہ دیا کہ اس کی غیر ملکی شہریت کا کیس کسی بھی وقت سامنے آنے سے پارٹی کا دھڑن تختہ ہو جائے گا۔ اس مرتبہ الیکشن نہ لڑے لیکن وہ تو الٹا بدتمیزی پر اتر آیا.....'' کاٹھا صاحب نے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''اوہ جی ہمارے ہوتے کسی کی کیا مجال ہے کہ آپ کی طرف میلی آنکھ سے دیکھے۔ کاٹھا صاحب آپ اس ملک کے غریبوں اور کمزوروں کی واحد آواز ہیں آپ کے دم سے ہمارا دم ہے سرکار۔ مجھے بتائیں اس نے کیا کہا ہے۔'' کھٹانہ کے دل میں خوشی کے لڈو پھوٹ رہے تھے وہ جانتا تھا کہ میاں چنوں ہی ایسا شخص ہے جو اس موذی کا منہ بند کر سکتا تھا۔ ورنہ تو اس کے آگے بڑے بڑوں کی بولتی بند ہو جایا کرتی تھی۔ میاں چنوں بہر حال خاندانی زمیندار تھا۔ اس کے باپ دادا نے واقعی پاکستان کے قیام میں بہت قربانیاں دی تھیں جب پنجاب کا ہر دوسرا زمیندار گھرانہ یونینسٹ پارٹی میں بیٹھ کر کانگریس کی حمایت کر رہا تھا۔ ان دنوں میں اس کے باپ دادا نے مسلم لیگ کا پرچم تھاما اور اس کا خمیازہ بھی بھگتنا تھا یہ تو میاں چنوں تھا جو بڑے بڑے پیروں کی اولادوں کی طرح اپنے والد کی کمائی پر عیش کر رہا تھا۔

دراصل یہ سب وہ لوگ تھے جو اپنے بزرگوں کے احسانات کا بدلہ اب پاکستانی عوام سے لے رہے تھے چونکہ ان کے آباؤ اجداد نے پاکستان کے قیام کے لیے قربانیاں دی تھیں۔ اس لیے وہ خود کو پاکستان کے ''مامے'' سمجھتے اور اسے حلوائی کی دکان بنا کر نانا جی کی فاتحہ پڑھ رہے تھے۔ میاں چنوں کا سیدھا اصول تھا وہ مل بانٹ کر کھانے کی پالیسی پر عمل پیرا تھا۔ اس نے کاٹھا صاحب کو کبھی اس لوٹ مار سے نہیں روکا تھا اس کے کہنے پر اس کے مخالف میڈیا گروپس کا پنجاب کی حد تک ناطقہ بند کر کے رکھا ہوا تھا یہ تو اس نے کبھی سوچا ہی نہیں ہوگا کہ کھٹانہ نے کاٹھا صاحب کو کیسا لالچ دے کر اس کے خلاف کر دیا ہے۔

☆☆☆

''دیکھئے کھٹانہ صاحب سیدھی بات ہے میں نے یہ

انتہائی قدم آپ کے کہنے پر اور آپ کے تعاون سے اٹھایا ہے۔ اس معاملے کو بھی آپ نے کنٹرول کرنا ہے تب ہی آپ کا اور ہمارا ساتھ رہے گا ورنہ ہمارے لیے بہت دروازے کھلے ہیں سنٹرل گورنمنٹ کی طرف سے ہر آفر موجود ہے..... انہوں نے بدتمیزی کی حد تک سخت زبان استعمال کی ہے جو ناقابل معافی ہے.....'' کاٹھا اپنے غصے کا اظہار کرنے لگا۔

کھٹانہ نے بھی کچی گولیاں نہیں کھیلی تھیں وہ جان گیا کہ میاں چنوں نے کوئی زیادہ ہی سخت ٹیکہ لگا دیا ہے جس پر کاٹھا چیخ پا ہو رہا ہے۔ گو کہ یہ اس کے لیے آئیڈیل صورتحال تھی لیکن وہ معاملے کو اتنی ہائپ Hipe نہیں دے سکتا تھا۔ کاٹھا بے اعتبار بندہ تھا۔ اس کی زندگی کا مقصد دولت اور اقتدار کا حصول تھا اور کچھ نہیں۔ عین ممکن تھا کہ وہ مرکزی حکومت سے ہاتھ ملا کر ان سب کا دھڑن تختہ ہی نہ کر دے۔ اس کے لیے لوٹا بن جانا معمولی بات تھی لیکن ایک مرتبہ اقتدار کے ایوانوں سے نکلنے کے بعد پھر کھٹانہ کے لیے سوائے خودکشی یا جیل کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچتا تھا۔ وہ حال ہی میں جن حادثات سے پے در پے دوچار ہوا تھا اس کے بعد کھٹانہ کا زندہ بچ جانا ہی صرف اور صرف اس کو حاصل اقتدار کے مرہون منت تھا۔ اس نے تو ابھی میاں آصف کا قرض سود سمیت چکانا تھا اس ملزم کو ٹھکانے لگاتا تھا جس نے اخبار میں اس کی اور بلقیس کی شادی اور پھر اس کی بیوی کی مشکوک موت کی خبر دے کر اس کی زندگی جہنم بنا دی تھی۔ اس مرحلے پر اس کا اقتدار میں آنا اور کاٹھا کی مدد حاصل رہنا ناگزیر تھا۔

''کاٹھا صاحب آپ جانتے ہیں میاں صاحب بلڈ پریشر کے مریض ہیں۔ وہ کبھی کبھی بالکل آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ آپ مطمئن رہیں سرکار ہمارے ہوتے انشاء اللہ کچھ بھی آپ کی مرضی کے خلاف نہیں ہوگا۔ میں میاں صاحب کو راضی کر لوں گا۔ کاٹھا صاحب آپ تو جانتے ہیں الیکشن جوں جوں نزدیک آ رہا ہے۔ ان پر بہت پریشر بڑھ رہا ہے۔'' اس نے کاٹھا کو ٹھنڈا کرنے کی کوششیں شروع کیں اور اپنی لچھے دار گفتگو کے ذریعے جس کا وہ ماسٹر سمجھا جاتا تھا۔ مطمئن کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

کاٹھا صاحب کوئی ایسا غیرت مند اور خاندانی بندہ تو تھا نہیں کہ اس بات کو زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتا۔ اسے اپنی اوقات کا بہر حال علم تھا۔ اس بات میں کیا شک تھا کہ اس کے والد صاحب دیگیں پکانے کا کام کرتے تھے اور ان کی پرورش دربار شریف سے آنے والے سجدارے پر ہی ہوئی تھی۔ اپنے ''بھائی جان'' کے کارنامے بھی اس سے کچھ ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ آخر انہوں نے ہی اس کی تربیت کی تھی اور اسے یہاں تک پہنچایا تھا۔ اس کی کامیابی کا راز بھی یہی تھا کہ اس نے آج تک اپنے مرحوم بھائی کی پالیسی نہیں بدلی تھی۔ اس کا بھائی اسے اکثر پنجاب کی ایک کہاوت سنایا کرتا تھا کہ ''وچوں وچوں کھائی جا..... اتوں رولا پائی جا'' یعنی اندر کھاتے خاموشی سے سب کچھ ڈکارتے رہو لیکن زبان سے مسلسل اس سے خلاف بکواس جاری رکھو۔ انہوں نے آج تک جو کچھ کھایا وہ اس پالیسی پر عمل پیرا ہو کر کمایا تھا۔ اس کے مرحوم بھائی نے ایک روز اسے کہا تھا اس صوبے کے سارے سیاستدانوں کی کرپشن سے بھی اتنی بڑی ایمپائر کھڑی نہیں ہو سکتی جو ہم نے کھڑی کر لی ہے اور کوئی ہماری طرف انگلی نہیں اٹھا سکتا کیونکہ ہم ان سب سے زیادہ کرپٹ اور چالاک ہیں..... وہ اکثر کرپٹ سیاستدانوں کا تمسخر اڑایا کرتا تھا کہ بدنام وہ ہو رہے ہیں اور مال ہم کما رہے ہیں۔

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

کھٹانہ یہاں سے نکل کر سیدھا میاں چنوں کی طرف گیا تھا جو گھر میں آرام کر رہا تھا شاید ابھی تک اس کا غصہ ختم نہیں ہوا تھا۔

''کیا حال ہے میاں صاحب! خیریت تو ہے ناں سر جی! میں تو اچانک ہی کاٹھے کی طرف گیا تھا۔ کیا کہہ دیا آپ نے اسے۔ بے چارے کی ہوا نکلی ہوئی ہے۔''

اس نے میاں چنوں کے کچھ کہنے سے پہلے ہی اس کی انا کے غبارے میں ٹھیک ٹھاک ہوا بھر دی۔

''او جی! اس نے خود کو سمجھ کیا رکھا ہے۔ ہماری بلی اور ہم ہی کو میاؤں..... دماغ خراب کر دیا میرا..... کہتا ہے الیکشن نہ لڑوں..... توں ماما لگتا ہے کہ تیرا حکم مان کر چلیں ہم.....'' میاں چنوں اکڑ گیا۔

''بالکل بجا فرمایا سر جی۔ اس بلیک میلر نے تو ہمیں الو بنا رکھا ہے۔ لیکن ابھی آپ کے جانثار اتنے بھی گئے گزرے نہیں کہ ایسے گھٹیا قسم کے بزعم خویش صحافت کے ماموں کو بدتمیزی کرنے دیں۔ میں تو ابھی یہ ٹنٹا ختم کر دیتا میاں صاحب لیکن الیکشن سر پر ہے..... اور اب اس موذی کے ہاتھ آپ کا کیس بھی لگ گیا ہے۔ اس لیے ذرا حکمت سے چلنا ہوگا۔'' اس نے میاں چنوں کو ٹھنڈا کرنا چاہا۔

''ناں کیا کر لے گا وہ..... اس کی اوقات کیا ہے..... میں جانتا ہوں۔ اس کے بھائی کو بھی اور باپ کو بھی۔'' میاں چنوں ابھی تک گرمی دکھا رہا تھا۔

''سر جی! سارا پاکستان جانتا ہے لیکن وقت کی نزاکت کو سمجھنا بھی ضروری ہے ناں اگر اس کمبخت نے آپ کا معاملہ چھیڑ دیا تو الیکشن گیا ہاتھ سے..... اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ ہم یہ الیکشن ہار گئے تو سیدھے جیل جائیں گے۔'' یہ کہہ کر اس نے تین چار بڑے بڑے کرپشن سکینڈل میاں چنوں کو گنوا دیے جس میں وہ پچاس فیصد کا پارٹنر تھا..... میاں چنوں کچھ ڈھیلا پڑ گیا فی الوقت وہ یہی چاہتا تھا۔ الیکشن کے نتائج آنے تک اسے ''سٹیٹس کو'' برقرار رکھنا تھا اس کے بعد اس نے کاٹھا کو سیڑھی بنا کر چیف منسٹری تک جانا تھا جو اب اس کے لیے زندگی موت کا کھیل بن رہی تھی۔

''ٹھیک ہے یار جیسے تم چاہو کر لو..... لیکن یاد رکھنا اگر اس نے میرے متعلق ایک لفظ بھی شائع کیا تو میں سب کچھ قربان کر دوں گا۔ لیکن اسے نہیں چھوڑوں گا۔'' میاں چنوں نے بالآخر ہتھیار ڈال ہی دیے۔ اس نے جان بوجھ کر میاں چنوں کے ساتھ رات تک کا وقت گزارا تھا اس اثناء میں اس نے میاں چنوں کو رام کر لیا اور اب کاٹھا صاحب کے گھر کی طرف جا رہا تھا۔

کاٹھا صاحب نے اس سے خاصا نخرہ دکھا کر ملاقات کی تھی لیکن چرب زبان اور مکار کھٹانہ نے اسے جلد ہی شیشے میں اتار لیا اس نے جن خدشات کی دھمکیاں دے کر میاں چنوں کو قابو کیا تھا اسی نوعیت کی دھمکیاں دبے چھپے لفظوں میں اسے بھی دے دی تھیں۔

''کاٹھا صاحب! آپ تو ان کے آباؤ اجداد کو جانتے ہیں۔ یہ پاگلوں کا خاندان ہے۔ وہ پریس کانفرنس کے ذریعے الیکشن سے دستبرداری کا اعلان کرنے جا رہا تھا۔ جس کے بعد ہمارے ہاتھ میں اس کے خلاف کوئی کارڈ باقی نہ بچتا۔ سر جی! وہ ہیرو بن کر پارٹی چیف بن جائے گا اور یہاں اس کی مرضی کی کیبنٹ بنے گی..... ہم تو مارے گئے ناں..... آپ الیکشن کے نتائج تک کچھ نہ کریں جس کے بعد ہی اس کا مکو ٹھپیں گے۔ ابھی ہم اپنے کارڈ کیوں شو کریں کاٹھا صاحب..... سر جی! سیاست میں ٹائمنگ کی بہت اہمیت ہے اللہ بخشے ابا جی مرحوم کہا کرتے تھے کہ گڑ سے مرنے والے دشمن کو زہر دینا احمقوں کا کام ہے۔ سر جی! توپ

کے گولے سے مکھی مارنا کہاں کی عقل مندی ہے..... آپ براہ کرم ابھی معاملات کو جوں کا توں چلنے دیں جس روز الیکشن کے نتائج آئیں گے اس کے اگلے روز سے ہمارا کام شروع.....'' اس نے بڑی مکاری سے کاٹھا کے کانوں میں لالچ کا رس گھولا۔

''ٹھیک ہے کھٹانہ صاحب! لیکن میں اس شخص کو معاف نہیں کروں گا۔ اس نے میری بے عزتی کرنے کی کوشش کی ہے.....'' کاٹھا ابھی تک ہوا کے گھوڑے پر سوار تھا۔

''بالکل نہ کریں سر جی! ہمارا تو مشن ہی اس سے نجات حاصل کر کے آپ کی مشاورت سے حکومت بنانا اور چلانا اور کھل کھلا کر آپ کی خدمت کرنا ہے۔ سر جی! اس شہر میں ابھی ہزاروں کنال جگہ خالی پڑی ہے۔ وہ غنڈوں، بدمعاشوں کے ہاتھ لگنے کے بجائے آپ کے ذریعے مستحق اور ضرورت مند لوگوں میں تقسیم کیوں نہ ہو!..... میں نے آپ سے عرض کیا تھا کہ چیف منسٹر بنتے ہی میں فوراً ایک کمیٹی آپ کی سربراہی میں قائم کروں گا جس کا کام حکومتی زمینوں کو مافیا سے واپس لے کر مستحق افراد میں تقسیم کرنا ہوگا.....''

اس نے آخری حملہ تو ایسا جاندار کیا تھا کہ کاٹھا کی رال باقاعدہ ٹپکنے لگی اس نے ٹشو پیپر سے اپنا منہ صاف کیا اور مسکرانے لگا۔

''کھٹانہ صاحب ہم تو اچھے کام میں آپ کے ساتھ ہیں۔ مرحوم بھائی جان کی زندگی کھلی کتاب کی طرح آپ کے سامنے ہے وہ تنقید برائے اصلاح کیا کرتے تھے۔ تنقید برائے تنقید کو تو ہم بالکل پسند نہیں کرتے.....'' اس نے گوہر فشانی کی کھٹانہ کا خون کھول اٹھا۔ وہ اس کے ''مرحوم بھائی جان'' کو اچھی طرح جانتا تھا اور اس نے اتفاق سے بھائی جان کی موت کے مناظر بھی دیکھے تھے ان کی لاش دیکھ کر اس جیسے گناہ گار نے بھی کانوں کو ہاتھ لگا لیے تھے۔

''چھا کاٹھا صاحب میں چلوں پارٹی میٹنگز چل رہی ہیں۔'' اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''او کے..... '' کاٹھا نے بڑی نخوت اور تکبر سے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا کھٹانہ اسے دل ہی دل میں گالیاں دیتا باہر آ گیا۔

☆☆☆

ڈرائنگ روم میں ان تینوں کے علاوہ اور کوئی موجود نہیں تھا۔ جب سے رضیہ نے اسے تفصیلاً تمام واقعات سے آگاہ کیا تھا نادرہ بیگم اپنے جذبات پر بلقیس کی طرح قابو نہ رکھ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی جس پر بلقیس اور رضیہ کا بھی دل بھر آیا۔ بالآخر رضیہ نے ہی ہمت کر کے خود کو اور پھر دونوں ماں بیٹی کو نارمل کیا۔

''بیٹی تم نے میری کوکھ سے جنم نہیں لیا لیکن آج کے بعد تم بھی بلقیس کی طرح میری بیٹی ہو۔ اس گھر کے دروازے ہمیشہ تم پر کھلے ہیں۔ زندگی کے کسی بھی مرحلے پر تم جب بھی میری ضرورت محسوس کرو اگر مجھے آواز نہ دو گی تو افسوس ہوگا۔'' نادرہ نے رضیہ کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''بیگم صاحب! یہ آپ کا بڑا پن ہے جو آپ ایسا سوچتی ہیں۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں نے بلقیس بہن کے سہارے اپنی والدہ کی موت کا قرض چکایا ہے۔ اس شخص نے اور اس کے ساتھیوں نے میری ماں اور پھر مجھے ٹشو پیپر کی طرح استعمال کر کے ڈسٹ بن میں پھینک دیا تھا۔ میری ماں کی روح یقیناً سکون میں آ جائے گی جب اسے علم ہوگا کہ ہم نے سانپ کا سر کچل دیا ہے۔'' رضیہ نے کہا۔

''بیٹی وہ وقت بھی جلد انشاء اللہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ

Scanned and Uploaded By Nadeem

نے ان ظالموں کے گرد گرفت سخت کی ہے وہ ہمیں جلدی انشاء اللہ ان سے مکمل نجات بھی دلا دے گا..... اگر صرف کھٹانہ کی بات ہوتی تو کوئی مسئلہ نہیں تھا لیکن بیٹا یہ تو بڑا لمبا سلسلہ ہے۔ ایک لمبی زنجیر ہے جس کی کڑیاں ایک دوسرے سے جڑی ہیں ان میں بیورو کریٹ، سیاستدان، جرنیل، جج، صحافی اور نجانے کون کون ایک دوسرے سے بندھے ہیں..... بیٹی میں نے اپنی ماں کے گھر اپنی مرضی سے جنم نہیں لیا تھا لیکن زندگی کے تلخ تجربات نے بتایا کہ جن لوگوں سے ہمارا واسطہ ہے جو قوم کی ڈولتی کشتی کے زبردستی ملاح بن گئے ہیں وہ تو کنجروں سے بھی بدتر ہیں۔ ہمارے بڑوں کا تو سرمایہ حیات ہی ان کی آبرو ہوتی تھی جسے وہ جنس بنا کر اس کی زیادہ سے زیادہ قیمت وصول کرتے تھے۔ خدا جانے یہ کیسے کنجر ہیں جو کوڑیوں کے مول اپنی اور قوم کی عزت سرعام نیلام کر رہے ہیں اور ہماری لیڈری بھی فرما رہے ہیں۔ زبردستی کے معزز ین بھی بنے ہوئے ہیں اور وی آئی پی بھی..... تف ہے ان پر..... لعنت ہو ان پر اللہ کی.....'' نفرت سے نادرہ بیگم کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

''بیگم صاحبہ میں تو معمولی سی عورت ہوں۔ دس بارہ جماعتیں ہی بمشکل پڑھ سکی لیکن آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں انقلاب کا پہلا پتھر بنوں گی اور یہ انقلاب انشاء اللہ میری زندگی میں نہ سہی اگلی نسل کی زندگیوں میں ضرور آ کر رہے گا.....'' رضیہ خاصی جذباتی ہو رہی تھی۔

''انشاء اللہ.....'' بلقیس نے کہا۔

تینوں کافی دیر تک آپس میں باتیں کرتی رہیں۔ بیگم نادرہ اور رضیہ نے سیاسی پارٹی میں ایکٹو ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا جبکہ بلقیس نے خود کو ووٹر تک محدود کرنے کی ٹھان لی تھی۔

اس نے آصف کو تفصیلاً رضیہ سے متعارف کروا دیا تھا اور اس کے دل میں رضیہ کے لیے نرم گوشہ پیدا کر لیا تھا۔ آصف نے وعدہ کیا تھا کہ وہ بلقیس والا ٹکٹ رضیہ کو دلا دے گا کیونکہ یہ پارٹی اس کے باپ کے چندے پر ہی چلتی ہے اور وہ پارٹی کے بنیادی ممبر نہ ہوتے ہوئے بھی اس کے کئی وزیروں سے زیادہ طاقتور ہیں.....

وہ ایسا نہ بھی کہتا تو بلقیس کو اس کی طاقت کا اندازہ تھا۔ خدا جانے بلقیس نے اس پر کیا منتر پھونکا تھا کہ وہ اس کا گرویدہ ہی ہو کر رہ گیا۔ بلقیس نے اس کی زندگی میں ہلچل مچا دی تھی اور وہ اپنے ہر عمل سے بلقیس کو یقین دلانے پر تلا تھا کہ وہ بلقیس کو دل و جان سے چاہتا ہے اور بلقیس نے اس کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا ہے۔

اس کا ثبوت بلقیس کو اس روز ملا جب ان کے ہاں فون آیا کہ بڑے حاجی صاحب اور ان کی فیملی نادرہ بیگم کے ہاں آ رہی ہے۔

یہ خبر نادرہ بیگم کو چونکانے والی تھی۔ اس کی جہاندیدہ نظروں نے آصف کی آنکھوں میں اپنی بیٹی کے لیے موجود سچی محبت کی جھلک تو دیکھ لی تھی۔ لیکن اس بات کا یقین اسے نہیں تھا کہ ایک روز اس طرح اچانک وہ لوگ اس کی بیٹی کا باقاعدہ رشتہ مانگنے بھی آ جائیں گے.....!

حاجی صاحب ان کی بیگم اور دونوں بیٹیاں اپنے ساتھ تحائف لے کر آئی تھیں انہوں نے بلقیس کی جی بھر کے بلائیں لیں اور اس کے ہاتھ پر گیارہ ہزار روپے رکھ کر اسے اپنی بیٹی بنا لیا..... نادرہ بیگم نے انہیں صاف بتا دیا تھا کہ اس کے ماضی کے حوالے سے سوالات اٹھیں گے اور وہ نہیں چاہتی کہ اس کی بیٹی کے ساتھ کوئی غلط حوالہ چپک جائے۔ جس پر حاجی صاحب نے کہا تھا۔

''نادرہ بیگم یہ صرف تمہاری نہیں۔ ہماری بھی بیٹی بن کر جائے گی۔ سارے شہر کی موجودگی میں بیاہ کر لے جائیں گے اور اب دونوں کی عزت سانجھی ہو گئی ہے اگر

کسی کو اپنی زبان تالو سے الگ کروانے کا شوق ہو تو ضرور ایسی بات کرے گا بصورت دیگر کوئی کچھ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔'' انہوں نے نادرہ بیگم کو ہر طرح کی گارنٹی دینے کی بات کی تھی جو اس نے رد کر دی۔ صرف ایک شرط رکھی کہ وہ اپنی بیٹی کو اپنی ہمت کے مطابق سب کچھ دے گی لیکن حق مہر شرعی لکھا جائے گا اور وہ کوئی ضمانت نہیں لے گی۔

لدھیانے والوں میں سے صرف اماں عنایتی زندہ اور اس کے ساتھ موجود تھی۔ چند روز پہلے ہی حج کر کے لوٹی تھی۔ ہر سال نادرہ بیگم سے ضد کر کے عمرہ کرنے جاتی تھی۔ اس مرتبہ لوٹی تو اس نے نادرہ سے کہا تھا۔

''اس مرتبہ میری دعائیں ضرور رنگ لائیں گی۔ نادرہ میں بلقیس کے بچوں کو گودی میں لیے بغیر مرنے والی نہیں۔ اری تیرے صبر کو سلام۔ دیکھ لینا اللہ تجھے ایسے انعام سے نوازے گا کہ دنیا دنگ رہ جائے گی.....''

اور جب حاجی صاحب کی فیملی ''شگن'' کر کے چلی گئی تو اماں عنایتی نادرہ سے لپٹ گئی۔

''دیکھا میرے مولا نے لاج رکھ لی میری زبان کی۔ نادرہ آج چوہدری صدیق کی روح کیسی سرشار ہو گی..... نادرہ تیرے صبر کو سلام۔ تیرے صبر کو سلام۔ اللہ نے تجھے رنگ لگا دیے میری بیٹی۔ بس یہ دن دیکھنے کے لیے زندہ تھی..... اب چین سے مروں گی۔''

''اماں اللہ تجھے میری زندگی بھی لگا دے۔ تیرے علاوہ میرا اور ہے کون اس دنیا میں۔ لدھیانہ سے میرے ساتھ چلی تھی آج تک میرے کھونٹے سے بندھی ہے۔ سب تیری دعاؤں سے ہوا ہے۔ اپنی بیٹی کو اپنے ہاتھوں وداع کرنا۔ اس کے بچوں کو گودی میں کھلانا..... اور ہاں روز حشر چوہدری صاحب کے سامنے گواہی دینا میں نے ان کی امانت کو جان سے لگا کر رکھا ہے۔'' یہ کہہ کر وہ سسکیاں بھر کے رونے لگی۔ بلقیس حیرت سے کبھی ماں اور کبھی اماں عنایتی کو دیکھ رہی تھی۔ رضیہ کے لیے بھی خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔

اگلے روز علی الصبح جب اس نے ڈرائیور کو پنڈی کے لیے گاڑی تیار کرنے کو کہا تو وہ مسکرا دیا۔ گزشتہ بیس سال سے میر جان اس کے ساتھ تھا اور سال میں تین مرتبہ وہ اماں عنایتی کے ساتھ پنڈی کے اس قبرستان میں جایا کرتی تھی جہاں اس کا خاوند آسودہ خاک تھا.....!! اس مرتبہ وہ لمبا پروگرام لے کر جا رہی تھی۔

''میر جان بیٹی بلقیس بھی ساتھ جا رہی ہے۔ بڑی گاڑی نکالنا۔'' اس نے میر جان سے کہا جس کی اپنی حالت جذباتی ہو رہی تھی۔ وہ بیس سال سے اس عظیم عورت کی قربانیوں کا گواہ تھا کیسے کیسے لوگوں نے اس کو شادی کی پیشکش کی لیکن اس عظیم عورت نے صرف بلقیس کو زندگی کا مقصد بنا لیا.....

بلقیس حیران تھی کہ اس کی ماں آج کہاں لے جا رہی ہے۔ تجسس کا خاتمہ چار ساڑھے چار گھنٹے بعد ہوا جب گاڑی شاہ مراد قبرستان کے سامنے رکی اور وہ بلقیس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ایک قبر پر لے آئی۔ ڈرائیور اور اماں عنایتی عقیدت مند مریدوں کی طرح سر جھکائے دونوں کے پیچھے آ رہے تھے۔

''یہ کون ہیں ماں جی.....؟'' بلقیس سے نہ رہا گیا۔

''یہ تیرے مرحوم باپ کی قبر ہے بیٹی۔'' کہتے ہوئے سب نے ہاتھ اٹھا دیئے چاروں رو رہے تھے جب نادرہ بیگم نے حوصلہ کیا۔

''چوہدری صاحب'' اس نے اونچی آواز سے کہا..... دیکھ لو میں نے اپنا وعدہ نبھایا ہے۔ دل تو چاہا تھا کہ آپ کے ساتھ ہی دفن ہو جاؤں لیکن اس امانت کا کیا کرتی جو میری کوکھ میں آپ نے رکھ دی تھی۔ چوہدری

Scanned & Uploaded By Muhammad Nadeem

صاحب میں نے کوئی کمی نہیں کی۔ کی ہو تو معاف کر دینا..... اللہ مجھے معاف کر دے گا..... جانتے ہو کس سے شادی ہو رہی ہے تمہاری بیٹی کی..... اچھا اس سے پوچھ لو.....'' جذباتی انداز میں اس نے روتی ہوئی بلقیس کا ہاتھ پکڑ کر اسے مخاطب کیا..... ''بیٹی بتا دے اپنے ابو کو سب کچھ بتا دے جو تیرے دل میں ہے سب بتا دے..... آؤ اماں میر جان آؤ ہم باپ بیٹی کو تنہائی میں باتیں کرنے دیں۔'' یہ کہہ کر وہ دونوں کو کچھ فاصلے پر لے کر کھڑی ہو گئی۔

دھاڑیں مارتی بلقیس جانے کب تک باپ کی قبر سے لپٹی رہی پھر میر جان اور اماں عنایتی بے قرار ہو کر آگے بڑھے اور اسے گلے سے لگاتے ماں کے پاس لے آئے۔ بمشکل ماں بیٹی کو انہوں نے گاڑی میں بٹھایا۔ اپنے آنسو بار بار آستین سے پونچھتے میر جان نے گاڑی سٹارٹ کی تو اسے نادرہ بیگم کی آنسوؤں سے رندھی آواز سنائی دی۔

''سیٹلائٹ ٹاؤن چلو.....''

میر جان جواب بہت کچھ سمجھنے لگا تھا نے خاموشی سے سٹیرنگ مخالف سمت میں گھما دی۔ سیٹلائٹ ٹاؤن کی ایک کوٹھی کے سامنے گاڑی رکی۔ حاجی صاحب کے گھر سے آئی مٹھائی کا ٹوکرا نادرہ بیگم اپنے ساتھ لے کر آئی تھی۔ اس نے ٹوکرا میر جان کے سر پر رکھوایا اور خود کال بیل کا بٹن دبا دیا۔ ایک نوجوان باہر آیا اور وہاں شاندار کار اور معزز خواتین کو دیکھ کر باادب ہو گیا۔

''جی.....؟''

''انوری بیگم سے کہو نادرہ باجی ملنے آئی ہے۔'' نادرہ نے نوجوان سے کہا جو چوہدری صدیق کی بہن انوری بیگم کا بیٹا تھا۔ اپنی ماں کا نام ایک بیگم صاحبہ کے منہ سے سن کر وہ چونکا لیکن انہیں اندر آنے کا اشارہ کیا۔

گیٹ بند کر کے اس نے تینوں عورتوں کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور میر جان باہر گاڑی میں بیٹھ گیا۔

انوری بیگم متجسس آنکھوں کے ساتھ اپنی عینک اور دوپٹہ سنبھالتی اندر آئی تو نادرہ بیگم کو سامنے دیکھ کر چونکی۔

''السلام علیکم.....'' نادرہ نے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام.....'' انوری کی حیرت اور بڑھ گئی۔

''نادرہ تم؟'' بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اس نے نادرہ کو بھری جوانی میں دیکھا تھا جب ایک مرتبہ پاکستان آنے کے بعد صدیق نے اسے نادرہ سے ملایا تھا۔ اس گھر میں صرف انوری ہی ایسی شخصیت تھی جسے نادرہ سے کچھ ہمدردی ہو سکتی تھی۔

''ہاں میں..... معافی چاہتی ہوں۔ بغیر اجازت کے آ گئی لیکن بات ایسی تھی کہ رہا نہ گیا'' نادرہ نے یاس زدہ لہجے میں کہا تو انوری کے دل پر گھونسہ لگا۔

''نادرہ باجی خدا کے لیے ہمیں معاف کر دو۔ سب مر گئے۔ صرف میں اور سلیم رہ گئے ہیں۔ لیکن میرا اللہ جانتا ہے باجی نے مرنے سے پہلے تمہیں معاف کر دیا تھا انہیں صرف اس بات کا دکھ تھا کہ بھائی جان نے انہیں لدھیانہ میں کیوں نہیں سچ بتا دیا۔'' انوری کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں انوری بہن! میں تو اب بھی کسی کو زحمت نہ دیتی لیکن کیا کروں۔ یہ تمہاری امانت اب پرائی ہو رہی تھی۔ میں تو یہ راز سینے میں لیے ہی دنیا سے چلی جاتی انوری بہن! لیکن بلقیس روز حشر میرا گریبان پکڑتی۔ تمہارے بھائی جان کو کیا منہ دکھاتی..... یہ ہے چوہدری صاحب کی بیٹی اس نے بلقیس کی طرف اشارہ کیا..... اس سے پوچھ لو۔ کوئی کمی کوتاہی ہوئی ہو تو میں تمہاری گنہگار رہوں.....''

اس سے بلقیس کا ہاتھ پکڑا اور انوری کے پاس لے

گئی سحر زدہ انوری نے بلقیس کی طرف دیکھا تو ''اچھو بھائی جان'' کہتے ہوئے اسے گلے لگا لیا۔ ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں فریم میں جکڑی چوہدری صدیق کی تصویر مسکرا دی۔ دونوں پھوپھی بھانجی بچوں کی طرح روتی رہیں اماں عنایتی نے اٹھ کر انہیں سنبھالنا چاہا تو نادرہ بیگم بولی۔

''ناں اماں ناں..... رو لینے دے..... جانے کب کے دونوں نے آنسو آج کے لیے سنبھال کر رکھے ہیں۔ انہیں کچھ نہ کہہ، کچھ نہ کہہ.....'' آنسو بھری آنکھوں سے اماں عنایتی نے نادرہ کی طرف دیکھا اور دونوں کو تھپکی دے کر الگ کر دیا۔

انوری دیوانہ وار بلقیس کا منہ چوم رہی تھی۔ بلقیس کو ساری بات سمجھ آ گئی تھی وہ کبھی اپنی ماں اور کبھی اماں عنایتی کے گلے لگ کر اپنا کلیجہ ٹھنڈا کر رہی تھی۔

شام تک انوری نے انہیں زبردستی روکے رکھا۔ سلیم کو اس نے فون کر کے تھوڑی دیر بعد ہی فیکٹری سے بلا لیا تھا۔ انہوں نے بلقیس کو زبردستی اپنے ہاں روک لیا اور دو روز بعد لاہور آنے کا وعدہ کیا۔

دو دن میں سلیم اور انوری نے بلقیس کے بائیس سال کی محبت کا قرض چکا دیا۔ وہ بچوں کی طرح اس کی بلائیں لیتے رہے۔ پنڈی کی ہر اہم دکان سے اسے شاپنگ کروائی۔ رات کو انوری نے اسے اپنے ساتھ سلایا۔ بار بار اٹھ کر اسے دیکھتی اور بلائیں لیتی رہی۔ انوری اور سلیم کے شادی شدہ اور کنوارے بچے اپنی بہن اور خالہ کو دیکھ کر خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے۔

تیسرے روز وہ سب اپنی گاڑیوں میں بلقیس اور اس کی شاپنگ سمیت لاہور پہنچ گئے اور شام کو وہ سب جوابی تقریب کے لیے حاجی صاحب کے گھر چلے آئے۔ یہ پنڈی کی معزز فیملی تھی جس نے حاجی کو یقین دلا دیا کہ اس کے بیٹے نے گھاٹے کا سودا نہیں کیا۔ اسی روز بلقیس اور آصف کی باقاعدہ منگنی ہو گئی۔ اگلے ماہ کی دس تاریخ شادی کے لیے طے پائی۔ دم رخصت سلیم اور انوری نے ہاتھ باندھ کر نادرہ بیگم سے ماضی کے سلوک پہ معافی مانگتے ہوئے التجا کی تھی کہ بلقیس کی ڈولی اس کے باپ کے گھر سے اٹھے تو شاید ان کے گناہوں کا کفارہ ادا ہو جائے اور حیرت انگیز طور پر نادرہ نے ان کی بات مان لی۔

☆☆☆

نقشبندی کے لیے زندگی کا شاید یہ منحوس ترین دن تھا۔ مسلسل فون بجنے پر وہ خود ہی ''فریب نظر'' کے آفس چلا آیا تھا اور اب معمول کے مطابق دفتر کی طرف جا رہا تھا جب باہر کھڑے سکیورٹی گارڈ نے اسے روک لیا۔

''کیا بات ہے مولوی صاحب کس سے ملنا ہے۔''

سکیورٹی گارڈ نے جو شاید نیا تھا اس سے پوچھا۔

''تئے بھرتی ہوئے ہو کیا..... جانتے نہیں مجھے..... کس سے ملنا ہے؟'' اس نے غصے سے سکیورٹی گارڈ کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

''حیا کرا وئے مولوی..... تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔'' سکیورٹی گارڈ کو اچانک غصہ آ گیا تھا۔

دونوں میں تو تو میں میں شروع ہو گئی جب اچانک نقشبندی کی نظر لنگڑے پر پڑی جو دفتر کی سیڑھیاں اتر کر اس طرف آ رہا تھا۔

''شرف صاحب..... اشرف صاحب.....'' اس نے لنگڑے کی شکل پر نظر پڑتے ہی چلانا شروع کر دیا۔

لنگڑا اس کے نزدیک گیا اور اس طرح اس کی طرف دیکھا جیسے زندگی میں پہلی مرتبہ اس سے ملا ہو۔ نقشبندی چونکا ضرور لیکن سنبھل گیا۔ اس کے تو وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آئی ہو گی کہ لنگڑے کے نزدیک

Scanned and Uploaded By Muhammad Nadeem

انسانی تعلق کے تمام معیار اس کے مالک کاٹھا صاحب کی مرضی سے مربوط ہیں۔ جس سے کاٹھا صاحب خوش اس سے لنگڑا..... اور جس سے کاٹھا صاحب ناراض لنگڑا اس کی طرف دیکھنے کا تکلف بھی نہیں کرتا تھا۔ خواہ ماضی میں اس نے متعلقہ شخص سے باقاعدہ رشتہ داری ہی کیوں نہ قائم کرلی ہو۔

''ہاں جی..... کیا کھپ ڈالی ہوئی ہے تم لوگوں نے۔'' اس نے جس اجنبی لہجے میں قریباً ڈانٹ کر یہ بات کی تھی اس نے نقشبندی کے توہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے۔

''سر جی! یہ مولوی سمجھ ہی نہیں رہا۔ میں نے پوچھا ہے کس سے ملنا ہے الٹا میرا دماغ چاٹ رہا ہے۔'' سکیورٹی گارڈ نے جیسے پہلے سے پڑھا سکھا کر یہاں کھڑا کیا گیا تھا اس سے شکایت کی۔

''ہاں جی! کیا مسئلہ ہے.....'' لنگڑے نے نقشبندی کی طرف ایسے دیکھا جیسے زندگی میں پہلی مرتبہ اس سے ملا ہو۔

''اشرف صاحب آپ.....؟'' حیرت اور صدمے کی کیفیت میں نقشبندی کے منہ سے پوری بات بھی نہیں نکل رہی تھی۔

''دیکھیں جناب صاحب نے بڑی سختی کی ہوئی ہے۔ بغیر اجازت کسی کو اندر آنے نہیں دیا جاتا..... یہ لوگ مجبور ہیں آپ صاحب سے بات کرلیں۔'' یہ کہہ کر اشرف لنگڑا نقشبندی کو ہکا بکا چھوڑ کر نکل گیا۔

نقشبندی نے دھوپ میں بال سفید نہیں کیے تھے سمجھ گیا کہ وقت کا پہیہ الٹا چل گیا ہے اور اس کے خلاف دشمنوں کی سازش کامیاب رہی ہے۔ اعظم خان نے اس کے ساتھ ہوٹل میں جو سلوک کیا تھا۔ اس کا ضرور یہی پس منظر رہا ہوگا۔ اس نے آخری مرتبہ قسمت آزمائی کے لیے اپنے موبائل سے کاٹھا صاحب کا نمبر ملایا جو ایکس چینج میں ملا اور آپریٹر کی طرف سے معمول کے لہجے میں کہا گیا۔

''صاحب مصروف ہیں کسی سے بات نہیں کر سکتے۔'' نقشبندی نے کان لپیٹ کر یہاں سے نکل جانے ہی میں عافیت جانی۔ وہ بڑا ڈھیٹ اور شرم پروف تھا۔ ایسے حادثات اس کے ساتھ ہوتے رہتے تھے لیکن اس نے ایک در بند تو سو در کھلے کا نعرہ لگاتے ہوئے اپنی واسکٹ کی جیب کو تھپتھپایا اور روزنامہ ''کھن چکر'' کے دفتر کا رخ کیا۔ اہل نظر تازہ بستیاں آباد کرنے جا رہے تھے۔ اپنی خاندانی تربیت، پیدائشی صلاحیتوں اور تین چار لگاتار ''لنچ پارٹیوں'' کے بعد وہ سانپ کی طرح اس بل میں گھس گیا آہستہ آہستہ اس نے یہاں اپنی جگہ بنانا شروع کردی۔

اس حادثے کے پانچویں روز وہ کھٹانہ کے دفتر کے باہر موجود تھا۔ کھٹانہ جو غصے اور انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ ہر ایسے شخص سے ہاتھ ملانے کو تیار تھا جو اس کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کرنے میں اس کا مددگار ہو۔

نقشبندی نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے پوشیدہ دشمن کا کھوج لگا کر رہے گا۔ جس نے اخبارات میں دو خطرناک خبریں اس کے متعلق یکے بعد دیگرے شائع کروائی تھیں۔

''جی نقشبندی صاحب۔'' اس نے نقشبندی کے سلام کے جواب میں صرف اتنا ہی کہنے پر اکتفا کیا.....

''کچھ پتہ چلا''

''کھٹانہ صاحب آپ کا یہ خادم تو زمین کی ساتویں تہہ میں چھپے راز باہر نکال لاتا ہے۔ یہ تو کوئی بات ہی نہیں تھی۔ آپ کا اصلی دشمن مل گیا ہے جناب.....'' اس نے مسکراتے ہوئے کھٹانہ سے کہا اور بے شرمی سے دانت

نکالتا سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

اسی اثناء میں ویٹر چائے اندر لے آیا تھا۔ اسے دیکھ کر نقشبندی نے خاموشی اختیار کی اور اس کے جاتے ہی پھر شروع ہوگیا۔

''کھٹانہ صاحب یہ گھٹیا کام روزنامہ ''فریب نظر'' کے بدنام زمانہ رپورٹر اعظم خان نے کیا ہے..... یہی وہ شخص ہے جس نے نادرہ بیگم کی ملاقات حاجی آصف سے کروائی تھی.....'' اس نے اپنی دانست میں آخری اضافہ کھٹانہ کی آتش انتقام پر پٹرول ڈالنے کے لیے کیا تھا جس نے واقعی کھٹانہ کے تن بدن میں آگ لگادی۔ وہ اعظم خان کو جانتا ضرور تھا۔ دو تین مرتبہ اس سے ناجائز کام بھی کروانے آیا تھا لیکن اعظم خان نے یہ کام کیوں کیا؟ نہ حب علی نہ بغض معاویہ آخر اس نے یہ کیا کیوں؟ یہی سوچ کر وہ پریشان ہو رہا تھا۔ نقشبندی کی آخری بات نے تو اسے جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اچانک ہی اس کے شیطانی ذہن نے اسے دوسری راہ سجھائی۔ اس نے سوچا کہیں اس سازش کا محرک کاٹھا صاحب تو نہیں؟ لیکن کاٹھا صاحب سے تو اس کا باقاعدہ معاملہ طے پا چکا تھا اور اس کی مدد سے ہی تو کھٹانہ نے چیف منسٹری حاصل کرنی تھی۔ پھر ایک اور خیال آیا کہ کہیں کاٹھا صاحب ڈبل گیم تو نہیں کر رہا۔ کہیں اس نے یہ میاں آصف کو کھٹانہ کے خلاف میدان میں تو نہیں اتارا۔ کیا کاٹھا صاحب کو اس بات کا علم ہے کہ بلقیس نے اس سے شادی کرلی تھی؟ پھر اس نے اس خیال کو بھی دماغ سے جھٹک دیا۔ اس نے سوچا کھٹانہ نے بلقیس سے شادی تو کرنی نہیں تھی اس کا کوئی تعلق اگر ہوگا بھی تو اس کی ماں سے ہوگا۔ ضرور یہ کسی اور کی سازش ہے۔ ایک بات کا اس نے بہرحال مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اعظم خان کو معاف نہیں کرے گا۔ اگر اس نے اعظم خان کی کھنچائی نہ کی تو کوئی اور کتا بلا اٹھ کر اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالے گا۔ اس کا ٹوہر ٹپا تب ہی برقرار رہتا جب وہ اعظم خان کو اس کے انجام تک پہنچاتا۔ یہ ''انجام'' کیا ہوگا؟ کیا ہوسکتا ہے؟ اس سے اسے کوئی لینا دینا نہیں تھا۔ ابھی دو تین روز پہلے ہی اس نے چنی مراثن کی بھی ''اکال چلنا'' کروائی تھی۔ اس کی صحت پر ان باتوں سے کیا فرق پڑ سکتا تھا۔

ابھی وہ سارے کام الیکشن کی وجہ سے ''پنڈنگ'' کر رہا تھا۔ وہ اپنی تمام توانائیاں الیکشن کے لئے محفوظ رکھنا چاہتا تھا۔ اس کے بعد ہی اسے سارے حساب چکانے تھے۔ تمام قرضے بمعہ سود واپس لوٹانے تھے۔ اس مرحلہ پر اسے بہت محتاط رہنا تھا۔ خصوصاً اس کی شراب نوشی کی اگر میڈیا کو بھنک بھی لگ جاتی تو اس کا دھڑن تختہ ہو جاتا ابھی تو اس نے رضیہ سے بھی ملاقات نہیں کی تھی جبکہ دو تین پارٹی میٹنگز میں اس نے رضیہ کو دیکھا بھی تھا جس نے اس سے بالکل اجنبیوں والا سلوک کیا تھا۔

کھٹانہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ اس کا جی تو چاہا کہ اس حرافہ کا ابھی گلہ گھونٹ کر معاملہ ختم کردے لیکن اس نے زبردستی ہونٹوں پر مکارانہ مسکراہٹ سجائے رکھی اور اس نے کروڑوں سے ملتا رہا اس نے رضیہ کو بھی اپنے جذبات کا فی الوقت تو احساس نہیں ہونے دیا تھا جبکہ رضیہ اس کے باطنی جذبات سے بخوبی آگاہ تھی وہ جانتی تھی جیسے ہی اس بھیڑیے کو موقعہ ملا اسے چیر پھاڑ کر رکھ دے گا۔ لیکن اب وہ اپنی ''جرم بے گناہی'' کی ہر قیمت ادا کرنے کے لیے تیار تھی۔

شاید بلاؤں نے اصغری کا گھر دیکھ لیا تھا رات دیر گئے کھٹانہ جیسے ہی کوٹھی پہنچا اسے اپنے کار خاص ''نوازے'' کی آمد کی اطلاع ملی۔ نوازے کا نام سنتے ہی اس کے کان کھڑے ہوگئے اور وہ سمجھ گیا کہ ضرور کوئی نئی

Scanned By Nadeem

مصیبت کھڑی ہوگئی ہے۔ تھوڑی دیر بعد ''نوازا'' اس کے سامنے تھا۔

''چوہدری جی بڑا ظلم ہوگیا بادشاہو'' اس نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا.....

''لالہ تو آپے سے باہر ہورہا ہے۔ خدا جانے اسے کس نے بتایا ہے کہ وڈی بی بی جی کو آپ نے قتل کروادیا تھا.....اور اب چنی میراثن بھی آپ نے رازداری کے لیے مروادی ہے.....'' اس نے سیدھا سادے دیہاتی لہجے میں بات کی۔

نواز بستے کا بدمعاش اور اس کا گاؤں میں کار خاص تھا۔ جس کا کام ہی کھٹانہ کے خلاف سازشوں پر نظر رکھنا اور ان کا تدارک کرنا تھا۔ اس کے دونوں چچازاد لالہ کھٹانہ کے قریب سمجھے جاتے تھے اور ان کے ذریعے ہی اسے پل پل کی خبر مل رہی تھی۔

''کیا کریں یار.....پتہ نہیں اس کا کس نے دماغ خراب کردیا ہے۔ الیکشن سر پر ہے اور یہ نئی مصیبت کھڑی ہوگئی۔'' کھٹانہ نے پریشانی سے کہا۔

''گل ای کوئی نہیں بادشاہو! جب کہیں گے دونوں بہن بھائیوں کو اکٹھا کردیں گے۔ بھابی صاحب بھی ادھرا کیلی ہیں ناں'' اس نے بڑے سفاک لہجے میں کہا۔

''ہاں دیکھتا ہوں..... کچھ کرنا تو پڑے گا۔ میں تو چاہتا تھا امریکہ واپس چلا جائے لیکن اس بے وقوف نے شاید مرنے کی ٹھان لی ہے۔''

اس نے بات بمشکل مکمل کی تھی جب نواز کے موبائل کی گھنٹی بجی۔

''مراتب علی کا فون ہے.....'' کہتے ہوئے اس نے فون پر بات شروع کی۔

''ہوں، ہاں'' کرتے ہوئے اس نے فون پہ کہتے ہوئے کھٹانہ کو تھما دیا کہ وہ خود ''وڈے چوہدری صاحب'' کو بتادے۔

''مراتب ہے چوہدری جی۔ میرے موسیر'' (خالہ کا بیٹا)

''ہاں بھئی مراتب کیا خبریں ہیں۔'' کھٹانہ نے فون پکڑتے ہی بے چینی سے دریافت کیا۔

دوسرے طرف سے بات سنتے ہوئے اس کے چہرے کی کیفیت بدلنے لگی اس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ مراتب نے اطلاع دی تھی کہ لالے نے علاقے کے مشہور مفرور وزیرے ڈکیت کو اس کی ''سپاری'' دے دی ہے۔ ایک کروڑ میں بات طے پائی ہے اور پچاس لاکھ کی نقد ادائیگی کردی گئی ہے۔

''اس کی یہ مجال.....'' کھٹانہ نے غصے سے کانپتی آواز میں کہا.....

''نوازے ادھر ہی معاملہ ختم کردو.....آج کل میں ہی.....'' اس نے نواز کو لالے کے قتل کا منصوبہ سمجھاتے ہوئے کہا۔

نوازا تو اسی رات واپس چلا گیا جبکہ اگلے روز صبح اخبارات کو پریس ریلیز جاری ہوئی کہ وزیر مال چوہدری سرور کھٹانہ کو شدید علالت کی وجہ سے ڈاکٹروں نے مکمل بیڈ ریسٹ کا مشورہ دیا ہے اور وہ پانچ چھ دن تک کسی سیاسی یا سرکاری سرگرمی میں حصہ نہیں لیں گے.....

پریس ریلیز میں بتایا گیا تھا کہ ڈاکٹر حنیف کھٹانہ کی دیکھ بھال کررہے ہیں اور انہوں نے کھٹانہ صاحب کو سختی سے آرام کی ہدایت کی ہے۔ وہ گھر پر آرام کررہے ہیں جبکہ اس روز علی الصبح کھٹانہ اپنے خصوصی غنڈوں کے ساتھ ایک خفیہ مقام پر منتقل ہوگیا تھا۔ لیکن اس کی خیریت پوچھنے کے لیے آنے والے ہر شخص کو یہی علم تھا کہ وہ گھر پر ہے۔ گھر کے ملازمین کو بھی یہی معلوم تھا اس سلسلے میں انتہائی رازداری برتی گئی تھی۔ کھٹانہ نے یہ

ڈرامہ وزیرے ڈکیت سے بچنے کے لیے رچایا تھا۔

وہ جانتا تھا وزیرا ایک مرتبہ ''سپاری'' لینے کے بعد اپنا کام بہرحال مکمل کرتا ہے اب اس کے زندہ رہنے کی ایک ہی صورت تھی کہ اگر لالہ مارا جائے۔ لالے کی موت کی صورت میں ہی وہ اس ''بابا'' سے مذاکرات کرسکتا تھا اور اس کی جان چھوٹتی۔ بصورت دیگر تو خطرے کی یہ تلوار اس کے سر پر مستقل لٹکی رہتی۔

کھٹانہ کی بیماری کے دوسرے روز اس کا سالا ''لالہ کھٹانہ'' جب مٹھاتوالی سے اپنے گاؤں واپس آرہا تھا تو گاؤں کے باہر ریلوے لائن کے نزدیک گھات میں بیٹھے حملہ آوروں نے اس پر اندھا دھند فائرنگ کر کے اسے ڈرائیور سمیت مار ڈالا جبکہ دونوں باڈی گارڈز زخمی ہو گئے۔

''خس کم جہاں پاک'' خبر سنتے ہی کھٹانہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ یہ واقعہ شام کو پیش آیا تھا۔ اس روز رات کو کھٹانہ نے شدید علالت کے باوجود اپنے گھر پر طلب کردہ پریس کانفرنس میں بمشکل یہ بیان پڑھ کر سنایا کہ اس کے بھائی کو دشمن پارٹی نے بزدلوں کی طرح گھات لگا کر مارا ہے اور وہ چیمہ پارٹی کے خلاف قتل کا مقدمہ درج کروائیں گے۔ اس کی شدید بیماری کے پیش نظر ڈاکٹروں نے سفر کی اجازت نہیں دی تھی نہ ہی وہ اس قابل تھا کہ صحافیوں کے سوالات کے جوابات دے سکتا۔ جس طرح وہیل چیئر پر اس کے گارڈ اسے بٹھا کر لائے تھے اس طرح اسے ڈنڈا ڈولی کرتے واپس لے گئے۔ اس نے میڈیا سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا کہ آج اس کا بھائی نہیں بلکہ باپ فوت ہوا ہے۔

لالہ کھٹانہ کے جنازے میں کھٹانہ کے سارے بھائی پیش پیش تھے۔ وہ سب شدید غصے میں دکھائی دے رہے تھے۔ ایک دو تو باقاعدہ رو رہے تھے۔ لالہ کی بیوی تو بین کرتے ہوئے ایک ہی فقرہ دہرا رہی تھی ''میں نے ان کو پاکستان جانے سے بار بار روکا..... ہائے موت میرا سر کے سائیں کو یہاں لے کر آئی تھی۔''

تیسرے روز کھٹانہ کے بندوں نے وزیرے ڈکیت کو قابو کرلیا۔ جس نے حلف دیا تھا کہ لالہ کے مرنے کے بعد وہ ''سپاری'' سے دستبردار ہوگیا ہے۔ اس کی طرف سے فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں چونکہ یہ حلف بدمعاش برادری میں دیا گیا تھا جس کی پابندی اس پر لازم تھی جس کے بعد ہی کھٹانہ نے سکھ کا سانس لیا۔

☆☆☆

چیف رپورٹر عابدی اور پال صاحب اس وقت کاٹھا صاحب سے میٹنگ کررہے تھے۔ اگلے روز کرائم رپورٹر اعظم خان پر قاتلانہ حملہ ہوا تھا۔ اس کی گاڑی روک کر فائرنگ کی گئی تھی۔ لیکن حملہ آوروں نے گولیاں اس کی ٹانگوں پر ہی ماری تھیں۔ ورنہ تو وہ آسانی سے اسے جان سے بھی مار سکتے تھے۔

''یہ کیا ہورہا ہے عابدی صاحب.....اس اخبار میں ایسا واقعہ کبھی پیش نہیں آیا۔'' کاٹھا غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

عابدی کو ایسا موقعہ اللہ دے وہ نجانے کب سے دل میں کپٹ چھپائے بیٹھا تھا۔

''سر جی! خان صاحب نے آدھا شہر تو اپنا دشمن بنا رکھا ہے۔ جب آپ اخبار کے باہر کے معاملات میں دخل دیں گے تو پھر.....'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

کاٹھا کو یہ بات ''ٹھا'' کر کے لگی۔ اسے دائیں بائیں خبریں ملتی رہتی تھیں کہ اعظم خان نے اس سے بالا بالا ہی اس کے دوستوں سے لائن سیٹ کی ہوئی ہے اور اب وہ بھی اعظم خان کو براہ است کام کے لیے کہہ رہے

Scanned By Jadeem

تھے۔ جو کاٹھا کے لیے ناقابل برداشت تھا۔ وہ تو اپنے دفتر کے کسی ملازم کے ڈھنگ کے کپڑے برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ کئی بے چارے قسطوں کی گاڑی رکھنے کے باوجود اس خوف سے دفتر نہیں لاتے تھے کہ کہیں کاٹھا صاحب اس جرم میں انہیں نوکری سے بھی فارغ نہ کر دیں۔ یہاں تو جس کسی کو سرکاری نوٹس ملا اس کی چھٹی ہو گئی۔ یہاں تو ''قاتلانہ حملہ'' ہوا تھا۔

''فارغ کریں جی اسے۔'' پال صاحب جو نجانے کب سے اعظم خان پر تاؤ کھائے بیٹھا تھا منمنایا۔

یہ بات اس نے یوں ہی نہیں کہی تھی۔ وہ بڑا کاریگر بندہ تھا اور کاٹھا صاحب کے موڈ کو اچھی طرح پہچانتا تھا۔

''ٹھیک ہے۔ ہم نے یہ دفتر غنڈہ گردی کے لیے نہیں کھولا ہوا۔ آج ہی ڈاک سے لیٹر بھیج دیں'' اس نے عابدی کو حکم دیا جو اگلے ہی لمحے اس کی فائل پر کاٹھا صاحب کے ریمارکس اور آرڈرز لکھوا کر نیچے ''ایڈمن'' میں آ گیا۔ دوپہر تک اعظم خان کو نوکری سے فراغت کا لیٹر بذریعہ ٹی سی ایس روانہ کر دیا گیا۔

اعظم خان نے اگلے روز یہ خط اپنے ایک عزیز سے وصول کیا۔ کیونکہ وہ تو ہسپتال داخل تھا۔ ڈاکٹر نے بتایا تھا کہ ابھی وہ چھ ماہ تک اپنی ٹانگوں پر نہیں چل سکتا اور اس کے والدین کے بضد ہونے پر اس کی ٹانگ کٹنے سے بچ گئی تھی۔

لیٹر پڑھتے ہی اعظم خان پر غصے کا دورہ پڑا اور اس نے دیوانگی کے سے عالم میں کاٹھا کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ اس کی دونوں ٹانگیں چھت سے لٹکتی ہینگر میں بندھی تھیں۔ بمشکل اس نے شمسہ کو فون کیا۔

''خان صاحب مجھے صرف اتنا علم ہے کہ کاٹھا صاحب اور عابدی کی میٹنگ ہوئی تھی جس میں یہ گندہ اور غلیظ فیصلہ ہوا۔'' وہ غصے میں دکھائی دے رہی تھی جو اعظم خان کے لیے بہرحال اچھا سائن تھا۔ کچھ طبیعت سنبھلنے پر اس نے جج صاحب کو فون کیا لیکن آٹھ دس مرتبہ فون کرنے پر بھی جب رابطہ بحال نہ ہوا تو وہ سمجھ گیا کہ نوکری چھنتے ہی جج صاحب نے بھی آنکھیں پھیر لی ہیں۔

اس روز شام ڈھلتے وہ حیران رہ گیا جب نادرہ بیگم اسے ہسپتال میں ملنے آئی۔ جسے دیکھ کر اعظم خان بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

''میڈیم! میری کسی سے کیا دشمنی ہو سکتی ہے۔ اگر کچھ تھا تو اس اخبار کی وجہ سے لیکن اس ظالم شخص نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔'' اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

نادرہ بیگم جانتی تھی اسے کس نے کس گناہ کی سزا دی ہے۔ وہ سمجھتی تھی کہ میاں آصف اور اس کے درمیان رابطہ کروانے کے گناہ کی سزا اعظم خان کو ملی ہے اور یہ کھٹانہ کا گھٹیا کارنامہ ہے۔ اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ ''لالہ'' کو بھی کھٹانہ نے مروایا ہے۔ وہ اس بات پر بھی دل گرفتہ تھی کہ کاٹھا صاحب نے اپنے ایک جانثار کو محض اس لیے نوکری سے نکالا کہ انہیں ویج بورڈ قوانین کے مطابق اس کا علاج کروانا پڑے گا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا جب ایک روز اخبار کے ایک ملازم جو سر کی تکلیف کا علاج کروانے کے بعد اپنے ٹھیک ہونے کا میڈیکل سرٹیفکیٹ لے کر آیا تھا۔ کاٹھا صاحب نے اس کے سامنے فوراً نوکری سے ''برخاست'' کرنے کا حکم دیا تھا۔

''اوہ جی ان لوگوں کا مسئلہ ایسا ہی رہتا ہے۔ اب اس کے سر درد کی شکایتیں آیا کریں گی۔ ہم نے کوئی ہسپتال تو نہیں کھول رکھا ناں۔'' اس نے نادرہ بیگم کے سامنے بڑی سفاکی سے کہا تھا۔

نادرہ بیگم اس نوجوان لڑکی کو کبھی نہیں بھول سکتی تھی

جس کا باپ ''فریب نظر'' میں تیس سال سے کام کر رہا تھا۔ اب ہسپتال میں بستر مرگ پر پڑا تھا۔ اس کی بیٹی باپ کے بقیہ جات جو ادارے کی طرف واجب الادا میں سے دس ہزار روپے لینے آئی تھی۔ ضد کرنے پر اسے کاٹھا صاحب کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے غصے سے لڑکی کی درخواست اس کے منہ پر مارتے ہوئے کہا تھا۔

''میں خلاف ضابطہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ کل کو اور لوگ بھی اس طرح درخواستیں لے کر آ جائیں گے تم لوگ تو پیدائشی مریض ہوتے ہو..... جاؤ اپنا کام کرو۔''

نوجوان بچی روتی ہوئی باہر آ گئی۔ گو کہ بعد میں نادرہ بیگم نے اسے تلاش کر کے اس کی بھرپور خفیہ مدد کی لیکن وہ جانتی تھی کہ کاٹھا صاحب ایک متکبر، فرعون صفت اور انتہائی گھٹیا انسان ہے جسے انسانیت سے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔

''میں سب جانتی ہوں بیٹا! لیکن ابھی ہم ان ظالموں کے خلاف کچھ نہیں کر سکتے..... میں جانتی ہوں ان سے نجات میں ہی ہماری بقا ہے۔ لیکن ابھی ہم مجبور محض ہیں اور کچھ بھی نہیں..... تم مطمئن رہو۔ مجھے آصف بیٹے نے بطور خاص یہ پیغام دے کر بھیجا ہے کہ خود کو اکیلے نہ سمجھنا۔ جیسے ہی تمہاری طبیعت کچھ سیٹ ہوتی ہے ہم تمہیں پرائیویٹ ہسپتال میں منتقل کر دیں گے۔ تمہارے تمام اخراجات ہم ادا کریں گے اور آج سے تمہاری باقاعدہ تنخواہ ''سولجر ویلفیئر ٹرسٹ'' کے پی آر او کی حیثیت سے لگ گئی ہے۔

''واہ کاٹھا صاحب! ایک طرف یہ طوائف اور پراپرٹی ڈیلر ہیں جن کو آپ نے راندہ درگاہ بنا رکھا ہے اور دوسری طرف آپ ہیں جو سارے ملک کے بزعم خویش ٹھیکے دار بنے ہوئے ہیں۔ لعنت ہے آپ پر..... آپ سے تو ایک طوائف زیادہ عزت دار اور قابل احترام ہے۔'' اس نے دل ہی دل میں کہا۔

نادرہ بیگم واپس چلی گئی۔ اعظم خان نے عزم کیا تھا کہ جیسے ہی موقعہ ملا وہ اپنے دل کی بھڑاس ضرور نکالے گا اور معاشرے پر ان خون آشام بھیڑیوں کی اصلیت ضرور بے نقاب کرے گا جو شرافت، ایمانداری اور اصول پسندی کے نقاب چہروں پر چڑھا کر دن رات اپنے خون کی پیاس بجھاتے ہیں۔

☆☆☆

کھٹانہ دسویں دن ڈاکٹر کی زیر نگرانی اپنے گاؤں گیا تھا۔ اس نے حسب سابق آنکھوں پر کالے شیشوں کی عینک چڑھا رکھی تھی اور اپنے چہرے پر ایکٹروں کی طرح سوگواری طاری کی ہوئی تھی اس نے اپنے سیاسی حریف چیمہ پارٹی پر جی بھر کے تنقید کی ان کے ہاتھوں ''شہید'' ہونے والے اپنے سالے کا رونا رویا اور کہا کہ چیمہ پارٹی کے لوگ قانون اور انصاف کے ہاتھوں بچ نہیں سکتے اور جلد اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ اس نے اپنی مرحومہ بیوی کے نام پر بننے والے ٹرسٹ کی جعلی کارگزاری کا ڈھنڈورا ابھی سے پیٹنا شروع کر دیا تھا۔ دو روز بعد وہ شہر واپس آ کر اپنے دھندے سے جت گیا۔ اس کے شہر کی پولیس چنی میراثن کے اغواء کاروں اور لالہ مرحوم کے قاتلوں کو ڈھونڈنے لگی۔

کھٹانہ نے کاٹھا صاحب پر مستقل کاٹھی ڈالی ہوئی تھی لیکن اسے اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ دراصل انہیں لیڈر تو کاٹھا صاحب اور ان کی قبیل کے لوگ ہی بناتے ہیں جو ان کی رگ رگ سے آشنا ہیں۔ انٹیلی جنس ایجنسیوں میں موجود کاٹھا صاحب کے ذرائع نے انہیں بتا دیا تھا کہ میاں چنوں کی پارٹی اس مرتبہ شاید پنجاب میں بھی اپنی حکومت نہ بنا سکے۔ کیونکہ عین آخری مراحل میں ان کا ایک بڑا دھڑا الگ ہو کر مرکزی پارٹی سے مل

Scanned By ... Nadeem

جائے گا۔ مرکز سے وزیر اطلاعات اس سے ''ڈیل'' کر چکا تھا۔ کاٹھا صاحب نے دو تین روز تک مزید اطلاعات حاصل کیں اور جب انہیں باقاعدہ یقین دہانی کروادی گئی کہ اس پارٹی کا ''کریا کرم'' ہونے والا ہے۔ ان پر کرپشن کے کیس اگلے پانچ سات روز میں کھلنے والے ہیں جن کے دو اہم ترین ملزم میاں چنوں اور کھٹانہ صاحب ہیں۔ کاٹھا صاحب نے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیں ان کی دوستی کسی نظریاتی پارٹی کے بجائے ہمیشہ برسراقتدار پارٹی سے ہوتی تھی۔

اگلے روز ان کے اخبار نے مرکزی حکومت کے حق میں زوردار اداریہ لکھا جس میں بطور خاص کھٹانہ اور میاں چنوں کی کرپشن کو بے نقاب کرتے ہوئے یہ الزام بھی لگایا گیا کہ میاں چنوں نے تو خفیہ طور پر غیر ملکی شہریت بھی حاصل کر لی ہے۔ انہوں نے حکومت سے درخواست کی تھی کہ ان دونوں کا نام ای سی ایل میں ڈالا جائے۔ انہوں نے اس تاثر کو غلط ثابت کیا ان کے اخبار کی ہمدردیاں کس خاص جماعت یا گروپ کے ساتھ ہیں ان کا کہنا تھا کہ وہ صرف اور صرف اسلام اور پاکستان کی بات کرتے ہیں اور ان کی دوستی اور دشمنی کا پیمانہ بھی یہی ہے۔

کھٹانہ پر یہ خبر بجلی بن کر گری۔ اس کا تو دماغ ہی ماؤف ہو گیا۔ بھاگا بھاگا وہ میاں چنوں کے پاس پہنچا جس پر باقاعدہ دورہ پڑ چکا تھا اور وہ مغلظات کا طوفان مسلسل اگل رہا تھا۔ کھٹانہ نے بمشکل اسے نارمل کیا۔ میاں چنوں کے منہ سے بڑھاپے اور کمزوری کی وجہ سے باقاعدہ جھاگ نکل رہی تھی۔ اس نے نارمل ہونے پر فوراً ہنگامی پریس کانفرنس طلب کی جس میں کاٹھا صاحب کے الزامات کو بے بنیاد اور انہیں بلیک میلر بتایا جس پر صحافیوں نے ان کا حلقہ بند کر دیا کہ کل تک تو آپ انہیں اپنا سیاسی نظریاتی اور روحانی مرشد کہا کرتے تھے آج کیا ہو گیا؟

اگلے روز کاٹھا صاحب کے مخالف ایک دو اخبارات نے تو کھل کر ان کا نقطہ نظر واضح کیا جب کہ دیگر اخبارات نے یا تو ''اے پی این ایس'' اور ''سی پی این ای'' نامی دکان کی یونینز کے ضابطہ اخلاق کے تابع خاموشی اختیار کی یا پھر بڑی مناقفت سے فریقین کو برابر ڈیکلئر کر دیا۔ البتہ مرکزی پارٹی نے آسمان سر اٹھالیا اور کاٹھا صاحب کے ادارے کو بنیاد بنا کر صوبائی پارٹی کے پرخچے اڑانے لگے۔ انہوں نے میاں چنوں کے غیر ملکی شہری ہونے کے خلاف عدالت میں باقاعدہ رٹ دائر کر دی تھی۔

اس روز رات گئے۔ میاں چنوں کھٹانہ، مرزا پاپی، جگو جٹ فضل سنگھیڑہ اور دوسرے سرکردہ رہنماؤں نے ایک خفیہ میٹنگ میں اگلا لائحہ عمل طے کر لیا۔ وہ سب اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ الیکشن ان کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے۔ اب وہ مرکزی تو کیا صوبے میں بھی حکومت نہیں بنا سکیں گے۔ جس کا سیدھا مطلب ہے کہ اگلے تین چار سال جیل یاترا کیونکہ ان سب پر کرپشن کے کیس موجود تھے جبکہ ان میں سے بیشتر پر تو قتل اور اغواء کے کیس بھی موجود تھے۔

''میاں صاحب سیدھی بات ہے الیکشن ہمارے ہاتھ سے گیا اب ایک ہی راستہ باقی ہے۔'' فضل سنگھیڑہ نے بالآخر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

سب نے اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''گند پا دیو'' (گندگی پھیلاؤ) اس نے مکارانہ مسکراہٹ سے کہا۔

''حق سچ'' جگو جٹ نے ہاں میں ہاں ملائی او اگلے چند منٹ میں سب نے اس پر صاد کر دیا۔

الیکشن میں اٹھارہ دن باقی تھے جب متشددانہ کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ ایک دوسرے کے جلسوں میں دھماکے، فائرنگ، لڑائی، مارکٹائی، سٹاک مارکیٹ خطرناک حد تک گر گئی۔ پولیس اور انتظامیہ بے بس ہو گئی۔ سیاسی افراتفری سے فائدہ اٹھا کر جرائم پیشہ عناصر نے سر اٹھایا۔ قتل، ڈاکے، اغوا، چوریاں بڑھنے لگیں۔ سیاسی ہنگامہ آرائی نے نظام زندگی مفلوج کر دیا۔

ٹرینیں، بسیں اور دیگر سواریاں مسلسل جلاؤ گھیراؤ سے بند ہونے لگیں، صدر نے پہلے ایمرجنسی لگا کر حالات پر قابو پانے کی کوشش کی پھر پیرا ملٹری فورسز کو میدان میں اتارا گیا۔ مختلف شہروں میں کرفیو لگنے لگے اور ایک روز دشمن ملک کے دو انتہائی خطرناک دہشت گرد ایجنٹ پکڑے گئے جنہوں نے انکشاف کیا کہ ملک کی حساس تنصیبات اڑانے کے مشن پر آئے ہیں اور انہیں کچھ مقامی غداروں کی سرپرستی بھی حاصل ہے۔

اس صورتحال نے ملک کے ہر باشعور شہری کو تڑپا کر رکھ دیا۔ قریباً ہر شعبہ زندگی کے لوگوں نے فوج کے خلاف جلوس نکالنے شروع کر دیئے کہ وہ آخر کب تک تماشا دیکھتے رہیں گے۔ جس پر ''بادل نخواستہ'' فوج کو میدان میں اترنا پڑا۔ سیاستدانوں کو ''حفاظتی حراست'' میں لے لیا گیا۔ مارشل لاء نافذ ہو گیا۔ لوگوں نے سکھ کا سانس لیا۔ اگلے دو چار روز میں کاروبار زندگی معمول پر آ گیا۔ فوجی سربراہ نے اعلان کیا کہ وہ تین ماہ میں عبوری حکومت کے ذریعے الیکشن کروا کر واپس چلے جائیں گے کیونکہ وہ اپنی مرضی سے نہیں آئے انہیں مجبوراً ایسا کرنا پڑا۔

☆☆☆

تین ماہ بعد ایک دن شہر کے ایک اہم ہال میں ایک خصوصی تقریب ہو رہی تھی۔ جہاں کاٹھا صاحب مہمان خصوصی تھے۔ کاٹھا صاحب نے تقریر کا آغاز حسب روایت اپنی خاندانی خدمات گنواتے ہوئے کیا اور کہا کہ وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سیاست دانوں کی کرپشن اور نااہلی کی وجہ سے ہی فوج کو اقتدار میں آنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اچانک ہی وہیل چیئر پر بیٹھا اعظم خان اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''جھوٹ بولتے ہیں آپ کاٹھا صاحب..... اس ملک کی تباہی کا باعث صرف اور صرف آپ ہیں..... ہر وائٹ کالر کرائم کے ڈانڈے آپ سے ملتے ہیں۔ آپ نے آکٹوپس کی طرح اس ملک کو اپنے ہاتھوں، پیروں اور دانتوں میں جکڑا ہوا ہے۔ سیاستدانوں کو کرپشن کا راستہ بھی آپ دکھاتے ہیں اور ان کی کرپشن کا تحفظ بھی آپ کرتے ہیں شرط یہ ہے کہ آپ کا حصہ برابر ملتا رہے۔ کاٹھا صاحب! میں آپ کے اخبار کا کرائم رپورٹر تھا۔ آپ نے میرے ذریعے ہر کرائم کروایا ہے۔ بجلی چوری سے ٹیکس چوری تک آپ نے کی ہے لیکن آپ کے ہاتھوں کرپٹ ہوئے سیاستدان پھر بھی آپ سے بلیک میل ہوئے ہیں۔ آپ جھوٹ بولتے ہیں۔ بیورو کریسی دراصل آپ کی بی ٹیم ہے۔ آپ نے پورے سسٹم کو ہائی جیک کیا ہوا ہے۔ جب تک آپ جیسے نام نہاد صحافیوں سے ملک کو نجات نہیں ملتی کرپشن، غنڈہ گردی، بھوک، جہالت اور بدبختی اس کا مقدر بنی رہے گی! لیکن یاد رکھنا کاٹھا صاحب اب نجات کا وقت آنے والا ہے۔ میں نے اس بغاوت کی ابتداء کر دی ہے.....''

''بیٹھ جاؤ..... بیٹھ جاؤ..... کون ہے یہ..... پکڑو اسے۔''

سٹیج کے اوپر اور نیچے سے کچھ لوگ چلانے لگے۔ کچھ اس کے حمایتی بن گئے۔ ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ پولیس والے اسے وہیل چیئر سمیت اٹھا کر لے گئے۔

(ختم شد)

Scanned and Uploaded By Nadeem